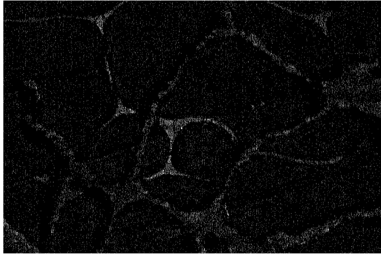


مضامین شرر

یعنی

مولانا مولوی محمد عبد الحلیم صاحب شرر لکھنوی

مدظلہ العالی

کے تمام شاعرانہ و عاشقانہ، محققانہ و فلسفیانہ، تاریخی و جغرافی، علمی و
ادبی مضامین، دنیا کے مشہور اکابر اور نامور خاتونوں کے سوانح عمری،
اور کل متفرق تحریریں جن کی فاضل و محقق موصوف نے از سر نو
نظر ثانی فرمائی ہے

جنھیں

سید مبارک علی شاہ گیلانی مولوی فاضل مزنگ لاہور نے چھپوایا

سال کے اور اپنے تعلقات کو غور سے دیکھیں گے تو شائد انہیں بمشکل کوئی ایسا موقع ملیگا۔ کہ سنہ کی شکایت کریں۔ مگر ہمیں اوروں سے کیا غرض؟ اپنی ہی حالت کا کیوں نہ اندازہ کریں؟

دلگداز (بھلا ہو یا برا) اسی سنہ میں جاری ہوا۔ اور چاہیے جب تک دنیا میں باقی رہے اسی سال کی یادگاروں میں شمار کیا جائے گا۔ دلگداز نے جاری ہوتے ہی اس امر کا خیال کر لیا تھا کہ اپنے بانی اور مربی سنہ کا بارہ ہی مہینے کی مدت میں ساتھ چھوٹ جائے گا۔ اور سب بھولے ہوئے تھے۔ مگر دلگداز نے اسی وقت اس زمانے کو یاد کر لیا تھا جبکہ اب گذشتہ کی مفارقت پر دلگداز کے ساتھ اور بہتوں کی طرف سے بھی صدائے ماتم آرہی ہے۔ اسی سبب سے دلگداز غم کرتا اور ایک پرسوز مرثیہ سنا تا نکلا۔ اور سال بھر غم ہی میں ڈوبا رہا۔ اور یہی رنگ ہے تو ملک اور قوم کو دیکھئے کب تک رلاتا ہے ٭

ہمیں اسوقت یہ دیکھنا ہے کہ ان بارہ مہینوں میں ہم نے کیا کیا؟ یہ تو ایک عام بات ہے کہ لوگوں نے جب ہمیں پایا ایک پر درد اور پرسوز لہجے میں نالہ کشی کرتے پایا۔ مگر غور اس امر پر کرنا چاہئے کہ ہم نے جو وعدہ کیا تھا کہ ”دلگداز اردو رنگ سخن میں ایک نئی روح پھونکنے اور نئی طرح کی قوت مقناطیسی پیدا کرنیکے لئے جاری ہوا ہے“ اُس کو کس حد تک نباہا اور کہاں تک کامیاب ہوئے؟ مگر یہ ایک ایسی بات ہے جس میں زیادہ لکھنا خود ستائی میں داخل ہو جائیگا۔ اپنی تعریف کرنے میں چاہے ہمیں مزہ آئے مگر ناظرین ہرگز نہ پسند کرینگے۔ پھر بھی اتنا تو ہم ضرور کہینگے۔ کہ دلگداز جس رنگ میں نکلا تھا اُسکو نباہ لے گیا اور سال بھر ہر حیثیت سے اچھا رہا ٭

اس میں شک نہیں کہ دلگداز اپنے رنگ میں اکیلا ہے۔ اور جس رنگ میں جاری ہے وہ بہت طبیعتوں کے نزدیک غیر مانوس ہے۔ ہماری آواز بہتوں کے کانوں کو تو گراں گزرتی ہو گی۔ اور اکثر لوگ سمجھتے بھی نہ ہونگے۔ ہمکو یہ بھی معلوم ہے کہ وہ لوگ ہمارے شاکی ہیں۔ مگر وہ ہمیں معذور رکھیں۔ نہ ہم اُن کو اس بات کی تکلیف دیتے ہیں۔ کہ خواہ مخواہ دلگداز کو خرید کے اپنا روپیہ ضائع کریں۔ اور نہ ان سے خواستگار ہیں۔ کہ دلگداز کی تعریف کریں۔ ہم اپنے رنگ میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ اور اپنے خیال میں مست ہیں۔ ہماری حسرت بھری آواز کا مزہ کوئی ہمارے ہی درد آشنا دل سے پوچھے۔ خصوصاً جب ہم اپنے سخن سنج اور نازک خیال احباب اور خریداروں کو دیکھتے ہیں کہ

دلگداز کا ایک ایک نقطہ اُن کے دل پر نشتر کا کام کرتا ہے۔ اَور ایک ایک مضمون کا اثر مہینوں اُن کے دل پر پڑا رہتا ہے تو ہمیں کیا ضرورت ہے کہ ان پر ظلم کر کے بعض نہ سمجھنے والے نکتہ چینیوں کی وجہ سے اپنا رنگ بدل دیں۔ دلگداز بُرا ہو یا بھلا بڑی کامیابی کے ساتھ جاری ہے۔ اَور اپنے عالی دماغ قدردانوں کی عزت افزائی سے اُس کو اُمید ہے کہ آیندہ سال بھی اسی طرح کامیابی سے نکلتا رہے گا۔ اَور یونہی دلچسپی سے دیکھا جائے گا ٭

دلگداز اپنے دعوؤں میں اس حیثیت سے بھی کامیاب ہُوا۔ کہ اسی کے رنگ پر چلنے والے ملک میں کچھ اَور بھی نظر آنے لگے۔ بہت سے لوگ اس رنگ کو اپنی لیاقت اَور اپنے درجے سے زیادہ سمجھ کر بُرا کہنے لگے۔ تو اکثروں نے اسے اختیار بھی کیا۔ اَور کوشش کرنے لگے کہ جس طرح ہو سکے اُردو زبان کو وسیع اَور موثر بنائیں۔ ہم اُن حضرات کے ممنون ہیں۔ اپنی اغراض ہیں ان کو اپنا قوت بازو سمجھتے ہیں ٭

بہت بڑا اعتراض دلگداز کے رنگ پر یہ ہے۔ کہ اس زمین میں ملکی یا اخلاقی یا کسی علمی مسئلے پر دو سطریں بھی نہیں لکھی جا سکتیں۔ یہ ایسی بات ہے کہ خواہ مخواہ ہمیں تسلیم کرنا پڑے گی۔ مگر تسلیم کرنے سے پہلے ہم معترضوں کی سمجھ پر افسوس ضرور کر لیں گے۔ دنیا کی جتنی زبانیں ہیں اُن میں آج تک یوہی ہوتا آیا ہے۔ کہ ہر فن کے متعلق ایک جُداگانہ رنگ ہُوا کرتا ہے۔ جو رنگ لٹریچر کا ہوتا ہے اُس کو پالیٹکس سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ اَور جو رنگ پالیٹکس کا ہوتا ہے وہ لٹریچر میں نہیں پھبتا۔ ایک ہی زبان میں متضاد اغراض نہیں ادا کئے جاتے ہیں۔ انگریزی میں جو زبان ناول کی ہے اَور جو زبان گولڈ سمتھ اور شکسپیر کی معرکہ آرا ہے اس کو لارڈ بیکن اَور لارڈ میکالے کی زبان سے کچھ لگاؤ نہیں موجودہ زمانے میں لارڈ لٹن بڑے اعلےٰ انشا پردازوں میں تصور کئے جاتے ہیں مگر آج تک کوئی اس پر راسئے زنی کرنے نہیں بیٹھا کہ گلیڈاسٹون اور سالسبری کی زبان کا اَور اُن کی زبان کا مقابلہ کرے۔ کیونکہ دونوں اپنی اپنی زبان کے ہیرو ہیں۔ عربی ہی میں چلیئے۔ حریری اَور بدیع اَور متنبی کی زبان کا اَور ابن سینا اَور علامۂ طوسی اَور امام رازی کی زبان کا کس نے مقابلہ کیا؟ نہ اُن سے اُنہیں کچھ تعلق ہے اَور نہ اُن کو اِن سے کچھ علاقہ ہے۔ اَور

کوئی باعتبار زبان کے دونوں کا مقابلہ کرے یا حریری کے رنگ میں لکھنے والے سے فرمایش کرے کہ کوئی فلسفی مسئلہ اس رنگ میں لکھ دو۔ تو شائد وہ مجنون خیال کیا جائے گا۔ یونانی زبان نے جو کچھ ترقی کی اس کا ایک زمانہ شاہد ہے۔ مگر کبھی کسی نے ہومر اور سقراط و ارسطو کی زبان کا موازنہ نہیں کیا۔ یہ نازک خیالی ہمارے ہمعصر انشا پردازوں ہی کو سوجھی ۔

ہاں ایک نقص البتہ دلگداز میں ہے جس کو ہم بڑے افسوس کے ساتھ دیکھتے ہیں اور کچھ نہیں کر سکتے۔ ہم کو صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ دلگداز میں ایک عیب رہا جاتا ہے۔ مگر کیا کریں بالکل مجبور ہیں۔ وہ یہ کہ ہمارے ہموطن اور ہم غرض اور ہم الم دوست ہندوؤں کے لئے شکایت کا موقع پیدا ہوا جاتا ہے کہ دلگداز کو روز بروز مسلمانوں کے ساتھ تخصیص ہوتی جاتی ہے۔ اور وہ ہندوؤں کے اغراض اور خیالات کے موافق بہت کم مضامین شائع کرتا ہے۔ اس میں ہم بالکل مجبور ہیں۔ اور مجبوری کی وجہ یہ ہے۔ کہ آرین ہسٹری سے ہمیں بہت کم واقفیت ہے۔ بخلاف اس کے مسلمانوں کی ہسٹری تھوڑی بہت ہمیں معلوم ہے جس سے ہم اپنے مفید مطلب نتائج نکال لیا کرتے ہیں۔ اور جو کچھ یاد آجاتا ہے اپنے مجنونانہ جوش میں لکھ جاتے ہیں۔ جن لوگوں نے دلگداز کے پورے پرچے غور سے ملاحظہ فرمائے ہیں۔ انہوں نے دیکھا ہوگا۔ کہ جب کبھی مقدس آرین بہادروں کا ذکر آگیا ہے۔ ہم نے بڑے ادب سے نام لیا ہے۔ اور ان کے حالات جہاں کہیں دکھائے ہیں۔ پورے جوش کو خرچ کر دیا ہے۔ اس موقع پر ہم اپنے ہندو دوستوں سے اعانت و مدد کے خواستگار ہیں۔ اول تو ان سے مضامین مانگتے ہیں۔ اور اگر ان کو اتنی فرصت نہ ہو۔ تو یہی کریں کہ اپنے قدیم بہادروں کے کچھ حالات لکھ کے بھیج دیں ہم انہیں مناسب الفاظ میں لکھ کر دلگداز کا فخر سمجھ کے شائع کریں گے۔ ہمیں ہندوؤں سے کوئی تعصب نہیں اور نہ کسی قسم کی مخالفت ہے۔ اگر ہے تو ہمارا عجز اور ہماری واقفیت کا نقصان ہے۔ اگر ہندو صاحب ہماری مدد کو موجود ہو جائیں تو دلگداز کا یہ عیب بھی جاتا رہے اور ہم بھی ان کے انتہا سے زیادہ احسانمند ہوں۔ سنہ نے ہمارے نزدیک ہمیں سب باتوں میں کامیاب کرا دیا اگر ناکامیاب رہے تو اسی بات میں۔ اور امید ہے کہ سنہ میں یہ نقصان بھی

نکل جائے گا +

باتوں باتوں میں ہم کہاں سے کہاں جا پڑے۔ سنہ ۸۷ء کا نام لیا تو یاد آ گیا کہ کہاں اس کی وفاداریاں بیان کرنے کا ارادہ تھا کہاں اپنا قصہ چھیڑ دیا۔ اَور ضرورت سے زیادہ بیان کر گئے۔ صاحب ہم تو سنہ ۸۷ء کے نہایت ہی ممنون و شکر گذار ہیں۔ چاہے کسی اور کو شکایت ہو ہمیں اس سے کچھ شکایت نہیں ہماری زندگی کو اس سنہ نے ایک نہایت عمدہ اَور کامیاب کرانے والا تغیر دیا۔ اس سنہ میں ہم کو موقع ملا کہ پبلک سے بلاواسطہ گفتگو کرنے کا ایک سلسلے وار ذریعہ قائم کریں۔ اس سنہ نے ہمارے دل میں ایک روز افزوں جوش پیدا کیا۔ اَور وہی پُر جوش اَور پر درد مضامین جن کو ہمارے بعض دوست ناپسند کرتے ہیں دلگداز میں چھپ کر شائع ہوئے اَور عمدہ عمدہ مشہور اخباروں میں نقل کئے گئے اَور اُن افتخارانِ ملک کی نظر سے بھی گذرے جن سے ہمیں اصالۃً تقریر و تحریر کی عزت نہیں حاصل ہوئی ہے +

سنہ ۸۷ء کے احسان ہم پر ایسے ہیں کہ نکتہ چینوں کی خامہ فرسائیوں کی ہمیں کچھ پروا نہیں۔ اَور یہ ہمارے دل کو اس قدر مضبوط کر چلا ہے کہ آیندہ بھی ہمیں پروا نہ ہوگی۔ ہم کبھی اُن کی طرف مخاطب ہی نہ ہونگے۔ ہاں اعتراض کرنے کا اُنہیں اختیار باقی ہے۔ وہ شوق سے لکھیں اَور ہم وعدہ کرتے ہیں کہ بڑی شگفتگی کے ساتھ ہمیشہ پڑھ لیا کرینگے +

ناظرین کے ہم اس بات میں مشکور ہیں کہ ابتدائے سنہ ۸۷ء سے دلگداز کے خریدنے والوں میں سے کوئی نہیں ہے جسکے ذمے سالانہ قیمت باقی ہو۔ مگر ہاں وسط سال سے لینے والوں میں سے چند حضرات کے ذمے باقی ہے اُمید ہے کہ ہماری اس تحریر کو وہ کافی سمجھیں گے اَور روپیہ بہت جلد ارسال فرما کر دفتر دلگداز کو ممنون کرینگے۔ مگر اب قیمت بھیجنے والوں کو اُس ناول کا خیال رکھنا چاہئے جو شروع سنہ ۸۸ء سے دلگداز کے ساتھ شائع ہوگا۔ کیونکہ اس کے لئے ایک روپیہ علیحدہ آنا چاہئے +

سنہ ۱۸۸۸ء

صاحبو! زمانے نے پلٹا کھایا۔ اُمیدیں زندہ ہو گئیں۔ آرزوؤں میں ایک

جدت پیدا ہو گئی۔ دلگداز نے آپ کی توجہ سے ایک سال پورا کر کے دوسرے برس میں قدم رکھا۔ اس قسم کے تغیرات اگرچہ ابتدا میں ایک قسم کی حسرت یاد دلا دیا کرتے ہیں۔ مگر آخر میں کسی نہ کسی قدر مسرت کا بھی موقع مل جاتا ہے ۸۴ء کو رخصت کرتے وقت ہمارا دل بہت بھر آیا تھا۔ اُس وقت جو ہم نے زبان سے نکالا تھا خُدا جانتے کس قدر ضبط کر کے اور کتنا بڑا پتھر کلیجے پر رکھ کے۔ جو کچھ کہا تھا ایسے پُردرد لہجے میں کہا تھا۔ کہ سُننے والوں کی آنکھوں میں بھی آنسو بھر آئے ہوں گے۔ اب وہ پُر غم قصہ تو تمام ہُوا۔ اس بات کی خوشی ہے کہ ایک نئے مہمان کا خیر مقدم ادا کرنے کے لئے الفاظ ڈھونڈھ رہے ہیں۔ یہ قدرت کا بھیجا ہُوا مہمان ہمارے سامنے کھڑا ہے۔ چونکہ نیا نیا آیا ہے۔ اس لئے دُنیا کو غیر مانوس نظر سے دیکھ رہا ہے۔ ایک نیا کام اس کے سر پڑا ہے۔ اَور کھڑا سوچ رہا ہے۔ کہ کارخانۂ قدرت میں کیا دخل دے؟ دنیا والوں کے ساتھ کیا سلوک کرے؟ اَور ہم سے کس طرح پیش آئے؟ یہ وقت بہت غنیمت ہے۔ ایسے میں جس طرح ہو سکے ہم اسے اپنی طرف متوجہ کر لیں۔ ایک نیا کارخانہ دیکھ کر گھبرا اٹھا ہے۔ اس کے مانوس بنانے کی کوشش کریں۔ ہماری قسمت ایک مدت تک کے لئے اس کے ہاتھ میں دیدی گئی ہے۔ بُرا ہو یا بھلا جیسا ہو اب تو پورے بارہ مہینے تک ہمیں اسی کے ساتھ نباہنا ہے۔ ہمیں اس کا بہت خیال رکھنا چاہئے۔ کہ یہ بدمزہ نہ ہو جائے۔ خدانخواستہ بگڑ گیا تو بہت بُری ہوگی ❊

صاحبو! جانتے بھی ہو کہ یہ کون ہے؟ زمانے کا نام اکثر سُنا ہوگا۔ اَور جہاں زمانے کا نام سُنا ہوگا وہاں اس کی بیوفائیوں کا شکوہ بھی سُنا ہوگا تو سب اچھی طرح معلوم ہوگا۔ کہ زمانے سے زیادہ بیوفا کوئی نہیں۔ جب پایا ہوگا مزاج پارے کی طرح برہم ہی پایا ہوگا۔ دنیا میں کون ہے جس کو اس کے ہاتھوں سے صدمہ نہیں پہونچا؟ ہائے سب اس کے ستائے ہوئے ہیں۔ مٹی ہوئی اَور پامال قومیں خاک ادبار پر پڑی ہوئی اسے کوس رہی ہیں تو ترقی یافتہ لوگوں کی پیٹھ پر اس کے کوڑے کے اُن دنوں کے نشان بنے ہوئے ہیں جب وہ ذلت کی حالت میں تھیں اَور بے رحمی سے اپنا ایذا رساں کوڑا اُن کی پیٹھ پر پھٹکارا کرتا تھا۔ اگرچہ موجودہ ترقیوں نے وہ مصیبتیں بُھلا دی ہیں۔ مگر کبھی کبھی باد مخالفت کے چلنے سے مدتوں کی چوٹ کی طرح وہ

نشان اُبھر آتے ہیں اَور یہی آسودہ حال اَور بامراد لوگ بیتاب ہو ہو کے کھجلانے لگتے ہیں۔ ایسا کوئی نہیں جس کا دامن زمانے کے ہاتھ سے بے پچے نکل گیا ہو ذی علم۔ پرہیزگار۔ قومی ہیکل اَور کامیاب آریہ لوگ جنہوں نے پہلے پہل فتحمندی کا جھنڈا مشرقی دنیا کے دلفریب سبزہ زار میں گاڑ دیا تھا۔ جن کے حملے پہاڑوں کو ہلا دیتے تھے۔ جن کی ترقیانہ رفتار تیزرو دریاؤں کے حوصلے پست کر دیتی تھی جن کی دھاک دنیا بھر میں بیٹھی ہوئی تھی جن کے سامنے کوئی بہادری کا لفظ زبان پر نہیں لا سکتا تھا جن کا نام تاریخ میں سب سے پہلے لکھا گیا۔ اَور جو اگلی دنیا کے بہت پُرانے اَور بہت نامور ہیرو تھے۔ آج دیکھو کس درجہ بیکس و بے بس کس قدر نااُمید و مایوس۔ کیسے افسردہ و پاشکستہ بیٹھے ہیں؟ انہیں کس نے اس حال کو پہونچایا؟ زمانے نے۔

اگلی دولت و حشمت کے یادگار۔ پُرانے باہمت اَور باوقار۔ عالی ہمت بلند حوصلہ۔ تاجدار اَور نامور پارسی جنہیں مذہبی رسوم بدل کے اَور قومی توہین اُٹھا کے ہندوستان کے جنوب و مغربی کونے میں پناہ ملی تھی جنہیں وطن کے در و دیوار سے رخصت ہو کر غریب الوطنی کی مصیبت سر پر اُٹھانا پڑی تھی جن کا آوازہ کبھی چار دانگ عالم میں بلند تھا۔ جو کسی زمانے میں ساری مشرقی دُنیا کے حکمران تھے۔ جن کی بہادری دنیا میں ضرب المثل تھی۔ جن کی تلوار سے روئے زمین کی آبادی کانپ اُٹھتی تھی۔ جن کے بہادروں کے نام قصے کہانیوں میں ہمیشہ سُنے گئے۔ اَور سُنے جائیں گے۔ دیکھو آج وہی لوگ کس ادنےٰ حالت پر ہیں؟ اُن کی تعداد کس قدر کم ہے؟ اُن کی زندگی کس بے وقعتی سے گذر رہی ہے؟ اگر کوئی پوچھے کہ اُنہیں اس حالت پر پہونچانے والا کون ہے؟ تو سواء اس کے کیا کہا جائے گا۔ کہ "زمانہ"

اُوالعزم۔ سادہ دل۔ بہادر۔ مقدس۔ فتحمند اَور بامراد مسلمان جن کی تلوار دس دس لاکھ کی جماعت میں چمکتی تھی۔ اَور اپنا کام کر جاتی تھی۔ جن کے قدم چاروں طرف ممالک کو فتح کرتے بڑھتے چلے جاتے تھے۔ جن کا پاؤں ترقی کی رفتار میں زمانے سے آگے نکل جاتا تھا۔ جو اشاعت دین اپنا فرض اَور تہذیب عالم اپنا کام سمجھتے تھے۔ سپہ گری جن کا جوہر تھا۔ مرنا جن کا کھیل تھا۔ علوم و فنون میں سب پر سبقت لے گئے تھے۔ وہی مسلمان آج کس درجہ

پریشان حال۔ شکستہ دل۔ افسردہ صورت نظر آتے ہیں؟ کیوں! اس لئے کہ زمانے سے اُنہوں نے بگاڑ دی۔ اَور نتیجہ یہ ہُوا کہ خود ہی بگڑ گئے ⁂

زمانہ ہر حال میں ہم پر حکمران ہے۔ ترقی کے وقت انسان میں غرور آجاتا ہے۔ اَور اپنے زعم میں زمانے کی حکومت سے غافل ہو جاتا ہے۔ اسی غرور نے سینکڑوں کو تباہ و برباد کر دیا اَور خدا جانے کتنوں کو تباہ کرے گا۔ اسی لئے کہتے ہیں۔ کہ ہمیں ۸۸ء کی طرف سے غافل نہ ہونا چاہئے۔ ہم خواہ موافق رہیں یا مخالف۔ مگر اس کے اختیار میں ہیں جب جانتے ہیں کہ اس کی فرمانبرداری ہمیں ضرور کرنا پڑے گی تو موافق ہی کیوں نہ رہیں؟ جس سے بس نہ چلے اُس کی مخالفت میں سوا نقصان کے کوئی فائدہ نہیں ⁂

یہ بھی اوروں کے سمجھانے کے لئے کہہ دیا ورنہ ہم تو دل و جان سے ۸۸ء کا استقبال کرتے ہیں۔ اس کا ساتھی ۱۸۸۷ء بھی ہم سے اچھی طرح پیش آیا۔ اَور اُمید ہے کہ یہ بھی ہم پر مہربان ہی رہے گا ⁂

قدرت اس موقع پر ایک نہایت عمدہ نصیحت کر رہی ہے مگر افسوس بہت کم ایسے ہیں جو سنتے ہوں۔ اے رفتارِ زمانہ کا اندازہ کرنے والو! نیچر زبان حال سے کہہ رہا ہے کہ "وقت کی قدر کرو۔ یہ ایک قیمتی ہدیہ تمہیں دیا گیا ہے۔ اسے لو۔ اَور اپنے کام میں لاؤ۔ ایسا نہ ہو کہ جس طرح ۸۷ء سے تم نے کچھ نفع نہیں اٹھایا اُسی طرح اسے بھی ضائع کر دو" حقیقت میں وقت نہایت قیمتی چیز ہے ⁂

اب اس سے زیادہ کیا ہوگا کہ یہی ایک چیز ہے جو کھو کے نہیں ملتی۔ مگر افسوس ہے تو اسی بات کا کہ ۸۷ء پورا گزر گیا اور ہم نے کوئی ایسی بات نہیں کی جو کسی حیثیت سے ذرا بھی قابل یادگار ہوتی۔ جب گزشتہ ۸۷ء یوں آناً فاناً ہماری نظر سے غائب ہو گیا اَور ہم بیکار بیٹھے رہے تو ۸۸ء کی نسبت کیونکر کہا جا سکتا ہے۔ کہ ہم کچھ کر لیں گے ⁂

افسوس! ہزار افسوس! نشۂ غفلت میں ڈوبے ہوئے تھے۔ ادبار کی نیند سوار تھی بچوں کی طرح ٹھیکریوں کے کھلونے کھیل رہے تھے۔ پری وشوں کی طرح مست خواب ناز تھے۔ خیال بھی نہ گذرا معلوم بھی نہ ہُوا۔ خبر بھی نہ ہوئی۔ کھٹکا بھی نہ ہُوا تیسویں دسمبر کی رات کو آرام سے سو گئے۔ صبح کو اُٹھے وہی معمولی سماں نظر آیا۔ کوئی نئی بات بھی نہ تھی کہ وحشت دل یاد دلا دیتی۔ اپنے اسی معمولی طریقے سے مُنہ ہاتھ

دھوکے کاروبار میں مصروف ہوئے۔ ایک دوست کو خط لکھنے کے لیے کاغذ اُٹھایا پیشانی پر تاریخ لکھی۔ تاریخ اور مہینہ تو روزانہ ترتیب کی وجہ سے صحیح لکھ لیا مگر سنہ وہی ۱۸۸۷ء۔ ایک صاحب نے دُور سے دیکھ کر فرمایا "سنہ ۸۸ لکھیے" متعجب ہو کے پوچھا "سنہ ۸۷ کیا؟" وہ صاحب مسکرا کے بولے "وہ گیا۔ اب کہاں؟" اس جملے نے ہم نہیں سمجھ سکتے کہ دل پر کیا اثر کیا۔ دل پر ایک چوٹ سی لگی۔ یقین جانیے کہ آنسو ٹپک پڑے۔

صاحبو! ہمیں اس پر رونا نہیں آیا کہ ۱۸۸۷ء بے لے رخصت ہو گیا۔ آپ سے سچ کہتے ہیں ہم سنہ ۸۷ پر نہیں روئے۔ اصل میں ہم اپنے حال پر روئے۔

کوئی پوچھ بیٹھے کہ گذشتہ ایک سال کی مدت میں جو سنہ ۸۷ کی زیرِ نگرانی گذری ہم نے کیا کیا؟" تو جواب نہ بن پڑے گا۔ اس سوال کے جواب میں ہماری طرف سے ایک سراپا ذلت سکوت ہوگا جو ہمارے ساتھ ساری قوم کو شرمندہ کر دے گا۔ افسوس قوم بھر میں ایک بھی ایسا نہیں نظر آتا جو ٹالنے ہی کے طور پر سہی اس سوال کا جواب دے سکے۔"

"کیا کیا؟" ہائے کس قدر آسان سوال ہے؟ کیسا سہل معلوم ہوتا ہے مگر یہ دو لفظ ہماری قوم پر ایک بار ہیں کہ کسی طرح نہیں ٹلتے۔ اس پہاڑ کے ٹلنے کی کوئی اُمید نہیں۔ ہاں سنہ ۸۸ میں شاید کوئی قوی ہمت فخر قوم اُولوالعزم ایسا اُٹھ کھڑا ہو جس کی قابلِ فخر کارروائی دیکھ کر یکایک ساری دنیائے اسلام کی زبان سے برجستہ یہ کلمہ نکل جائے کہ "یہ کیا" تو یہ بوجھ ہمارے سر سے ٹل سکتا ہے۔ اور یوں تو بالکل نا اُمیدی ہے۔ روز بروز ہم اس بار میں دبتے ہی جائیں گے۔

زیادہ افسوس بات کا ہے کہ بظاہر اسباب ہم سے سنہ ۸۸ کے خاتمے پر جب یہی سوال کیا جائے گا تو اسی طرح پھر ندامت سے سر جھکانا اور اسی طرح شرمندگی کے بوجھ میں اور دبنا پڑے گا۔ دیکھیے ہم کب تک یوں ہی نادم رہتے ہیں۔ اے خدا تو جلد ہماری مدد کر کہ کوئی عالی ہمت افتخارِ قوم اپنے مضبوط ارادے سے اُٹھے اور یہ بوجھ ہمارے سر سے ٹالے۔

سنہ ۱۸۸۸ء

اس موقع پر ایک مشہور مصرع باربار ہماری زبان سے نکل جاتا ہے۔ ع "اگلی بھی دن بہار کے یون ہی گذر گئے"۔ بیشک یون ہی گذر گئے۔ جو کام قدرت کے سپرد ہین وہ کامیابی کے ساتھ ہوے۔ موسمون کے تغیرات اُسی معمولی کامیابی کے ساتھ ہوے جس طرح ہر سال ہوا کرتے ہین۔ عمرون کی ترقی۔ قُوٰے کا گھٹنا بڑھنا۔ سنون کا بدلنا۔ وہ سب باتین جو ہمیشہ ہوتی رہتی ہین اُسی طرح ہوئین۔ غرض دنیا کا چرخہ جس معمولی رفتار سے چلتا ہے چلے گیا۔ مگر جس وقت اس طرف نظر ڈالی جائے کہ وہ کام جن کا انصرام ہمارے ہاتھ مین تھا وہ کہان تک اور کیونکر سرانجام پائے؟ تو دیر تک متفکر رہنے کے بعد ہمین نہایت حسرت سے نادم ہونا پڑے گا۔ "ہم نے کچھ نہین کیا"۔

قوم اُسی طرح خرابی و تباہی مین ہے۔ دل اُسی طرح بجھے ہوے ہین۔ عمارتین اُسی طرح مسمار ہو رہی ہین۔ حوصلے اُسی طرح پست ہوے جاتے ہین۔ تعلیم مین جو خرابیان تھین اب تک باقی ہین۔ افلاس و فلاکت جس طرح پہلے اہل اسلام کو گھیرے ہوے تھین اب تک گھیرے ہین۔ لائق و فائق افتخاران قوم جس طرح اگلے برس حیران و سرگردان تھے اب تک ہین۔ امرا و روسائے قوم کی آنکھون پر جو غفلت کے پردے پڑے تھے اب تک پڑے ہین۔ پھر پوچھیے کہ ہمنے کیا کیا؟ کچھ نہین کیا۔

اس موقع پر اس بات کی تفصیل ہم چھوڑے دیتے ہین کہ زمانے بھر مین کیا ہوا؟ ملک مین کیا انقلاب ہوے اور دنیا کی رفتار کس حالت پر رہی؟ ہمین اپنی طرف دیکھنا چاہیے۔ افسوس جب ہمارا خیال ہم سے پوچھتا ہے کہ "اس گذشتہ سال مین تم نے کیا کیا؟" تو ہم سے بھی اسکے سوا کوئی جواب نہین بن آتا کہ "کچھ نہین"۔ ہم اُن وضعدارون مین بھی نہین کہ کچھ نہ کرتے اور ایک افسوسناک سکوت کی حالت کو اپنے اور اپنی قوم دونون پر طاری دیکھ کر مصرع "مرگ انبوہ جشنے دارد" زبان سے نکالین۔ اور اپنی وضعداری پہ خوش ہون کہ قوم کا خوب ساتھ دیا۔ ہمین نہایت افسوس ہے کہ ہمارا مہمان سنہ دامن چھڑا کے چلا گیا۔ اور ہم چونک کے حسرت سے ادھر اُدھر دیکھنے لگے کہ افسوس کچھ نہ کیا۔ اس سنہ مین ہم نے جو کچھ کیا وہ

اسکے مقابل مین بہت کم ہے کہ ہمین کیا کرنا چاہیے - یہ ایک ایسا جملہ ہے کہ ہم اگر اسکی تفصیل لکھنے پر آمادہ ہو جائین تو ہمارا جدید مہمان سنہ ۸۹ع بھی یون ہی دامن چھڑا کے چلا جائے اور ہم اُن کامون کی فہرست ہی بتاتے رہین جو سنہ ۸۸ع مین ہم پر فرض تھے - افسوس ہمارے شخصی فرائض درکنار وہ قومی عام اغراض جن کے نہ بر آنے سے "اسلام" روز بروز ایک مُردہ اور بیجان لفظ ہوا جاتا ہے وہ بھی یون ہی باقی رہ گئے - آخر ہم نے قومی ترقی کا کون نمونہ دکھایا ؟ گذشتہ وایسرائے ہز ایکسلنسی لارڈ ڈفرن جنھون نے سند رکاؤ ہند پر قدم رکھتے ہی مسلمانون کی بہت کچھ دلدہی کی تھی اور جن کی فیاضانہ کوششون سے ہمین بڑی اُمید تھی ہماری غفلت نے اُنکی قدر نہ کرنے دی اور وہ اس سال کے خاتمے پر جدید وایسرائے کو اپنے عہدے کا چارج دے کے روانہ ہو گئے -

الغرض ہندوستان کی مُلکی حالت اور مسلمانون کی قومی صورت نے کوئی ایسا پہلو نہین بدلا کہ ہم اپنے دل کو کچھ تسلی دے سکین - ایک کانگرس کا ہنگامہ گرم رہا - جسکے اعتبار سے طرفداران کانگرس کے حوصلے البتہ کسی قدر بڑھ گئے ہونگے - مگر قطع نظر اسکے کہ ہم موافق ہین یا مخالف اتنا ضرور کہین گے کہ ہندوستان کی بدنصیبی سے اس کانگرس نے ہندو مسلمانون مین سخت مخالفت اور عداوت پیدا کرا دی - گو یہ مخالفت پیشتر سے تھی مگر سنہ ۸۸ع نے زیادہ اشتعال دلا دیا -

ان باتون کے بیان کرنے مین تو خدا جانے کس قدر زمانہ صرف ہو جائیگا - آؤ ہم اپنی طرف دیکھین - دلگداز سنہ ۸۸ع مین کیسا رہا ؟ سچ تو یہ ہے کہ ہمارے ناظرین نے جس خوبی سے اُسکی قدردانی کی خود دلگداز اُس خوبی سے نہین جاری رہا - قریب قریب ہر مہینے مین ہمارے لائق احباب کا جوش و شوق ترقی پر تھا اور دلگداز کی اشاعت مین بے ترتیبی اور سُستی ہی ظاہر ہوتی تھی - کئی سبب تھے کہ دلگداز سے اپنے قدردانون کی ناشکری نمایان ہوئی - اول تو اس سال مین کئی مرتبہ خیالات پلٹے پہلے یہ قصد ہو گیا تھا کہ ہمیشہ سہ ماہی تین پرچے اکٹھا نکال دیے جایا کرین - لیکن آخر مین مجبوراً اس خیال سے دست بردار ہونا پڑا - دوسرا سبب یہ ہوا کہ دلگداز ایک دوسرے پریس مین چھپتا تھا کہ جسکی وجہ سے تیاری اور اشاعت اپنے اختیار

سے باہر تھی۔ تیسرے یہ کہ اڈیٹر کے سر بھی اس سال کئی کام رہے جن کی وجہ سے وہ دلگداز کی طرف پوری توجہ نہ کر سکا۔

پھر بھی اس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ دلگداز نے اس سال کئی حیثیتون سے ایک نمایان ترقی کی۔ سنہ ۸۷ء مین صرف خیالات سے مدد لی گئی تھی۔ اور پورے سال کے بارہ جزون کے سب صفحے اڈیٹر کے جنون انگیز ولولون اور اُسکی طبیعت کے جوشون سے بھرے ہوتے تھے۔ لیکن سنہ ۸۸ء مین واقعات پر بھی نظر ڈالی گئی اور حتی الامکان عمدہ عمدہ تاریخی مضامین شایع کیے گئے۔ قطع نظر اُن مضامین کے جو مولوی شبلی صاحب کی تصانیف سے ماخوذ کر کے لیے گئے تھے ہمارے لائق اور فاضل دوست مولوی خلیل احمد صاحب کا وہ اعلیٰ مضمون جو دمشق کے متعلق تھا اور وہ مضامین جن کے ذریعے سے ہم نے بغداد کے عروج و زوال کی تصویرین دکھائین ایسے نہین ہین کہ ہمدردان اسلام کو کبھی بھول جائین۔ ہمارے خیال مین دلگداز کی جلد بابت سنہ ۸۸ء سنہ ۸۷ء کی جلد سے کہین زیادہ قیمتی ہے۔

ان سب باتون کے علاوہ ناول جو سنہ ۸۸ء مین دلگداز کے ساتھ شائع ہوا غالباً اُردو مین اپنی طرز کا پہلا ناول ہے۔ ہمارے مسلمان دوستون نے اس ناول کو حد سے زیادہ پسند کیا۔ اس ناول نے قوم اسلام کے وہ کارنامے دکھائے جو بجھے ہوے جوشون اور پژمردہ حوصلون کو از سر نو زندہ کر سکتے ہین۔ ہماری قومی تاریخ مین الیڈ اور اڈیسے یا دوسری مذہبی تاریخون کی طرح شاعرانہ جوش و خروش نہین ہے۔ کسی کے قلم مین اتنی قوت نہین ہو سکتی جتنی ہمارے بزرگون کے تلوار والے ہاتھ مین تھی وہ لڑائیان جو زمانۂ صحابہ مین ہوئین وہ تو ایک معجزنما قوت کا نمونہ تھین مگر کروسیڈ کے زمانے مین جب دین مسیحی نے جہاد کا نام لے کر یورپ والون سے تلوار اُٹھوا دی تھی۔ مسلمانون نے جو بہادری و سپہگری دکھا دی اُس کا سکہ ہمیشہ یورپ والون کے دل پر بیٹھا رہے گا۔ صلاح الدین کے حالات سے مسلمان بہت کم واقف ہین۔ تاریخی حیثیت سے اسکے حالات بتانا ہمارے دوست مولوی شبلی صاحب کا کام ہے جو

† الیڈ اور اڈیسے یونانیون کی دو کتابین ہین جن مین اُنکے دیوتاؤن کی لڑائیون کا تذکرہ بالکل رامائن اور مہابھارت کی طرز پر کیا گیا ہے۔ منہ۔

جو اُسکی سوانحعمری لکھنے کا بار اپنے سر لے چکے ہین۔ مگر ہم مختصراً اس قدر کہ سکتے ہین کہ دنیا کی کسی قوم کو شخصی گورنمنٹ کی صورت مین ایسا بے نفس کوئی بادشاہ نہ ملا ہوگا جیسا کہ سلطان صلاح الدین سلمانون کو ملا ہے۔ اُس نے ہمیشہ ملک فتح کیے اور ہمیشہ اُنکی آمدنی علمی، مدارس اور دینی کامون کی نذر کردی۔ وہ اتنی بڑی سلطنت چھوڑ کے مرا تھا مگر اپنی ذاتی ملکیت مین اتنا روپیہ بھی نہین چھوڑا تھا کہ تجہیز و تکفین کے لیے کافی ہوتا۔ اُسمین جوش قومی اور فدایانی جس زیادتی کے ساتھ پایا جاتا تھا شاید کسی بادشاہ مین کو نظر آئیگا۔

اس ناول کو اسلامی پبلک نے شوق کے ہاتھون سے لیا۔ اور یک بیک ہندوستان مین ایسا شوق پیدا ہوگیا کہ ہم اُسے مکرر چھپوا رہے ہین۔ اپنی گذشتہ ترقیون کا خیال کرکے ہم کہ سکتے ہین کہ ۱۸۸۸ء دلگداز کے لیے اچھا تھا۔ اب دیکھنا ہے کہ ۱۸۸۹ء دلگداز کو کن کن حیثیتون سے ترقی دلاتا ہے۔ اگر یہی دنیاے اسلام ہے اور یہی ذوق و شوق ہے تو انشاءاللہ ۱۸۸۹ء مین بھی دلگداز کامیابی کے ساتھ ترقی کرے گا۔

۱۸۸۹ء

افسوس اُنیسوین صدی عیسوی کے پورے ہونے کو صرف گیارہ ہی برس باقی رہ گئے۔ دن جاتے کچھ دیر لگتی ہے؟ چند روز کے بعد دیکھو گے کہ سالانہ انقلابات کے پھیر مین ایک دن یہ صدی بھی تمھارے ہاتھ سے نکل جائے گی اور تم یون ہی متحیر رہو گے جس طرح اس وقت ہو۔ کسی کو معلوم بھی نہ ہوا مگر غور سے دیکھا تو ہر دفتر اور ہر محکمے مین ۱۸۸۸ء کی جگہ ۱۸۸۹ء لکھا جاتا ہے۔ جس طرح کسی کے مرتے پر لوگ اسکی لاش کو نہلا اور کفنا کے قبر مین رکھ دیتے ہین اُسی طرح تمام وہ دفاتر اور کارنامے عنقریب صندوقوں اور الماریون مین مقفل کر دیے جائین گے جن پر ۱۸۸۸ء کا نام لکھا ہے۔ چند روز بعد یہ لفظ بھی یعنی ۱۸۸۸ء صرف تواریخ کے صفحون پر تو البتہ ہوگا ورنہ دنیا کے کاروبار مین ممکن نہین کہ کہین اس کا نشان ملے۔

اب ۱۸۸۹ء ایک جدید مہمان آیا ہے۔ پرانی اُمیدون مین سے جو بر آئی تھین وہ تو خیر مگر جنھون نے مایوسی کی صورت دیکھی تھی وہ از سر نو دلون مین اُبھری ہین کہ

شاید اس سال اُن کے برآنے کی کوئی صورت ہو۔ شروع سال ہمیشہ ایک خوشی کا وقت ہوتا ہے۔ اسوقت حوصلے بڑھ جاتے ہین اور تمناؤن سے ایک مزہ دار حرکت نمایان ہوتی ہے۔

دیکھو زمانے بھر مین جس کسی کو یہ خیال آگیا ہے کہ اُسکے کاروبار کا نیا زمانہ شروع ہوا وہ خوش اور بشاش بیٹھا ہے۔ طلبا نے امتحان دیا ہے اور خوشی کے ساتھ آرزو مند ہین کہ تعطیل کے بعد اوپر کے درجے مین ترقی کرین گے۔ تمام کارخانون کے منیجر مطمئن ہین کہ پچھلے سال کا حساب اطمینان سے پورا ہوگیا اب نیا حساب شروع ہوگا۔ کچھ اسوقت اور اس تاریخ پر منحصر نہین جس وقت کسی بات کا آغاز ہوتا ہے خواہ مخواہ طبیعت کو ایک قسم کی خوشی ہوتی ہے۔ جن بچون کے ماں باپ اُنھین لاڈ پیار سے پالتے ہین اُنکی سالگرہ کی دھوم مین گھر بھر سے مسرت اور خوشی کے آثار نمایان ہوتے ہین۔ اُن پری وشون کے دلی خیالات کا اندازہ کیجیے جنھین یقین آگیا ہے کہ اب سے دوسرا سال شروع ہوا اور شباب یا خود پرستی یا نازفروشی کو تھوڑا ہی زمانہ رہ گیا۔

بظاہر زمانہ جس حالت پر جا رہا ہے اُسی حالت پر چلا جائیگا۔ دَورِ فلکی یا حرکتِ ارضی (جو کچھ ہو) اُسی حالت پر رہیگی۔ آفتاب یون ہی طلوع ہوا کرے گا اور یون ہی غروب ہو جایا کرے گا۔ ماہتاب یون ہی عروج و زوال کے انقلاب مین رہیگا۔ تارے سرِشام سے روز چمکین گے اور صبح کو جھلملا جھلملا کے غائب ہو جائین گے۔ خلاصہ یہ کہ جو ہمیشہ سے ہوتا آیا ہے اس سال بھی ہوگا۔ مگر پھر بھی ہر سال مین یہ قاعدہ رہا کہ جب ابتدا کی تاریخ سے انتہائی تاریخون تک غور کیا تو بہت سے انقلابات نظر آگئے جن مین سے بعض خاص خاص ایسے بھی تھے جو ہم تو ہم آیندہ نسلون کو بھی ہمیشہ یاد رہین گے۔ اسی بنا پر یہ خیال بھی خوف کی طرح کسی کسی وقت دل مین گذر جاتا ہے کہ دیکھیے اس نئے مہمان ۱۸۹۹ء کے زمانے مین کیا کیا ہوتا ہے؟ یہ معلوم ہے کہ مرنے والے مرین گے اور پیدا ہونے والے پیدا ہونگے۔ مگر کاش یہ معلوم ہوتا کہ اس اجمالی فقرے مین کون کون شامل ہے۔ ہم ہی نہ ہون۔ ہائے ہمارے کئی احباب جنھون نے بڑی قدردانی سے دلگداز کو لیا۔ ابتداے ۱۸۹۸ء مین ہر ہفتے مین دو چار خطوط اُنکی طرف سے آجایا کرتے تھے اور ہمارے حوصلے بڑھ جاتے تھے۔ مگر

آخر سال مین اُنکے نام کے پرچے واپس آئے جنپر بخسرت حملہ انگریزی مین لکھا ہوا تھا "ڈائڈ" یعنی انتقال کیا - کیا خبر کہ پارسال کون ہوگا اور کون نہ ہوگا - زمانہ ایک قسم کی چٹائی ہے جو دُور تک پھیلی ہوئی ہے ایک طرف سے کوئی اُسے کھولتا اور پھیلاتا چلا جاتا ہے اور دوسری طرف سے کوئی لپیٹتا چلا جاتا ہے - درمیان مین تھوڑی سی جگہ کھلی ہوئی ہے جسکی وسعت ہر وقت اور ہر زمانے مین برابر رہتی ہے - کیونکہ جس قدر کھلتی جاتی ہے اُسی قدر لپٹتی آتی ہے - زندہ دنیا اُسی مقدار سے مراد ہے جو کھلی ہوئی ہے - پیدا ہونے والے پیدا ہوتے ہین اور اُسی قدر دَور پورا کرکے فنا کی لپیٹ مین آ جاتے ہین - گذرے ہوؤن کو یاد کرکے رونا چھوڑ بھی دیجیے تو اپنا غم کیا کم ہے؟

دلگداز کس بے ترتیبی اور بے انتظامی سے اس سال نکلا؟ ناظرین و احباب درکنار بعض بعض اوقات خود ہمارا حوصلہ بھی پست ہو گیا تھا - ایک طرف دلگداز کے شائقون کا تقاضا دوسری طرف ہماری پریشانیان اور اُلجھنین - الغرض جس طرف خیال جاتا تھا ایک مصیبت ہی نظر آتی تھی - اسکے علاوہ اور حیثیتون سے پوچھیے تو ناشکری نہ کرنا چاہیے ہم بُرے نہین رہے - ہمارے مضامین بھی اچھے رہے اور وہ ناول جو دلگداز کے ساتھ شایع ہوا وہ بھی بہت اچھا رہا - ملک نے جس گرمجوشی سے اُس ناول کی قدر افزائی کی شاید اور کسی کتاب کی نہ کی ہوگی - اب رہا یہ کہ آیندہ سال کی نسبت ہماری امیدین کیسی ہین ہم بہت مضبوطی کے ساتھ پشین گوئی کرتے ہین کہ دلگداز ۱۸۸۹ء مین بہت اچھا رہے گا - مجبوراً اور نقصان دیکھکے خود اپنا پریس جاری کر لیا گیا - دلگداز پریس ۱۸۸۹ء سے جاری ہوا ہے - یہ پریس غالباً ملک مین تصانیف کے عمدہ عمدہ نمونے پیش کرے گا جو صرف چھپائی ہی کی حیثیت سے نہین مضامین اور مطالب کے اعتبار سے بھی ہر دلعزیز اور مطبوع عام ہون گے - ہمارے بعض دوستون کو بھی اپنا کام اور اپنے عمدہ تصانیف طبع کرانے کی تکلیف ہوتی تھی اب ہمارے خیال مین اُنکو آسانی ہو جائیگی - دلگداز پریس حتی الامکان سرگرم رہے گا کہ چھپائی اور عمدگی مین پوری کوشش کرے - نمونتاً ابھی تو دلگداز کے پرچے ہی ہین آیندہ خدا نے چاہا تو اور کتابین بھی پیش ہون گی -

جو ناول ۱۸۸۸ء مین شایع ہوا ہمدردیِ اسلام کا جوش دلانے کے لیے اُس سے

عمدہ کوئی ذریعہ نہین ہو سکتا - ہمارے قدر افزا اور دلگداز کے قدر دان گواہ ہین کہ اس کا
ہر ہر جملہ رگ حمیت اسلامی کو جوش مین لاتا تھا - اور یقین ہے کہ وہ حضرات جنھون نے غور
سے اور شوق سے اس ناول کو اول سے آخر تک ملاحظہ فرمایا ہوگا اُنکے دلون مین قومی خون
جوش مار رہا ہوگا اور وہ ترقی پر تُلے بیٹھے ہونگے - ۱۸۹۰ء مین ہم دوسرا ناول پیش کرتے
ہین - یہ ناول اگرچہ اُن اصول پر نہین شروع کیا گیا ہے جن اصول پر ملک العزیز اور ورجنا
والا ناول لکھا گیا تھا - یہ ایک اور ضروری اور دلچسپ اصول پر شروع کیا گیا ہے - مگر ہم یقین
دلاتے ہین کہ یہ ناول بھی ممکن نہین کہ کسی بات مین پہلے سے کم ہو - اس مین ناظرین کی
دلچسپی برابر بڑھتی رہے گی - یہ طبائع کو غالباً اس گذشتہ ناول سے زیادہ اپنی طرف
متوجہ کرے گا - لیکن ابھی تک یہ صرف ہمارا دعوے ہے - ہم اپنی کامیابی پر اُس روز
خوش ہونگے جس روز یہ ناول پورا ہوگا اور پبلک کا جوش ہمین بتلائے گا کہ قومی خدمت
جس کا بیڑا ہم نے اُٹھایا ہے اُسکو ہم نے جان کاہی اور کامیابی کے ساتھ ادا کیا - اب
رہا اصل دلگداز - اسکی نسبت افسوس کہ ابھی تک ہم پبلک کے عام مذاق کا اندازہ نہین
کر سکے - ۱۸۹۰ء مین دلگداز نے اپنے صفحون پر دو قسم کے مضمون شایع کیے - ۱- تاریخی مضامین
یا خیالی اور عاشقانہ مضامین - خط و کتابت کے جھگڑے نے ہمین ایک اُلجھن مین ڈال دیا ہے
کیونکہ بعض حضرات تاریخی مضامین کے اس درجہ مشتاق ہین کہ اُنکی تاکید رہتی ہے کہ دلگداز
پورا اسی رنگ پر کر دیا جائے اور صرف تاریخی مضامین اس مین شایع کیے جائین - اگرچہ
اس قسم کے مضامین کے لیے ہمین کسی قدر محنت کرنا پڑیگی مگر چونکہ اپنی قوم کے ساتھ ہمین ہمدردی
ہے اسلیے ہم شوق ہی نہین فخر کے ساتھ اس قسم کی محنت کو اپنے سر لیتے ہین - اگر ہمارے کل
یا اکثر احباب اس امر کو پسند کرین - لیکن یہان خرابی یہ ہے کہ جب تاریخی حصہ بڑھ جاتا ہے
دو چار خطوط آ جاتے ہین کہ اب خیالی عاشقانہ مضامین کیون چھوڑ دیے گئے ؟ اور خیالی
مضامین زیادہ ہو جاتے ہین تو بعض احباب لکھ بھیجتے ہین کہ تاریخ سے کیون کنارہ کیا گیا ؟
اس سال بھر مین ہم اسی مخمصے مین رہے کہ کیا کرین ؟ آخر اپنے طور پر خود ہی یہ فیصلہ کر لیا
ہے کہ دونون قسم کے مضامین دیے جائین گے -

اس مین کوئی شک نہین کہ دلگداز اپنی قوم کے ساتھ جس قدر احسان کر رہا ہے اُس
سے زیادہ یہ ملکی زبان کے لیے مفید ہے - اُردو زبان ابھی چار روز کا ذکر ہے کہ تالیف و

تصنیف کے کام آنا تو بہت اعلیٰ مرتبہ ہے خانہ داری کے معاملات میں بھی کسی کے کام نہ آتی تھی - تمام خط و کتابت اور حساب و کتاب فارسی زبان میں تھا - لیکن تھوڑے ہی زمانے کے انقلاب نے میں ایسا ہوگیا کہ عمدہ فارسی لکھنے والے جستجو سے بھی نہیں ملتے - اور اگر یہی لیل و نہار رہے تو فارسی زبان عنقریب ہندوستان سے رخصت ہوا چاہتی ہے لیکن انصاف یہ ہے کہ فارسی نے ہندوستان میں جس زبان کو اپنا جانشین چھوڑا ہے وہ بالکل اُسکے رنگ پر اور اُسی کی پیدا کی ہوئی ہے - اُردو کی زیادہ خوش نصیبی یہ ہے کہ گویا قدیم زبان سنسکرت کی زبان پر اُس کا خمیر اُٹھایا گیا اور ایشیا کی عام پسند فارسی کے الفاظ اُس میں بطور عناصر کے شامل کیے گئے - اور زیادہ خوبی یہ ہے کہ فارسی کے ذریعے سے اس تازہ زبان کا ہاتھ عربی کے علمی ذخیروں تک پہونچ گیا - اور بالفعل انگریزی کی نئی خوبیوں اور جدتوں سے فائدہ اُٹھا رہی ہے - اگر غور سے دیکھیے تو اُردو کےلیے یہ نہایت کامیابی کا زمانہ ہے کہ ملک میں ہر طرف تالیف و تدوین کا سلسلہ پڑ گیا اور بڑے بڑے علما و فضلا و اذکیاے عصر اپنے بیش بہا خیالات کو اُردو ہی کے ذریعے سے ظاہر کرنے لگے ہیں -

ان پچھلے چند برسوں میں جو تصانیف ملک کے سامنے پیش کیے گئے وہ نہایت قیمتی ہیں اور حقیقۃً صرف اس وجہ سے کہ وہ اُردو میں ہیں اُردو کا پایہ بہت بلند ہوگیا ہے - ہمارے تازہ مصنفوں کی عمر میں خدا برکت دے وہ اُردو میں خواہ باعتبار علوم اور خواہ باعتبار لٹریچر کے نہایت اعلیٰ درجے کا قیمتی ذخیرہ جمع کرتے جاتے ہیں - ہمارے اکثر دوستوں کا خیال ہے کہ اُردو لٹریچر کو دلگداز سے بہت مدد ملی اور ملتی جاتی ہے - خدا کرے ایسا ہی ہو دلگداز کی اشاعت کی اصلی غرض بھی یہی ہے -

اس موقع پر ہم صرف اسی قدر کہکے سکوت کرتے ہیں کہ اگر یہ صحیح ہے کہ اُردو لٹریچر کو دلگداز سے مدد ملی تو یقیناً آیندہ بدرجہا زیادہ ملے گی - کیونکہ ہم اب پہلے سے زیادہ ملکی خدمت پر آمادہ ہیں - آیندہ سال کے مشکل کاروبار کا خیال کرکے کوئی پریشان ہوتا ہوگا - مگر ہم مطمئن اور خوش ہیں کہ آیندہ بھی کامیابی اور جان فشانی کے ساتھ اپنی قوم کی خدمت کریں گے - جب اپنے دل کو مضبوط کرلیا اپنے حوصلوں کو بڑھا لیا تو آؤ اب مسرت اور دلی جوش سے سنہ ۱۹۰۹ء کا خیر مقدم ادا کریں -

اے سنہ ۱۹۰۹ء آ - اور خوشی سے آ - تو ہمارے لیے بہت سی اُمیدیں لایا ہے - تو

ہمارے حوصلے بڑھاتا ہوا آیا ہے۔ تو ہمیں تسلی دیتا ہوا آیا ہے۔ تو ہماری تکلیفیں رفع کرنے کا وعدہ کرتا ہے۔ آ۔ کہ ہم تیرے مشتاق ہیں۔ اسلیے کہ جب تو ہماری دلدہی کرتا ہے تو تیری سانولی راتوں اور تیرے گورے دنوں میں ہمارے لیے بہت سی خوشیاں چھپی ہوئی ہونگی۔ تیری نورانی صبحوں میں ہماری دلچسپیوں کا بہت کچھ سامان راحت جمع ہوگا۔ تیری بہار کے موسم میں ہمارے جنون انگیز ولولے تجھ سے بہت سی خواہشیں کرینگے اور تو انکو پورا کرے گا۔ پیارے ۱۸۹۹ء خوشی اور مسرت کے ساتھ آ۔ اور ہماری آرزوئیں پوری کر۔

۱۸۹۹ء

آہ! آن قدح بشکست و آن ساقی نماند۔ سچ کہتے ہیں "مرنا برحق ہے" دنیا ایک ایسی روا روی میں جا رہی ہے کہ ہزار روکو۔ لاکھ زور لگاؤ اور دامن پکڑے رہو مگر جو جانے والا ہے وہ ایک جھٹکے میں دامن چھڑا کے چلا ہی جاتا ہے۔ کون رہا ہے؟ اور کون رہ جائیگا؟ روز یہی سامان نظر آیا کرتا ہے کہ جسے جانا ہوا اُس نے مُہر سکوت منہ پر لگائی اور اس طرح خموشی سے چلا گیا کہ کسی کو خبر بھی نہ ہوئی۔ خیر یہ تو سب ہی کو معلوم ہے کہ جو دنیا میں آیا ہے وہ ایک دن جائیگا بلکہ جانے ہی کے لیے آیا ہے۔ زیادہ غور کے قابل تو یہ امر ہے کہ زمانہ جو دنیا پر حکمرانی کرتا ہے جسکے چلانے سے یہ گورکھ دھندا چل رہا ہے اُسکو بھی قدرت کے اس عام قانون سے نجات نہیں۔ دیکھیے یہی ۱۸۹۹ء پورے ایک سال ہمارے کاروبار کا کفیل رہا۔ ہماری زندگی میں اسکی کارفرمائیاں کتنی بڑی برکت گنی گئیں پورے تین سو ساٹھ دن۔ تھوڑے ہوے؟ اسکے اس احسان کو ہم کیا معنی تمام زندہ دنیا مان رہی ہے۔ مگر اب کھٹکا لگا ہے کہ افسوس یہ چل چلاؤ میں ہے۔ اور اسکی واپسی کا وقت آ گیا۔ جانتے ہیں کہ ہم غفلت ہی میں پڑے رہینگے اور یہ چپکے سے چل دیگا۔ اس وقت بڑے بڑے بادشاہ۔ بڑے بڑے فلسفی۔ اور بڑے بڑے علما و فضلا پڑے ہیں سب ہی کو اس سے چھوٹنے کا تھوڑا بہت ملال ہوگا۔ مگر بھلا کوئی روک تو لے۔ کسی کی مجال نہیں۔ سب یونہی دیکھتے رہ جائینگے بلکہ حیرت زدہ ہونگے۔ اور جب دوبارہ ہوش میں آکے خیال کرینگے تو اسے نہ پائینگے۔

دُنیا مین کون ہے جسے زندگی پیاری نہین ؟ اور کون نہین چاہتا کہ اُسکی عمر ترقی ہو ؟ سب ہی اسکے آرزومند ہین - اگرچہ سوا بعض خاص مقامون کے عام طور پر یہ شوق اور یہ آرزو ایک قسم کا جنون ہے - اگر بچے خوش ہوتے تو تعجب نہ تھا کیونکہ زندگی سے ابھی اُنھین نفع اُٹھانا ہے - جوان ایسی آرزو کرتے تو زیبا تھا کیونکہ وہ اپنی عمر کے بہترین حصے سے نفع اُٹھا رہے ہین اور بڑھاپے کے مصائب سے دوچار ہونے کی ہنوز نوبت نہین آئی - علما و فضلا یا کسی فن کے کامل بھی اگر اس ترقیِ عمر کے خواستگار ہوتے تو ایک بات تھی کیونکہ دُنیا اُنکی ذات سے کچھ نہ کچھ نفع اُٹھا رہی ہے - اور سب ایک طرف اُن حوروشون اور دلبرون کا آرزوے شباب اور حُسن کے نکھار کی تمنا مین ایک سال کی اور زیادتی چاہنا حق بجانب تھا اس لیے کہ وہ یہ سُن چکے ہین اور ڈرتے ہین کہ حُسن دوروزہ ہے اور شباب ناپائدار - بلکہ یون کہا جائے کہ خود اُنکی طرح بیوفا - اور یہ کس کا ایمان نہین کہ حُسن ہی دنیا مین ایک دلچسپی کی چیز ہے اور ان پریوشون ہی کی صورت دیکھ دیکھ کے حرمان نصیب یا دیدار کے ترسے ہوے اپنا غم غلط کرتے ہین آہ! ان دلدادون کا کیا ذکر بہت ایسے ہونگے جو اُنکی پیاری صورتون سے تنہائی کے عالم مین دل بہلایا کرتے ہین - افسوس دنیا بے مروت ہے ورنہ اُسے تو ان دلفریب رتنون پر ناز کرنا چاہیے تھا - ان سب لوگون کے سوا اور کوئی اگر زندگی کی ترقی کا خواستگار ہو تو بیشک مجنون ہے - بوڑھے جو قبر مین پانون لٹکائے بیٹھے ہین کبھی اپنی ایڑیان رگڑنے کے زمانے مین ایک سال اور بڑھوالین گے تو اُنھین کیا فائدہ ہوگا ؟ مگر نہین - اُنکو بھی دیکھیے تو ترقی عمر کی خواہشون سے خالی نہین ہین - افسوس یہ سنہ ۱۹۱۱ع جاتا ہے اور ان سب آرزومندون کو بے آس کیے جاتا ہے - ہم کو اگرچہ خاص خاص لوگون ہی کی تمنا سے ہمدردی ہے مگر خیال کیجیے کہ کس کو افسوس نہین ؟

مگر سب سے بڑھ کے اُن بیوقوفون کی لاپروائی ہے جنکا نمبر زیادتی عمر کی تمنا مین تو سب سے بڑھا ہوا ہے مگر اس موقع پر نئے سال کی خوشی مین پھولے نہین سماتے کہ آج ہمین نیا برس شروع ہوا - اس مین کوئی شک نہین کہ جو سالگرہ کی تقریبون مین رت جگے کرتے ہین وہ گویا ایک زندہ شخص کو کفنا کے لیچلے ہین کہ موت کے سپرد کرین - انقضاے عمر کا قانون اپنی فطری منزل کی جانب لوگون کو دس دلچسپی اور بھلاوون کے ساتھ لیجاتا ہے

کہ بہت کم کسی کو اپنی زندگی کے نقصان کا خیال آتا ہے - جوانی کی راتیں اور مرادوں کے دن کسی کو کب اتنا موقع دیتے ہیں کہ وہ اپنی تیز رو زندگی کی بیوفائیوں کا خیال بھی کرے؟

آہ! یہ زمانہ عجیب بیوفا چیز ہے - یہ کسی کی نہیں سنتا - وہ بیوفا اور وہ سنگدل جنکا وعدہ وفا ہونے کے لیے عاشق کو کئی شباب چاہییں وہ بھی کبھی نہ کبھی اپنی وضعداری کے خیال سے یا کسی پر ترس کھا کے سچوں نہیں تو جھوٹوں ہی سہی تھوڑا بہت وعدہ وفائی پر آمادہ ہو جاتے ہیں - وہ ظالم اور جابر بادشاہ جسکے ظلم سے کوئی شہر کوئی ملک نہیں ساری دُنیا میں غوغا مچ گیا ہو اُسکو بھی کبھی ترس آ ہی جاتا ہے - آہ! نہیں آتا تو اس ظالم بیدرد کو جسے لوگ زمانہ کہتے ہیں -

سلف سے آج تک کتنوں نے اور کیسے کیسے دل دُکھے ہوے لوگوں نے کن کن آرزوؤں اور تمناؤں سے دعا مانگی ہے کہ الٰہی آج کی شب جو کسی بیوفا وعدہ فراموش دلربا کے پہلو میں بسر ہو رہی ہے زیادہ نہیں تو تھوڑی ہی بڑھ جائے مگر آج تک افسوس کسی کی شب وصل میں ایک منٹ بھی تو اضافہ نہیں ہوا - بلکہ اُلٹے یہ ہوتا رہا کہ باتیں کرتے رات گذر گئی - یا اسکے عکس پر خیال کیجیے کہ شب ہجراں کے تڑپنے والوں نے اُن طولانی شب غم کے مختصر ہونے کے لیے کیسی کیسی التجائیں کیں - دعائیں ہی مانگتے مانگتے اُن آفت زدوں کی زبانیں گھس گئیں مگر یہ نہ ہوا کہ اُن آفت کی گھڑیوں میں سے ایک گھڑی بھی کم ہو جاتی - زمانے سے کس کی اُمید بر آئی ہے جو ہمیں کچھ اُمید ہو؟

آہ! یہ سنہ ۹۹ء جو عالم کے کاروبار اور دفاتر عالم کی نظارت کے عہدے پر بھیجا گیا تھا - اس غریب نے کون بُرائی کی تھی جو آب اس سے بے خطا اور بے جُرم دنیا کا چارج لیا جاتا ہے - اور اسی پر کیا منحصر ہے اسکے تمام ساتھی جو اس سے پیشتر دنیا کا کاروبار انجام دے گئے ہیں وہ بیچارے بھی تو بیخطا اور بے قصور ہی بلا لیے گئے - جو بات ایک معمولی ہوتی ہے اور جس سے معمولاً سابقہ پڑتا رہتا ہے اسکا اثر دنیا میں بہت کم ہوتا ہے ورنہ خیال کرنے کی بات ہے کہ ایک شہر کا انتظام بدل جانے یا اُسکی حکومت کے تغیر سے دُنیا پر کتنا بڑا اثر پڑ جاتا ہے - اور ہر طرف کیسا شور و غل مچ جاتا ہے؟ اور یہ سال پلٹنے کا انقلاب جو تمام دنیا کے دفاتر اور کاروبار بدلے دیتا ہے اسکا کسی کو

بھی خیال نہین اور سب ہاتھ پر ہاتھ رکھے خاموش بیٹھے ہین۔

کیا انکو یہ بھی خیال نہین آتا کہ دو روز کے بعد یہ اس لفظ سنہ ۸۹ء کو چھوڑینگے اور یہ زبان پر ایسا چڑھا ہوا ہوگا کہ بار بار یہی یاد آئے گا؟ جس طرح کسی نئے مرنیوالے دوست کا خیال ہر وقت دل مین موجود رہتا ہے اور اسکی تصویر ہر گھڑی نظر کے سامنے آجاتی ہے اُسی طرح یہ سنہ ۹۹ء کیا جاتے ہی بھول جائیگا؟ نہین۔ بھولتے بھولتے بھولے گا۔ اور بھلاتے بھلاتے بھولین گے۔ افسوس۔ اگرچہ سنہ ۹۹ء ہمین بڑی مشکلون سے بھولے گا مگر اب اسکا شمار اُنھین سنین مین ہوگا جنکا نام تاریخ کے صفحات کے سوا اور کہین نہین نظر آتا۔

سنہ ۸۹ء کیا تھا؟ اب اس کا ذکر جانے بھی دو۔ ہم مسلمان ہین اور ہمارے مذہب مین حکم ہے کہ مرنے والے کا ذکر ہمیشہ خوبی ہی سے کرین۔ اُسکے افعال و اعمال کا معاملہ خدا کے ہاتھ مین ہے۔ ہمین تو جہان تک ہو سکے اُسکی خوبیون ہی کا ذکر کرنا چاہیے۔ اور سنہ ۹۹ء تو سچ مچ کوئی بُرا سال نہ تھا۔ ہم تو جانتے ہین کہ بہت کم کوئی ایسا ہوگا جسے اسکی شکایت ہو اور یون تو دنیا کا انتظام ہی یون جاری ہے کہ کوئی مرتا ہے کوئی جیتا ہے۔ کوئی تباہی مین پڑتا ہے اور کوئی دولتمند ہوتا ہے۔ دُنیا کے یہ ایسے نیچرل انقلابات ہین جن کا سلسلہ برابر آخر تک چلا جائیگا اس قسم کے واقعات پر خدا کی ناشکری تو نہ کرنا چاہئیے مگر سچ پوچھیے تو کچھ کہنا بیکار ہے۔

زیادہ تر غور طلب یہ امر ہے کہ خاص ہمارا اور ہمارے دلگداز کا تعلق سنہ ۹۹ء سے کیسا تھا؟ لوگ کہتے ہونگے کہ یہ سنہ ۹۹ء کی طرفداری کیون کر رہے ہین۔ کیونکہ اس سال دلگداز کی اشاعت کا انتظام جیسا خراب رہا کبھی نہ تھا۔ اور لطف یہ کہ پریس اپنے گھر کا تھا۔ اور سب پر طرہ یہ کہ پریس جب سے جاری ہوا خدا کے فضل سے آج تک اس کا کام ایک دن کے لیے بھی نہین رُکا۔ واقعی اب انجام سال پر ہم بھی جو اپنی اس بے انتظامی پر غور کرتے ہین تو تعجب ہوتا ہے۔ ہمارے بہت دوست ہم سے خفا بھی ہوگئے۔ جن کے سامنے بخیال "عذر گناہ بدتر از گناہ" ہم سے معذرت بھی نہین بن پڑتی۔ ہم نے پورے بارہ پرچے اپنے ناظرین کی نذر کر دیے مگر اس طرح جس طرح کوئی نا دہند قرضدار روپیہ ادا کرتا ہے۔ اسکی وجہ سوا اسکے

کہ ہجوم کار اور ہماری مختلف بیماریوں نے ہمیں پریشان رکھا اور کچھ ہم بیان نہیں کر سکتے۔ زیادہ افسوس اس بات کا ہے کہ ہمارے دوست اب ہمارے کسی وعدے کو بھی بمشکل تسلیم کرین گے اس لیے کہ اس گذشتہ سال مین ہم نے بہت سے ایسے وعدے کیے جن مین سے ایک بھی نہین پورا ہوا۔ مگر بہت بڑی جرأت کرکے اس دفعہ پھر کہتے ہین اور غالباً سچ کہتے ہین کہ اب ہم نے ایسا انتظام کردیا ہے کہ دلگداز انشاء اللہ آیندہ ماہ بماہ شایع ہو جائے گا۔ جسکا تجربہ دو ہی تین مہینے مین لوگون کو ہوجائیگا اور اُمید ہے کہ ہمارے دوستون کو اب کوئی شکایت کا موقع نہ ملے گا۔ مگر اس بات پر ہمین فخر ہے کہ باوجود ان بے انتظامیون کے لوگون کو دلگداز کا شوق ایسا ہی ہے جیسا کسی عمدہ انتظام کے ساتھ شایع ہونے والے پرچے کا ہوتا۔ بلکہ جو کسی عمدہ اہتمام سے شایع ہونے والے پرچے کو بھی نہین نصیب ہے۔ ہمین اسپر فخر ہے۔

رہا یہ کہ مضامین کے اعتبار سے دلگداز کیسا تھا؟ ناشکری نہ کرنا چاہیے اور اسکو ہمارے قدردان دلگداز بھی تسلیم کرین گے کہ اس حیثیت سے دلگداز برا نہین رہا۔ اپنے قومی اور شخصی فرائض جس سرگرمی سے اور جس موثر لہجے مین دلگداز نے ادا کیے اُسپر ہمین دعویٰ ہے کہ اگر کوئی مقابلہ کرے تو دلگداز کو ہندوستان کے تمام رسالون اور اخبارون سے اول درجے پر پائے گا۔ جو مضامین دلگداز کے معنون پر شایع ہوے وہ ایسے نہ تھے کہ اُن کا اثر آج تک دیکھنے والون کے دلون پر نہ باقی ہو۔ جن لوگون نے دلگداز کو دیکھا ہے وہ مدتون محو رہے اور قومی مصائب پر جو آنسو اُنکی آنکھون مین بھر آئے تھے وہ بہت دنون تک خشک نہ ہوے ہون گے۔ اُن مضامین کی زیادہ تفصیل کرنا بیکار ہے کیونکہ اُنپر بہت کم کسی کو نکتہ چینی کا موقع ملا۔ اور انصاف کے دربار سے ہمین بغیر استدلال کیے عمدگی کی ڈگری مل چکی ہے۔ اور اگر ایسا نہ تھا تو باوجود اشاعت کی بے انتظامیون کے ہمارے پاس خریداریون کی درخواستین بکثرت کیون چلی آتی ہین؟

دلگداز کے ساتھ اس سال جو ناول شروع کیا گیا تھا وہ بھی اب پورا ہوگیا۔ جسکا نام "شاہزادۂ حسن اور انجلینا" ہے۔ ہمارے خیال مین جس طرح ناول "ملک العزیز اور ورجنا" کو عموماً لوگون نے پسند کیا تھا اُسی طرح اسکو بھی عام پبلک سے مقبولیت کی سند ملی۔ اس ناول کے ذریعے سے زیادہ اسی امر پر زور دینا مقصود تھا کہ شیعون

اور شیعوں کے باہمی تعلقات کا نمونہ دکھایا جائے اور اُنکی خرابیاں ظاہر کر کے موقع دیدیا جائے کہ ہر شخص اس ناول کے ملاحظے کے بعد اپنے باہمی مذہبی تعلقات کو عمدہ اور شایستہ بنائے - اس امر میں ہم کو بیشک کامیابی ہوئی اور ہم نے بتا دیا کہ ایک دوسرے کی عداوت سے کیسے خراب نتیجے پیدا ہوتے ہین - لیکن یہ کامیابی کس کام کی ؟ کامیابی تو ہم اُس روز خیال کرین جس روز ہمین معلوم ہو کہ ہمارے ہم مذہب سُنیون اور شیعون پر اس کا کچھ اثر بھی ہوا - ورنہ بے نتیجہ تحریر کو دنیا مین کون کہہ سکتا ہے کہ کسی کام کی ہے ؟

بہرحال اس سے غالباً کسی کو انکار نہ ہوگا کہ سوائے انتظامِ اشاعت کے کسی کو اور کسی بات کی شکایت کا موقع نہین مل سکتا - جنگداز دیر کو پہنچا مگر اُسکے مضامین اور اُسکی تحریرون کو پبلک نے اُسی ذوق سے ملاحظہ کیا جس ذوق سے کہ اُردو لٹریچر کے دوست ابتداءً دلگداز کو ملاحظہ فرماتے تھے - آیندہ سال انشاءاللہ انتظام نہایت عمدہ رہیگا اور ہمارے دوست وہ شکایت بھی نہ کر سکین گے جسکو سُن کے ہمین نادم ہو جانا پڑے - غالباً ہماری اس تحریر نے ہمارے دوستون اور کرم فرماؤن کو اطمینان دلا دیا ہوگا - اب اُنکے مطمئن ہو جانے کے بعد ہمین مناسب ہے کہ اپنے سال بھر کے دوست ۱۸۸۹ء کو ہنسی خوشی رخصت کرین - اگرچہ دل بھرا آتا ہے اور بیتابی کے کلمے بے اختیار زبان پر آنے لگتے ہین مگر اس غم کو ہم اپنے دوستون کے خوش کرنے پر ٹالتے ہین اور یہ امید ہمارا اور بھی غم غلط کر رہی ہے کہ آیندہ ہمارا پرچہ پابندی و استقلال سے اور خوش انتظامی کے ساتھ شایع ہوگا -

۱۸۹۰ء کا خیر مقدم

اے ۱۸۹۰ء آ - اور خوشی سے آ - اگرچہ تو ہمپر ایک نیا حاکم ہے - جیسا تو ناتجربہ کار ہے ویسے ہی ہم بھی تیرے مزاج اور تیرے اصول سے محض ناواقف ہین - اگلے دنون جب کوئی نیا حکمران تخت پر بیٹھتا تھا لوگ گھبرا اُٹھتے تھے کہ دیکھئے کیا ہوتا ہے ؟ مگر اب جب سے جمہوری سلطنت کے اصول جاری ہوئے اس قسم کے تقدون پر کوئی دہشت نہین پیدا ہوتی - دنیا کے بڑے بڑے انتظام بدل جاتے ہین

اور لوگوں کو کانوں کان خبر نہیں ہوتی - پانچویں برس گورنر جنرل کا تبادلہ ہو جاتا ہے اور سارے ہندوستان کی قسمت ایک نئے شخص کے ہاتھ میں دی جاتی ہے مگر رعایا سے اس عظیم الشان تغیر کا کوئی اثر نہیں ظاہر ہوتا - اگلے وقتوں کی طرح نہ بازار بند ہوتے ہیں نہ شہروں کے پھاٹک بند کیے جاتے ہیں - اور نہ ہر شخص اپنے دروازوں میں قفل چڑھا دیتا ہے - جب ہمیں اتنا بڑا اطمینان حاصل ہو گیا تو اب اسکا کیا غم ہو سکتا ہے کہ سال پلٹا اور ہماری قسمت ایک نئے شخص کے ہاتھ میں دی گئی؟ وہ زمانہ بہت دور نکل گیا جب آئے دن تلوار چلا کرتی تھی اور ہر مرتبہ شروع سال پر لوگ نئی نئی خونریزیوں کے منتظر ہو جاتے تھے - اب تو ہم ایسی صلح پسند گورنمنٹ کے تابع فرمان ہیں جو خدا نے چاہا تو حتی الامکان نہ کبھی خود کسی سے لڑیگی اور نہ ہمیں لڑنے دیگی - جس اطمینان سے وہ خود بیٹھی ہے اُسی اطمینان سے اُس نے ہمیں بھی بٹھلا دیا ہے - لہٰذا اسکا تو کبھی ہمارے دل میں ادنی خیال بھی نہیں گذر سکتا کہ سنہ ۹۰ء میں ہم کسی قسم کی خونریزی دیکھیں گے - نہیں ہم یونہی جس طرح سنہ ۸۹ء میں اطمینان سے بیٹھے تھے سنہ ۹۰ء میں بھی بیٹھے رہیں گے -

اے سنہ ۹۰ء ہمیں تجھ سے کچھ خوف نہیں - ہاں اگر ڈر ہے تو صرف اس قدر کہ ہمارے لیے تو کوئی نیا ٹکس نہ لایا ہو - ہندوستان اب جس چیز سے ڈرتا ہے وہ ٹکس ہے جس کی آئے دن دہائی مچی رہتی ہے - اے سنہ ۹۰ء کاش تو ہمیں اس امر سے مطلع کر دیتا تو ہم بڑے ذوق و شوق سے تیرا استقبال کرتے - خصوص زیادہ تر اس خیال سے کہ تو ہماری قیصرۂ عالی نژاد کے پوتے شاہزادہ وکٹر کو اپنے پہلے ہی مہینے میں ہمارے شہر میں لایا -

شروع سال پر انسان کے خیالات میں عموماً ایک تغیر ہو جایا کرتا ہے - گذشتہ اُمیدیں اور آرزوئیں جو اس سے پہلے سال دل میں چھپی رہی تھیں اور جنکو وہ مرحوم سال پورا نہیں کر سکا تھا اگرچہ اُس سال کے اختتام پر ایک صدمہ ہوا تھا کہ افسوس یہ تمنائیں رہ گئیں - اور بعض بعض کے منہ سے بے اختیار یہ بھی نکل گیا تھا "ایسی ہی دن بہار کے یونہی گذر گئے" - مگر اب ابتداے سال سنہ ۹۰ء میں وہ امیدیں از سرنو زندہ ہوئی ہیں اور آرزو مندوں نے اُنکو اس سال کی گود میں ڈال دیا ہے کہ دیکھیے

کیا سلوک کرتا ہے؟ بظاہر اسباب دل گواہی دیتا ہے کہ یہ سال ہماری کوئی آرزو باقی نہ رکھے گا۔ آیندہ غیب کا حال خدا ہی جانتا ہے۔

قومی دُنیا کس رنگ پر ہے؟ اسکو سب ہی جانتے ہین۔ آئے دن اخبارات مین یہی تذکرہ رہتا ہے کہ مسلمان لوگ سُست ہین۔ جفاکشی سے بھاگتے ہین۔ ترقی کرنا نہین جانتے اور ترقی کے متعلق اُنکو کسی بات کی آرزو نہین ہو سکتی۔ مگر ہمکو تو یہ طریقہ نصیحت اچھا نہین معلوم ہوتا۔ سچ پوچھیے تو اس قسم کے مضامین نے اور ہمتین پست کر دین۔ اور اس مین بھی شک نہین کہ ریفامران قوم جس رنگ پر لوگون کو لیجانا چاہتے ہین اکثر مسلمانون نے اُسی رنگ کو اختیار کر لیا ہے اور روز بروز اختیار کرتے جاتے ہین۔ عام طور پر قومی دنیا مین ایک حرکت نمودار ہو گئی۔ اب یہ پایہ کہ انتہائی درجہ ترقی پر پہونچے ہوے زیادہ مسلمان نظر آئین۔ یہ ہوتے ہوتے ہوگا۔ ہمکو اپنی قومی حیثیت سے اسی سنہ ۹۰ء مین دو امور ایسے ملے ہین جن پر ہم جہان تک خوشی کرین زیبا ہے۔

اول تو یہ کہ آنریبل ڈاکٹر امیر علی کلکتہ ہائیکورٹ کے جج ہوے اور کلکتہ ہائیکورٹ کی یہ پہلی کرسی ہے جسپر ایک مسلمان جنٹلمین کو اجلاس کرنے کی عزت حاصل ہوئی۔ دوسرے وہ کامیابی جو مسٹر محمود کو علیگڈھ کالج کے لائف سکرٹری ہونے مین حاصل ہوئی۔ یہ ایک ایسی بحث چھڑی تھی کہ جس نے مسلمانون مین ایک بڑا تفرقہ ڈالدیا تھا۔ اور افسوس بڑے بڑے لائق لوگون کو اس امر مین لغزش ہو گئی۔ ہم نے اس وقت تک اس بارے مین اپنی رائے ظاہر نہین کی تھی اور ہم دیکھ رہے تھے کہ ہمارے بعض سمجھدار دوستون نے بھی اس امر مین سید صاحب کا ساتھ چھوڑ دیا۔ لیکن مصلحتاً ہم ساکت بیٹھے رہے۔ مگر آج سید صاحب کی کامیابی کے بعد بڑے زور و شور سے کہتے ہین کہ بہت خوب ہوا۔ اور وہی ہوا جو ہونا چاہیے تھا اور جو حق تھا۔

اس گفتگو کو اس مسئلے سے شروع ہونا چاہیے کہ کالج کے سکرٹری ہونے کے لیے کسی کو باعتبار علم ترجیح ہو سکتی ہے یا کسی اور اعتبار سے؟ میرے خیال مین صرف باعتبار علم ترجیح ہونی چاہیے۔ اور شاید اس سے کوئی انکار بھی نہ کر سکے گا۔ اب اسکے بعد پوچھا جاتا ہے کہ مسٹر محمود علماً بڑھے ہین یا مولوی سمیع اللہ خان صاحب؟

ہندوستان کی پبلک تو مسٹر محمود ہی کو ترجیح دیگی - اور اگر مولوی سمیع اللہ خان صاحب کو دعویٰ ہو اور اپنے آپ کو مسٹر محمود سے علماً زیادہ خیال کرتے ہون تو یون بھی خارج مقابلہ ہو سکتا ہے کہ وہ نوکری چھوڑ کے اُس گورنمنٹ میں ملازمت کی درخواست کرین جس نے تمام عہدے دینے مین کمپٹیشن (امتحانِ مقابلہ) کو اپنے اوپر لازم کر لیا ہو - پھر دیکھین پہلے کس کو کامیابی ہوتی ہے؟ رہی دینداری کی شرط - اول تو مولوی سید احمد خان صاحب کے سکرٹری ہوتے وقت مولوی سمیع اللہ خان صاحب نے کیون ووٹ دیا؟ آنریبل ڈاکٹر سر سید احمد خان بہادر سے زیادہ دینی الزام تو شاید کسی پر قائم کیے گئے ہونگے - اور تعجب یہ کہ مولوی سمیع اللہ خان صاحب نے خدا جانے کب توبہ کی ورنہ کل تک تو سر سید احمد کے مریدون مین انکا بھی شمار تھا -

مسٹر محمود سے تو کالج کو یہ مدد مل سکتی ہے کہ تو دو لکچر دین گے - جسکی وجہ سے باہر والے ایک بہت بڑی بچت ہوگی - سمیع اللہ خان صاحب بتائین کہ وہ کیا مدد دیتے؟ اگر یہی بناء دعویٰ ہے کہ اُنکے زمانے مین باورچی خانے کا انتظام اچھا تھا جسکے اکثر کالج کے لڑکے بھی معترف ہین تو گستاخی معاف اُنکو باورچی خانے کی داروغگی کی درخواست کرنا چاہیئے تھی -

افسوس مولوی سمیع اللہ خان صاحب نے اس طمع مین قوم پر بہت بڑا ظلم کیا - اول تو قوم مین تفرقہ ڈالنے سے بڑا کوئی ظلم ہی نہین - دوسرے اُن لوگون سے مدد لی جو کانگرس کی وجہ سے سید صاحب کے جانی دشمن ہین اور جو روز دھوکے دیکے کسی نہ کسی کو بیوقوف بنا کے اُسکی زبان سے سر سید کو گالیان کھلوا دیا کرتے ہین - اب کتنی بڑی ندامت مولوی سمیع اللہ خان صاحب کو اُٹھانا پڑی ہوگی؟ وہ لوگ اچھے رہین گے جو کانگرس کے پھندیت ہین اور سید صاحب کی شکایتون سے اپنے اخبارون کے کالمون کو ناپاک کیا کرتے ہین - مگر سمیع اللہ خان صاحب کو اتنی بڑی ندامت ہوگی جسکو اُن کا دل جانتا ہوگا -

یہ سنہ ۹۰ء تمام قوم کے لئے خوشی لایا ہے - کل مسلمان مسرور ہین اور ایک دوسرے کو مبارکباد دے رہے ہین - لیکن یہ سال اگر غم لایا ہے تو مولوی سمیع اللہ خان اور اُنکے چند طرفدارون کے لیئے - جو اپنے دل کی مُردہ اُمیدون پر بیٹھے

رو رہے ہین - اور فکر مین ہونگے کہ کس گمنامی کے گڑھے مین لیجا کے اُنکو دفن کر آئین؟ جس طرح ہر رمضان کے بعد عید ہوا کرتی ہے اُسی طرح اس بحث کے مختلف صدمون کے بعد تمام مسلمانون کے سامنے سنہ ۱۹۰۰ء ایک عید بنکے نمودار ہوا ہے - اور اس موقع پر ہمین نہایت افسوس معلوم ہوتا ہے جب ہم اُن لوگون کا خیال کرتے ہین جو کسی وجہ سے اپنے دلون کو خوش نہین کر سکتے -

یون تو کون نہین جانتا کہ ہر دن انسان کے لیے تازہ اُمیدین لیکے آیا کرتا ہے جو شام تک دلون مین رہتی ہین اور دوسری صبح سے پہلے یا تو پوری ہو جاتی ہین یا مایوسی کا صدمہ دیکے رخصت ہو جاتی ہین - اسی طرح بہت ایسی بھی آرزوئین ہوتی ہین جنکا پورا ہونا سال پر منحصر ہوتا ہے اور اختتام سال اُن آرزوؤن کے ساتھ اچھا یا بُرا سلوک کرتا ہے - بعض تمناؤن کا تعلق ایسے طولانی زمانے سے ہے کہ عمرین گذر جاتی ہین اور پورے ہونے کی نوبت نہین آتی - بہرحال یہی ایک ایسا وقت ہے کہ دلون مین ابھی صدہا آرزوئین نئی نئی پیدا ہوئی ہین جن مین سے کچھ تو گذشتہ سال کی باقیات ہین اور کچھ بالکل نئی ہین - اے مبارک سنہ ۱۹۰۰ء آخری زمانہ جب تو ہم سے رخصت ہوگا (گو یہ نہین معلوم کہ تو ہم سے رخصت ہوگا یا ہم ہی تجھ سے رخصت ہو جائینگے) اُسوقت ہمارے خیالات تیری نسبت چاہے جیسے ہون مگر اسوقت بہت اچھے ہین - جو تمنائین تو نے ہمارے دل مین پیدا کی ہین اور جنکے پورا کرنے کا بظاہر تو ہم سے وعدہ کرتا ہے وہ ہمارے دل مین ایک خوشی کا جوش پیدا کر رہی ہین اور واقعی یہ ہجوم آرزو تیری مدح سرائی مین ہمین ہیچ و بنائے دیتا ہے -

دلگداز کے متعلق ہمین جو کچھ کہنا تھا سنہ ۱۸۹۹ء کو رخصت کرتے وقت کہہ چکے - ہماری یہ بہت بڑی آرزو تھی کہ دلگداز کے لیے انتظام اشاعت اچھا ہو اور پرچہ ٹھیک وقت پر شایع ہو سکے - یہ آرزو اُن تمناؤن مین تھی جو سنہ ۱۸۹۹ء بھر دل مین رہین اور کسی طرح پوری نہ ہو سکین - اب اے سنہ ۱۹۰۰ء یہ آرزو ہم تجھ سے متعلق کرتے ہین - اور ابھی تک جیسے اسباب پیدا ہوئے ہین اور جن کی بنا پر مضبوطی کے ساتھ ہم نے وقت پر یہ پرچہ نکال دینے کا اشتہار دیا اُن سب کے لحاظ سے تو ہمین

نہایت مبارک سال معلوم ہوتا ہے۔ اور امید ہی نہیں یقین ہے کہ ہم اپنے ارادے مین ضرور کامیاب ہونگے۔ سال کا یہ پہلا پرچہ ہے جو الحمدللہ کہ ٹھیک وقت کے قریب شائع ہوا ہے اور جنوری ہی کے مہینے مین معزز قدردانون کے ہاتھ مین پہونچا ہے۔

ناول کے ذریعے سے اسوقت تک ہم نے اپنے دوستون کو ہندوستان سے باہر کی سیر کرائی تھی سنہ ۹۵ء مین ارض مقدس شام کی زیارت کرائی گئی اور بنی اسرائیل کے وطن مین وہ میدان دکھائے گئے جو سلطان صلاح الدین اور رچرڈ دی لائن ہارٹڈ (شیر دل) کی جولانگاہ تھے۔ سنہ ۹۶ء پھر ہم اور ہمارے دوست کوہ قاف کے جنوبی دامن مین تھے اور اُس حسن خیز خطے کی سیر کر رہے تھے جہان قدرت نے حسن کے نمونے دکھانے مین جی لگا کے اپنی صنعت صرف کی ہے اور اعلیٰ فیاضی سے کام لیا ہے۔ خصوص اُس زمانے مین جبکہ وہان ترکون اور روسیون کی توپون کی آوازین گونج رہی تھین اور تلوارین چمک رہی تھین۔

اب سنہ ۹۷ء مین اپنے دوستون کو کسی دور دراز سفر کی تکلیف نہ دینگے۔ ہندوستان کے مغربی سبزہ زارون اور جنوبی میدانون کی ہم سیر کرائینگے۔ یہ ناول بھی ہمارے احباب کو بہت پسند آئیگا۔ اور ہمین اُمید ہے کہ دلچسپی کے اعتبار سے یہ ناول گذشتہ ناولون سے اچھا رہیگا۔ ہمارے احباب مین سے جن لوگون کے ذمے کچھ روپیہ باقی ہو وہ براہ عنایت نہایت عجلت سے کام لین۔ نیا سال شروع ہوا ہے پچھلا حساب بیباق ہو کے اس سال کی قیمت آنی چاہیے۔ گذشتہ سال کی قیمت بہت سے دوستون کے ذمے باقی ہے جنھون نے شاید پرچے کی بے انتظامی کے خیال سے قیمت ارسال فرمانے مین تاخیر کی۔ ہم نے جس طرح انکی شکایتون کو سر آنکھون سے قبول کیا اُسی طرح اس سرد مہری پر بھی اُنکا شکریہ ادا کرتے ہین۔ مگر چونکہ دلگداز کا انتظام درست ہو گیا اور پرچہ وقت پر شایع ہو کے بتا رہا ہے کہ آیندہ بھی ایسا ہی ہوگا۔ لہذا اُمید ہے کہ سب صاحب سنہ ۹۷ء کی قیمت بہت جلد ارسال فرما کے ہمین اپنا شکرگزار و ممنون بنائینگے۔

سنہ ۱۸۹۶ء کا اختتام

افسوس آج ہم اس سنہ کو رخصت کرتے ہین۔ جاتا ہے۔ ہمیشہ کے لیے جاتا ہے

اور کبھی نہ آئے گا؟ آہ! وہ دلفریب وقت - وہ سہانی گھڑی - وہ بیتاب کرینے والی ساعت - جب آفتاب کی شعاعین اپنی نمود کا یقین دلانے لگتی ہین - جب خوشی کا جوش رہ رہ کے دلون مین اُبھرتا ہے - جب چڑیان از خود رفتہ ہو ہو کے چہک اُٹھتی ہین - جب غنچون کو بے گد گدائے ہنسی آنے لگتی ہے - جب ہر چیز مین ایک عالم نور کا جلوہ نمایان ہوتا ہے - اُسوقت اٹکھیلیون کی چال چلنے والی ہوا - وہ پچھلے کی مستانہ رو مسافر - وہ معشوقون کو زلفین اور آنچل اُلٹ اُلٹ کے دکھانیوالی شوخ طبع - کون؟ نسیم سحر - نازکی چال چلتی ہوئی آتی ہے - نہیں اُسکے متواتر جھونکے آتے ہین اور مزہ دیکے نکل جاتے ہین - کوئی ان جھونکون کی رفتار پر غور کرے تو اُسے موجودہ انقلاب زمانہ کی تصویر نظر آجائے گی - ایک جھونکا آتا ہے اور اپنا لطف یاد دلاکے نکل جاتا ہے - اُسکے چلے جانے کے بعد ہم اُسکے لطف کو یاد کرتے ہین اور حیران ہوتے ہین کہ ہائے کس قدر جلد ہمارے قبضے سے نکل گیا - ہم اسی صدمے مین مبتلا ہوتے ہین کہ دوسرا جھونکا آتا ہے - ہم چونک کے اُسکے روکنے کی کوشش کرتے ہین - مگر ہنوز اُسکی پر لطف خنکی اچھی طرح محسوس بھی نہ ہونے پائی تھی کہ وہ بھی چل دیتا ہے - اس نسیم سحر کے لطف کی یاد اور تازی ہوجاتی ہے - ناکامی کا صدمہ بڑھ جاتا ہے - اسکے ساتھ یہ امید ہوتی ہے کہ تیسرا جھونکا جو آنے گا اُسکو ضرور ٹھہرا لین گے - ناگہان تیسرا جھونکا آتا ہے ایک مزیدار ٹھوکا دے کے ہمین چونکاتا ہے - ہم یکبیک ایک پر اضطراب حالت کے ساتھ دونون ہاتھ بڑھا دیتے ہین کہ اُس جھونکے کو زبردستی پکڑ لین - مگر ہمین کچھ بھی کامیابی نہین ہوتی - بلکہ اُلٹے اپنی مجنونانہ حرکت پر خفت ہوتی ہے -

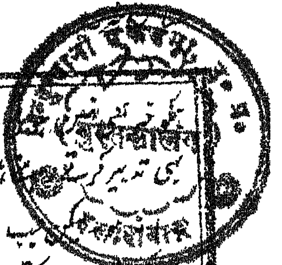
اسی طرح زمانے کے وسیع اور ممتد اجزا یعنی سنین کو ہم ہی نہین - ہماری طرح ہزارہا انسان چاہتے ہین کہ جس طرح ہو سکے روک لین - مگر ایک کے بنائے کچھ نہین بنتی - اور یہ آندھی کے جھونکون کی طرح سب کی آنکھون مین خاک جھونک کے نکلے چلے جاتے ہین - آسمان بوڑھا ہوگیا - دُنیا کو لوگ بڑھیا کہنے لگے - سب نے کوششین کین - لیکن سب سوا اسکے کہ اپنی کوششون مین تھک تھک کے ناکام ہوئے اور کوئی نتیجہ نہین ہوا - واقعی برس کے روکنے کی کوشش کرنا ایسا ہی ہے

جیسے کوئی ہوا کو مٹھی مین تھامنا چاہے۔

اس بے سود کوشش مین بہت لوگ پڑے اور کسی سے کچھ نہ ہوسکا - ہر سال صدہا عمارتین بنتی ہین - صدہا تاریخی واقعات ہوتے ہین - صدہا یادگارین قائم کیجاتی ہین - ہزارون سالگرہین ہوتی ہین - اور لاکھون ایسی تقریبین اور کارروائیان ہوتی ہین جن مین سے ہرایک کا مدار صرف سال کی یادداشت اور اُسکا تذکرہ قائم یا باقی رکھنے پر ہوتا ہے - لیکن بہت ہی جلد لکھ یون کہنا چاہیے کہ آناً فاناً ایک زمانہ ایسا آجاتا ہے کہ وہ سال غائب ہوجاتا ہے اور وہ یادگارین کسی بدنصیب بیوہ کی طرح محض یادگار یا داستان بنکے رہ جاتی ہین - اُن عمارتون مین اُلو بیٹھ کے اپنی حسرت بھری داستان سناتا ہے - وہ تاریخی واقعات ذہنون سے اُتر جاتے ہین - سالگرہین خواب فراموش ہوجاتی ہین اور دوسرے برس کی خوشامد کے لیے نئے جشنِ سالگرہ کا انتظام ہونے لگتا ہے - الغرض دوسرا سال پہلے سال کی تمام یادگارون کو بالکل بے کار و بے نتیجہ ثابت کردیتا ہے - یہ نہین ممکن کہ وہ یادگارین کسی برس کا دامن مضبوطی سے پکڑکے روک لین -

اس سے زیادہ واضح مثال پری وشون کی رفتار عمر سے مستنبط ہوسکتی ہے وہی شباب - وہی جوش جوانی - وہی اُمنگون کا زمانہ - وہی کامیابی اور خودنمائی کے دن جنکے انتظار مین انھین اپنی ابتدائی زندگی کی گھڑیان گنتے گذرتی ہین - وہی جب آتے ہین تو کیسی تیز رفتاری سے آتے ہین کہ حسین اپنی ناز فروشی کی ساری شوخیان اُسی کے روکنے مین صرف کردیتے ہین اور وہ کسی طرح نہین رُکتے - ایک ہوا کا جھونکا تھا کہ آیا اور نکل گیا - آہ! زندگی بھر اُسکی لذتین یاد رہتی ہین اور وہ نہین رہتا -

بس اسی طرح خیال کرلیجیے کہ زمانہ گذرتا ہے اور اُس کی تیز رفتار جو نہایت سہولت سے اُسکو بھگائے لیے جاتی ہے - لوگون کو غفلت مین ڈال کے اور ہوشیار و زمانہ شناس لوگون کی آنکھون پر بے توجہی کا جادو ڈال کے ہر سال کو نکال لیجاتا ہے افسوس ۱۸۹۰ء بھی اُسی طرح ہمارے ہاتھ سے جائے گا - بلکہ جاتا ہے جس طرح پارسال ۱۸۸۹ء گیا تھا - ہماری حسرتین بھی اصل مین ہمین دھوکا ہی دیتی ہین



[illegible] گزشتہ سال کی یاد اور اُسکے دَور کی دلچسپیان یاد کر کرکے ہم بھی تدبیر کرستے [illegible] ہین اور انھین افکار مین محو رہتے ہین کہ موجودہ سال ہم سے [illegible] سب وقت آجاتا ہے اگرچہ کلمی اور رجانا برا وقت ہے لیکن کسی سے کچھ نہین ہو سکتا۔ افسوس رفتار زمانہ ہی نے ہمین ان خرابیون مین مبتلا کیا۔ اور یہ زمانہ گو کہ ہمارے ساتھ بہت کچھ بھلائیان بھی کرجاتا ہے۔ لیکن اصل یہ ہے کہ یہ بڑی بیوفا چیز ہے۔ اس نے سلف سے آج تک کسی کے ساتھ وفا نہین کی لہذا ہمین بھی امید رکھنا فضول ہے۔

سردست ہمین اسکے رخصت ہونے سے پہلے یہ بتا دینا چاہیے کہ اس سال دلگداز کیسا رہا؟ اور اُسکے اور پبلک کے تعلقات کس قسم کے رہے؟ دلگداز کو ہمین دو حیثیتون سے دکھانا چاہیے۔ ایک تو یہ کہ اسکے مضامین کس قسم کے رہے۔ دوسرے یہ کہ اسکے انتظام کی کیا حالت رہی؟ باعتبار مضامین دلگداز چاہے کسی کے خیال مین کیسا ہو مگر ہمارے نزدیک بُرا نہین رہا۔ اس سال ہم نے تاریخی مضامین کی جانب زیادہ توجہ رکھی۔ پہلے اور دوسرے پرچون مین تو البتہ کچھ اخلاقی مضامین تھے۔ تیسرے پرچے مین ہم نے جو مضمون "آٹھوین صدی ہجری کا ایک مسافر" کی سرخی سے دیا اُسکے ذریعے سے ہم نے قدیم زمانۂ اسلام کے ایک اُولوالعزم مسافر کے سفرنامے کا تذکرہ کیا۔ اور پھر بعد کے مضمون مین اُسکے سفرنامے سے لیکے شہر دمشق کی وہ رونق جو اسلامی عہد وسطیٰ مین تھی دکھائی تھی۔ چھٹے نمبر مین ناظرین نے "فتح طرابلس" کی سرخی سے ایک نہایت دلچسپ مضمون پڑھا ہوگا۔ جس مین اسلامی وقعت کے اظہار کے ساتھ ایک عاشقانہ سچا واقعہ بھی دکھایا گیا تھا۔ "گزشتہ مسلمان عورتین" کی سُرخی سے جو مضمون آٹھوین نمبر مین تھا اُسکی حسرتناک داستان آج تک بہتون کے دل مین چٹکیان لے رہی ہوگی۔ سب سے زیادہ نئی بات یہ ہے کہ ہمارے اکثر معزز ہندو دوستون کو شکایت تھی کہ اُنکے واقعات دلگداز کے صفحون پر نہین نظر آتے۔ ادھر پچھلے پرچون مین رامائن کے جو سین دکھائے گئے ہین اُنھون نے بھی اکثر کو بیتاب کردیا ہوگا۔ ہم ہمیشہ ڈرتے رہتے ہین کہ جس مذہب کے حالات سے واقفیت نہ ہو اُس مین دخل دینا اکثر موجب ندامت ہوا کرتا ہے۔ ہمارا خیال ابھی تک یہی ہے

ان مضامین کے ذریعے سے ہمین ہندو سوسائٹی مین سُرخروئی حاصل ہوگی - خیال ہے مضامین مین سے "شمع سحر" اور "برسات" کے مضمون اکثر حضرات نے بہت پسند فرمائے جن کے ہاتھون ہمین خوشنودی کے سرٹفکیٹ مل چکے ہین -

باقی رہا ناول - یہ ناول ایک ٹریجک (حسرتناک) واقعے پر تمام ہوگیا ہے - ہمارے دوست خوشی کی بہت داستانین سُن چکے تھے اب مناسب معلوم ہوا کہ ایک حسرتناک داستان بھی اُنھین سنا دی جائے - محمود غزنوی کا کیرکٹر اور نیز ہندوؤن کا کیرکٹر جن جن لوگون نے اُس عہد کی تاریخین زیادہ غور سے پڑھی ہین وہ سمجھ جائینگے کہ کتنا پڑ رہا ہے - ہندوؤن کی بہادری اور نیز اُنکی جانبازی کا ثبوت بھی اس ناول کے ذریعے سے لوگون کو اچھی طرح ملجائے گا - سلطان محمود کو موجودہ مورخین نے عبارت آرائیان کرکے بالکل ایک لٹیرا اور ڈاکو ثابت کردیا ہے - کوئی شک نہین کہ محمود کی حالت ہندوستان مین اس صفت سے متصف سمجھی جا سکتی تھی - لیکن اُسکی اصلی شان اور حالت اور نیز اُسکے خیالات صاف بتا رہے ہین کہ وہ ایک بہت بڑا فاتح تھا - شاید اگر وہ یہان کی سلطنت چھین کے تخت نشین ہوجاتا اور ہندوؤن کو بالکل تباہ کردیتا تو اُسکی نسبت یہ لفظ کہنے کا کسی کو موقع نہ ملتا - وہ ڈاکو اسلیے ہوا کہ اُس نے ہندوؤن کو زیادہ تباہ نہین کیا اور رحم کیا -

آیندہ سال ناول کیسا ہوگا؟ اس کا حال ہم جنوری سنہ ۱۸۹۱ء کے دلگداز مین بتائینگے اب صرف ہمین اپنے دوستون کو یہ بتانا چاہیئے کہ دلگداز کا انتظام کیسا رہا؟ ابتداے سال سے نو مہینے تک پرچہ ماہ بماہ نکلتا رہا - صرف پچھلے تین مہینون کے پرچے ہٹ ہٹ کے اور دسمبر کی آخری تاریخون مین شایع ہوے - یہی بدانتظامی ہے جسکا الزام ہمین اپنے سر سے اُٹھانا ہے - ہمارے بعض مہربانون کو تو ایسی گھبراہٹ ہوئی کہ اُنھون نے اخبارون کے ذریعے سے بھی چٹکیان لین - اس بے انتظامی کا الزام اگرچہ صحیح ہے لیکن ہمارے دوستون کو اتنا خیال کرلینا چاہیے کہ دلگداز اخبار نہین ہے کہ اُسکے نہ پہونچنے سے خبرون کا سلسلہ موقوف ہوجائے - یا دیر مین شایع ہونے سے خبرین پُرانی ہوجائین - وہ ایسے مضامین اور ایسے خیالات پیش کرتا ہے جو ہمیشہ نئے اور ہر حالت مین اپنا لطف دکھا سکتے ہین - اگر کسی مرتبہ دیر ہوجائے تو وہ معذور

رکھنے کے قابل ہے۔ دلگداز ایک ماہوار پرچہ ہے۔ سال کے بارہ پرچے آج تک
اُس نے ہمیشہ پبلک کے سامنے گو زیادہ دیر سے دیے ہیں لیکن سال کے اندر ہی پیش
کر دیے۔ اسی طرح وہ ہمیشہ ذمہ داری سے یہ سچا وعدہ کرتا ہے کہ بارہ پرچے ہمیشہ
سال کے اندر پیش کر دے گا۔ وہ پبلک کا قرضدار نہ رہے گا۔ لیکن جہاں تک پبلک
قدردان ہے وہ اتنی مہربانی اور بھی کرے کہ ایسی جزئی بے انتظامیوں کی حالت میں
وہ معاف رکھا جائے۔

ہم اب اس مضمون کو تمام کرتے ہیں۔ اور آئندہ کے لیے اپنے موجودہ خیالات
کی بنا پر وعدہ کرتے ہیں کہ ان شاء اللہ دلگداز ماہوار نکلے گا۔ اور ہم پبلک کے خوش
رکھنے میں کامیاب ثابت ہوں گے۔

گزشتہ ایک سال کے متعلق دلگداز کی داستان بیان کر کے اب ہم ۱۸۹۸ء کو
رخصت کرتے ہیں اور شوقِ آئندہ سے ۱۸۹۹ء کے خیرمقدم کا سامان کرتے ہیں۔

سنہ ۱۸۹۹ء

یہ صدی جو ہندوستان کے لیے بالکل ایک نئے دور کی پیدا کرنے والی اور
ہندوستان کو نئے سانچے میں ڈھالنے والی تھی اُس کے اب پورے دو برس باقی رہ گئے۔
یوں تو انسان کو زمانہ ایک مستقل چیز معلوم ہوتا ہے۔ مگر اصل میں دیکھیے تو کچھ نہیں ہے
گزرتے بالکل دیر نہیں لگتی۔ ایک بچہ جو ابھی دودھ پیتا یا گھٹنوں چلتا ہو اُسے تو
کس بات کا ہوش ہے۔ لیکن اُس کے بزرگ جن کی تعلیم و تربیت میں وہ زندگی کے بہترین
ایام گزار رہا ہے جب وہ اُسکی عمر کے آخری حصے کو اپنی خیال کی آنکھوں کے سامنے
لاتے ہیں تو انھیں ایسے عجیب و غریب اور اتنے بڑے عظیم الشان تغیرات نظر آتے
ہیں جن کے لیے بہت بڑی مدت درکار ہے۔ وہ خیال کرتے ہیں کہ اُس وقت ہم میں سے
کوئی نہ ہوگا۔ ہم ہی نہیں اس عہد کے اکثر نوجوان اور تمام سن رسیدہ لوگوں کی
ہڈیوں کا بھی پتہ نہ ہوگا۔ ملک کی پولیٹیکل حالت میں بھی بہت سے تغیرات ہو گئے ہوں گے
اُس دور کے انسانی اخلاق کو اس عہد کے اخلاق سے کوئی نسبت نہ ہوگی۔ محاورات
میں بھی فرق پیدا ہو گیا ہوگا۔ ہماری باتیں لوگ قصے اور کہانی کی طرح یاد کرتے ہوں گے

اور ہمارا ذکر بھی بار بار آتے آتے نہ مردہ دلون کی صحبتون مین بے مزہ خیال کیا جانے لگا ہوگا اس بچے کا بڑھاپا ہوگا - جس طرح ہم آج تجربہ کاری کی باتین کرتے ہین اُسی طرح اُسوقت یہ بڈھا سخنہ مغزی کے غرور سے سر ہلا دیتا ہوگا - جس طرح آج یہ بے زبان بچون کی حیثیت سے ہمارے سامنے ہے اُسی طرح اُن دنون اسکے سامنے بہت سے بیٹے ہون گے جن کو یہ پیار کی نظر سے دیکھ رہا ہوگا - یہ صرف ایک عمر کا حال تھا جسکی انتہا اُسکے ابتدائی سرے سے کھڑے ہو کر دیکھی گئی - لیکن ایک صدی جو انسان کی تمام عمر دراز سے زیادہ ہوتی ہے - اگر اسکی ابتدا سے انتہا دیکھی جائے تو اتنا بُعد اور اتنی تاریکی نظر آئیگی کہ کوئی چیز نہ دکھائی دیتی ہوگی - اس موقع پر اس بچے کی طرح کوئی ایسی چیز بھی نہ ہوگی جس کی نسبت یہ ظن غالب قائم کیا جائے کہ اُس وقت موجود ہوگی -

ابتدا سے انتہا کو دیکھنا بنسبت اسکے کہ انتہا سے ابتدا دیکھی جائے زیادہ دشوار ہے - اسلیئے کہ انتہا مین ابتدا کی باتین گذری ہوئی ہوتی ہین جنکے دیکھنے والون یا اُنکے بیان کرنے والون یا نہین تو تاریخون ہی کے ذریعے سے اُن کا علم یقینی حاصل ہو جاتا ہے - مگر ابتدا سے انتہا کی طرف نظر دوڑانا ایسا امر ہے جسکی عمارت صرف قیاس کی زمین پر قائم کی جاتی ہے یا یون کہا جائے کہ نقش بر آب ہوتی ہے - تم دیکھو کہ یہی صدی جو اب تم سے رخصت ہونیوالی ہے اسکی ابتدا کا زمانہ تمھین کیسی تاریکی مین نظر آتا ہے - گو یہ تہذیب کا دور ہے اور ہر ادنی ادنی بات بھی مورخین کے قلم سے بچ کے نہین رہ جاتی مگر پھر بھی جب تم اُدھر اپنے خیال کی آنکھون کو پھیرتے ہو تو ایسا پیچیدہ منظر نظر آتا ہے کہ تمھارا خیال اکثر جگہ تھک تھک کے رہ جاتا ہے - گویا تم ایک لق ودق صحرا مین کھڑے ہو اور اُس دور کے منظر کو دیکھ رہے ہو جسکے چہرے پر بخارات کے دھندلے کا نقاب پڑا ہوا ہے - جہان سب چیزین آپس مین ملی ہوئی نظر آ رہی ہین اور جہان عظیم الشان درخت بھی اس قدر پیوست ہو کے مشتبہ ہوگئے ہین کہ تم ایک کو دوسرے سے تمیز نہین کر سکتے - پھر جب گذشتہ کا یہ حال ہے تو آیندہ کی طرف سے تو بالکل نا اُمیدی ہے - خیال بھی نہ کرنا چاہیئے کہ اُدھر کی کوئی چیز صحیح طور پر معلوم ہو جائیگی -

اتنی بڑی وسیع مدت - ایسا مسلسل اور طولانی سفر- باوجود ان دوریوں کے دیکھو زمانہ کس سہولت سے طے ہو جاتا ہے - دنیا اپنی اطمینانی حالت سے دکھا رہی ہے کہ گویا یہ بالکل حرکت ہی نہین کرتی جیسی ہمیشہ تھی ویسی ہی آج بھی ہے - لیکن افسوس! ہزار افسوس!! صد ہزار افسوس!!! کہ زمانے نے اُسے غفلت کی نیند مین سُلائے رکھا - یا خود فراموشی کے کھیل مین لگا دیا اور خود ایک پوری صدی کو اُسکے ہاتھ سے نکالے لیے جاتا ہے - بلکہ یون کہنا چاہیے کہ نکال لے گیا - نوّے برسون کو جاتے کیا دیر لگی جو ان دس برسون کو لگے گی -

اگر ہم اس صدی کو رخصت کرنے کے لیے غور و تامل کے ساتھ آیندہ کے واسطے کچھ نتایج نکالنا چاہین تو ہمین چاہیے کہ ہر سال کے رخصت ہوتے وقت گذشتہ اوقات زندگی کے اکارت جانے پر افسوس کرنے کے عادی بنین - سنہ ۹۰ء جو اس صدی کی نوین دہائی کا پورا کرنیوالا تھا تمام ہو گیا - نو دہائیون کو بیکار رخصت کرکے دسوین دہائی پر ہاتھ بڑھایا - صدی کا صرف دسوان حصہ باقی ہے جو ایک غفلت کے جھونکے کی طرح بہت جلد ہاتھ سے نکل جائے گا - انسان کی طبیعت کا خاصہ ہے کہ عمر کے آخری ایام مین گذشتہ زمانے پر افسوس کرتا ہے اور موجودہ ایام کی زیادہ قدر کرتا ہے - اگر اس اصول پر چلو تب بھی تمھارا فرض ہے کہ جس طرح بنے ان دس باقی برسون کو اُسی قدردانی سے بسر کرو جس قدردانی سے ایک لب گور بڈھا اپنی زندگی کی پچھلی گھڑیون کی چاہے کچھ نہ کر سکے مگر زیادہ قدر و عزت کرکے صرف کرتا ہے -

اب یہ وقت گذشتہ غفلتون پر پچھتانے کا نہین ہے - اب زمانہ اس امر کا ہے کہ جہان تک ہو سکے ہم ان قیمتی گھڑیون کو جو گذر رہی ہین اُسی طرح بسر کرین اور اُسی طرح صرف کرین جس طرح کوئی بخیل اپنے روپئے کو صرف کرتا ہے -

خیر جو کچھ ہونا ہے اُس کا پروگرام سال کے اختتام پر لوگ پیش ہی کر دین گے ہم کوئی منجم اور غیب کی خبرین بتانے والے نہین ہین کہ اس موقع پر آیندہ کی نسبت پیشین گوئیان کرین - صرف ہمارا کام اس قدر متنبہ کر دینے کا تھا کہ ہمارے احباب اس نئے سال کو نہایت قیمتی خیال کرکے ضروری اور مفروض کامون مین صرف

کرنے کے سوا کبھی شکایت نہ کریں۔ ایسا نہ ہو جس طرح سنہ ۹ء کے اختتام پر انھیں
عمر کے گزرنے پر حسرت و اندوہ میں مبتلا ہونا پڑا سنہ ۱۰ء کے اختتام پر بھی یہی حالت ہو۔

اب ہم خاص اپنے کاموں کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ دلگداز کی نسبت صرف
اسی قدر کہنا ہے کہ جیسا سنہ ۹ء میں رہا ویسا ہی سنہ ۱۰ء میں رہے گا۔ اپنے اصول میں
چاہے ترقی کرے مگر وہ ترقی محدود ہوگی۔ اور یہ انھی اصول پر رہیں گے
جو پہلے سے چلے آتے ہیں۔

باقی رہا ناول "منصور موہنا" سنہ ۹ء کے ساتھ تمام ہو گیا۔ اور افسوس کی بات
ہے کہ ناظرین کے دلوں پر ایک سخت چوٹ لگا کے تمام ہوا۔ جس کی حسرت انھیں بہت
دنوں تک یاد رہے گی۔ صرف قدیم مذاق کے پسند کرنے والوں میں بعض احباب
اس پر سخت خفا ہیں۔ لیکن جن شریف مسلمانوں کے دل میں شرافت و انسانیت کا جوش
ہے اور جن معزز ہندوؤں کی رگوں میں اگلی محبت کا خالص اور پاک و صاف
خون ہے وہ یہی کہتے ہوں گے کہ "خوب ہوا جو یہ واقعہ یوں ہی تمام ہو گیا"۔ اگرچہ
ہماری قدیم مثنویاں اکثر کامیڈی (خوشی و کامیابی) ہی کے نتیجے پر تمام کی گئی ہیں
لیکن سچی داستانوں کا اکثر یہی نتیجہ ہوا ہے جو مرحوم منصور اور حسرت نصیب
موہنا کا ہوا۔ علاوہ بریں مختلف ممالک کی اخلاقی حالت کا اندازہ کرنے والے سمجھ سکتے
ہیں کہ اس قسم کے عشق کے نتائج ہندوستان میں یہی ہونا چاہیے تھے جو ناول سنہ ۹ء میں ظاہر
ہوئے۔ ایسے موقعوں پر کامیاب ہونا زیادہ تر یورپ کا حصہ ہے۔ اور پھر ہے تو کسی قدر عرب و عجم
و مصر وغیرہ کا۔ ہندوستان کی آب و ہوا اس کے لیے بالکل ناموافق ہے۔

سنہ ۱۰ء کے ناول کے بارے میں اکثر احباب نے ہمیں اپنی رایوں سے مطلع کیا۔ بعض
حضرات کی رائے ہے کہ پھر سرزمین شام و عرب میں ہمیں قائم کیا جائے۔ بعض یورپ
میں جانے کے شائق ہیں۔ مگر ہمیں تو اپنا ملک ہی زیادہ اچھا معلوم ہوتا ہے۔ قدیم ایام
کے ایک شخص نے اپنی سوانح عمری کے حالات خود اپنے ہاتھ سے لکھے ہیں۔ جس کا ایک
قلمی مسودہ ہمارے پاس ہے۔ یہ صاحب تیمور کے آنے کے وقت سرزمین ہند میں تھے۔
انھوں نے اس وقت کے تغیرات کا حال نہایت دلچسپ لکھا ہے۔ انکی سوانح عمری میں
کچھ ایسی دلچسپیاں ہیں کہ ہمیں تو ناول سے زیادہ لطف اس میں آتا ہے۔ [illegible]

دلچسپ بنائے موجودہ رنگ میں لکھی جائے - انگریزی میں اکثر ایسے ناول موجود ہیں جو اسی پیرایہ میں لکھے گئے ہیں اور مہذب و جوہر شناس سوسائٹیوں میں نہایت مقبول ہوئے - مسٹر چارلس ڈکنس کا مشہور ناول "ڈیوڈ کاپر فیلڈ" اسی رنگ پر لکھا گیا ہے - جسکی نسبت وہ نامور ناولسٹ لکھتا ہے کہ "جس طرح ایک باپ کو اپنے بہت سے بیٹوں میں سے صرف ایک بیٹا نہایت ہی لاڈلا اور پیارا ہوتا ہے اسی طرح مجھے اپنے تمام ناولوں میں یہ ناول زیادہ پیارا ہے"

اسی بنا پر اس دفعہ یہی قصد کر لیا گیا کہ وہی سوانح عمری دلچسپی کے ساتھ ناول کی صورت میں سال بھر شائع ہوتی رہے - قدردانان دلگداز جن کے عام مذاق اور عام طبائع کے اندازہ کرنے کا مجھے بہت کچھ موقع مل چکا ہے یقیناً اسکو بہت پسند کرینگے اور میرا خیال ہے کہ یہ سوانح عمری انھیں گذشتہ ناولوں سے زیادہ دلچسپ معلوم ہوگی۔

قدر بعد شکست بعد زوال

کئی برس ہوئے کہ یہی جملہ ہم نے دوستوں نے دلگداز کے کسی صفحے پر لکھا تھا - اس جملے کا مقصود اسوقت تو صرف خیالی جستجو اور تفتیش کے ذریعے سے موثر و پردرد واقعات کے ذریعے دکھلانے کے لیے بنا لیا گیا تھا - لیکن ایک فلسفی کی نظر میں شاید اس مضمون کی چندان قدر نہ ہوئی ہوگی - کیونکہ واقعات پر نظر رکھنے والے فرضی ناولوں کی زیادہ قدر نہیں کرتے - لیکن اب ہم ایک ایسے موقعے پر اسی مضمون کو پیش کرتے ہیں جبکہ تاریخ اور واقعات ہی سے بحث کرتا ہے اور کسی فرضی معاملے سے کام - لہذا کسی کو [illegible] ضرورت نہیں -

"دلگداز" جسکو پبلک نے مدت تک بڑی عزت کی نظر سے دیکھا اور جسنے اپنے زمانہ میں اردو لٹریچر پر بہت کچھ احسانات کیے - اور جسکا یہ دعوے کسی حد تک قابل تسلیم خیال کیا جاتا ہے کہ اسکا کام تھا کہ اس نے اردو زبان میں ایک نئی روح پھونکی - اور جو اپنی مذکورہ یادگار زمانہ [illegible] کی بنا پر ہم کو اور نیز ہماری قوم کو بہت پیارا تھا - افسوس کہ زمانے کی سرد مہریوں اور قوم کی بے پروائیوں نے کچھ ایسا ستایا کہ مجبوراً اسے گذشتہ [illegible] ہم بیٹھے - گو اسکی شکایت نہیں کہ پبلک نے دلگداز کی

کسی اعتبار یا کسی حیثیت سے ناپسند کیا تھا - لیکن ہان اُسکی عدم موجودگی اور غیبت
کے زمانے مین شائقون کی طرف سے جو بیقراری ظاہر ہوئی اُسنے ثابت کر دیا کہ
دلگداز کیسا پرچہ تھا - یہ گذشتہ ڈیڑھ سال کی مدت جس مین قوم کی پُرشوق آنکھین
دلگداز کے دیکھنے کو ترس رہی تھین اور جبکہ اکثر ہاتھ صرف اُسکے پانے کی ہوس مین
پھیلے رہتے تھے - اُس مین دلگداز تو گمنامی کے غار مین پڑا سو رہا تھا مگر لوگ اُسکے
سحر نما مضامین - اور اُسکے موثر فقرون - اُسکے پیارے دوبھرے الفاظ - اور اُسکے پُر درد
نغمون کو حیرت و استعجاب سے یاد کر کے افسوس کر رہے تھے - اور زمانہ پُکار پکار کے
کہہ رہا تھا کہ "اِنَّ اصحٰبَ الکہفِ والرقیم کانوا من آیاتنا عجبًا" ہم بھی گو اپنی
مصیبتون مین مبتلا تھے مگر اسکا بھی اندازہ کرتے جاتے تھے کہ

"عالم ہمہ افسانۂ ما دارد و ما ہیچ"

ممکن ہے کہ زمانہ اور احباب کی گذشتہ ناہریون اور پھر بعد کی ندامتون کا خیال
کر کے ہم کہہ دین کہ

کی مرے قتل کے بعد اُسنے جفا سے توبہ ہائے اُس زود پشیمان کا پشیمان ہونا

لیکن نہین - اتنے دنون کی گردشِ زمانہ نے ہمین قومی ذلتون کے ایسے عام اور غیر مشتبہ
نمونے دکھا دیے ہین کہ اُنکے بعد حرفِ شکایت زبان پر لانے کی ہم سے جرأت نہین
ہو سکتی - ہم نے ایسے ایسے گران پایہ قومی نامورون کو ایسے ایسے قومی جرائم کا
مرتکب پایا ہے کہ ہماری قوم نے جو کچھ ہمارے ساتھ کیا وہ بہت ہی کم - بہت ہی
تھوڑا اور بالکل معمولی ہے - ہم اپنی قوم کا شکریہ ادا کرتے ہین کہ اُس نے ہمیشہ ہمین
ذکر خیر سے تو یاد کیا -

الغرض اشاعت دلگداز مین جو کچھ کوتاہی ہوئی اُسکا الزام ہم اپنے سر لیتے ہین -
اور قوم سے معافی چاہنے کے بعد پھر پبلک کے اُس اسٹیج پر آتے ہین جسپر سے افسوس
کہ بغیر کسی کو اپنا جانشین چھوڑے ہم رخصت ہو گئے تھے -

ہم نے جسوقت پبلک اسٹیج کو چھوڑا ہے اُسوقت ہم صرف دلگداز ہی کو نہین
شایع کر رہے تھے بلکہ دلگداز کے دفتر سے "مہذب" نام ایک ہفتہ وار اخبار بھی جاری
تھا - جسکے رنگ عبارت - جسکے مضامین - اور جسکے ذریعے سے شایع ہونیوالی مرحوم ہو

مغفور علماے اسلام کی زندہ تصویرون کو زمانہ مدتون یاد کرے گا - اگرچہ تہذیب کی نسبت بعض احباب کی یہ رائے تھی کہ ملک کو چندان اسکی ضرورت نہین - ہمارے بعض احباب بھی اسکے خلاف تھے مگر ہم اب بھی کہتے ہین کہ چاہے ہندوستان کو نہ ہو لیکن اسلام کو اُسکی ضرورت اُسوقت بھی تھی اور اب بھی ہے اور ہمیشہ رہے گی - لیکن افسوس یہ ہے کہ نیز اپنے دیگر مشاغل اور نیز مصارف کے لحاظ سے ہم ابھی تہذیب کی کمی پوری نہین کر سکتے - اگرچہ ہم کو اسکا بڑا صدمہ ہے اور غالباً ہمارے وہ احباب بھی افسوس کرین گے جو اسکو بڑے ہی شوق اور بے انتہا تمناؤن کے ساتھ لیا کرتے تھے - تاہم یہ نہ خیال کرنا چاہیے کہ یہ کمی کبھی پوری ہی نہ ہوگی - اگر ہم زندہ ہین اور زمانے نے ان مجبوریون سے ذرا بھی نجات دی تو ہم فوراً تہذیب کو جاری کر دینگے

سردست دلگداز ۱۸۹۳ء کے پہلے ہی مہینے سے جاری ہوتا ہے اور ہم وعدہ کرتے ہین کہ ہمارے دوست اسے اسکے قدیمی رنگ پر پائین گے - وہی پُرجوش مضامین ہونگے - وہی تاریخی واقعات ہونگے - وہی پُر درد نغمے ہونگے - وہی دلفریب عبارتین ہونگی - غرض وہی پہلا دلگداز ہوگا اور وہی قدردان ہونگے - وہی دُنیا ہوگی اور وہی ہم ہونگے -

دلگداز کے ساتھ جو ناول ۱۸۹۱ء مین شروع ہوا تھا اور چند اجزا پر ناتمام رہگیا تھا اُسکو اس موقع پر ہم ابھی ناتمام چھوڑتے ہین - اور اُمید کیجاتی ہے کہ تکمیل کو پہونچانے کے بعد اسی سال کے اندر ایک جداگانہ جلد مین شایع کر دیا جائیگا - اسکی قیمت بروقت اشاعت لوگون کو معلوم ہو جائیگی - ابھی اسکے متعلق زیادہ گفتگو کرنا قبل از وقت ہے -

اس موقع پر ہمین اُن لوگون کے قرض کا بھی فیصلہ کرنا چاہیے جن کا روپیہ بابت قیمت دلگداز و مہذب ہمپر فاضل ہے - اگرچہ ہم نہایت افسوس کے ساتھ کہتے ہین کہ وہ نامہربان احباب جن کے ذمے ہمارا روپیہ باقی ہے نیز اُنکی تعداد اور نیز اُس رقم کی مجموعی تعداد جو اس طرح پر بقایا مین پڑی ہوئی ہے بہت زیادہ ہے - لیکن ہم جانتے ہین کہ جن حضرات کو ہم سے اپنا قرض وصول کرنا ہے اُنھین اسکی کچھ پروا نہ ہوگی کہ اسی قرضخواہی کے جرم مین ہم کس قدر ستائے گئے ہین - اور ہم بھی اُنکی

اس بےپروائی کو شکریے کے ساتھ قبول کرتے ہین - بلکہ اُنکے قرضے سے زیادہ کچھ
دو، بھی بہ مد جرمانہ دینے کو موجود ہین - وہ یہ کہ جن صاحبون نے ۱۸۹۲ء کی قیمت
ادا کر دی تھی اُنکی وہ قیمت ۱۸۹۳ء کی قیمت سمجھی جائیگی اور بعوض اُن چار پرچون کی
قیمت کے جو پرچے ہوے جو ۱۸۹۴ء مین آنکی خدمت مین بھیجے گئے - سال رواں کے
... انکی قیمت بیباق خیال کی جائیگی - اور اُن چار پرچون کی قیمت کو ہم بطور رعایت
چھوڑے دیتے ہین - باقی رہے وہ حضرات جن کے ذمے ہمارا روپیہ باقی ہے امید ہے
کہ اب وہ توجہ فرمائین گے اور کوشش کرین گے کہ ۱۸۹۳ء کی قیمت کے ساتھ گزشتہ
بقایا بھی ارسال فرمائین -

باقی رہے وہ حضرات جن کی قیمت بابت مہذب ہمارے ذمے باقی ہے ایسے
بہت کم ہین - کیونکہ مہذب اپنے دوسرے سال کی زندگی شروع کرتے ہی بند ہوا -
تاہم جن لوگون کا روپیہ باقی ہو اُسکو ہم نقد تو واپس نہین کر سکتے لیکن اگر وہ دلگداز
کے خریدار رہین تو دلگداز کی قیمت اور نیز بعض دیگر کتب کے ذریعے سے چند روز مین
اُن کا روپیہ بھی بیباق کر دین گے -

خاتمے پر ہم اُن شریف نفس حضرات کا بہت شکریہ ادا کرتے ہین جنھون سے
دلگداز کے بند ہونے کے زمانے مین ہماری نسبت طرح طرح کے خیالات ظاہر کیے - جنھون
کے کالمون مین ہم کو بڑی عزت کے الفاظ سے یاد کیا - ہمارے قرضخواہون کو اُبھارا -
بیشک ہم کو اُن سے ایسی ہی اُمید تھی - لیکن ایسے حضرات کی شرافت مزاجی کا حال
خود ہی کھل گیا اور ایسے واقعات پیش آئے کہ ہم کو کچھ کہنے کی ضرورت نہ ہوئی - اور
یہ مثل خود بخود صادق آگئی کہ "جادو وہ جو سر پر چڑھ کے بولے"- ہمارے بعض
خاص دوست ہمین بار بار تاکید کرتے رہے کہ اُنکے اتہامات کا جواب ہم کسی اخبار
کے کالم مین دین - مگر ہم نے سکوت ہی کو مناسب سمجھا - اور اب ہم اسپر مسرت ظاہر
کرتے ہین کہ ہمارا سکوت ہی کامیاب ہوا -

ہم - اور ہماری غیبت

۱۸۹۵ء مین مولانا کے ولایت جانے سے دلگداز بند ہوا تھا - اسکے بعد ۱۸۹۶ء

مین سنہ محمدی کے حساب سے دلگداز دوبارہ نکلا تو یہ تمہیدی مضمون مولانا نے شایع کیا تھا۔

کہا جاتا ہے کہ گذشتہ کئی سال جو اس عالم مین گذرے کہ نہ پبلک کو ہماری خبر تھی اور نہ ہمین پبلک کی، نہایت ہی بے لطفی مین کٹے۔ اور کسی حد تک یہ بجا بھی ہے اس لیے کہ جس طرح ہم اپنے دوستون کی مفارقت مین بیتاب تھے اسی طرح ہمارے دوستون کی آنکھین ہمین ڈھونڈھ رہی تھین۔ ہم گمنامی کے دریا مین غوطے پر غوطہ لگا رہے تھے۔ اور قدردانون کو بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ قدر افزاؤن کی نظرین اس ناپیدا کنار سمندر کی موجون پر ہمارا تعاقب کرتی پھرتی تھین۔ اور یہ حال تھا کہ کسی موج پر کسی نے دیکھ پایا اور ہنوز دوسرون کی آنکھین نہ متوجہ ہونے پائی تھین کہ ہم پھر غائب ہو گئے۔ لیکن زمانے نے مساعدت کی۔ اور ہم بڑی مسرت کے ساتھ کہتے ہین کہ "آیئے۔ بزم سخن پھر مرتب ہے۔ اور اہل ذوق کی دلچسپی کے لیے نیا اور پہلے سے کچھ زیادہ لطف موجود ہے":

ہماری اتنے دنون کی غیبت چاہے کیسی ہی بدمزگی مین گذری ہو مگر اصل یہ ہے کہ اس مین بھی ایک بات تھی۔ اگرچہ احباب روز کی صحبتون مین دلچسپیان اٹھانا زیادہ پسند کرتے ہین مگر بچھڑون کے ملنے مین کچھ مزہ ہی اور ہوتا ہے۔ صحبت وصال کی لذتون سے انکار کرنے والا کافر۔ مگر ہجران نصیبون کے وصال کی اور ہی شان ہوتی ہے۔ ہزار عشق صادق ہو لیکن یہ بات کہان کہ رہ رہ کے بغلگیر ہوتے ہین اور جی نہین بھرتا۔ بار بار مزاج پرسی کرتے ہین اور پھر بھی دل یہی چاہتا ہے کہ پوچھے جائین۔ سچ یہ ہے کہ مفارقت وصال کا مزہ بتاتی ہے۔ اور دنہ ملنے سے ملنے کی قدر ہوتی ہے۔

فراق کی ضرورت کچھ اسی پر موقوف نہین کہ اُسکی چاشنی سے ہم اپنی اخلاقی صحبتون کو مزیدار بنائین۔ نہین۔ مذہب نے بھی اسکی ضرورت کا پورا لحاظ رکھا ہے۔ حضرت مسیحؑ کی طولانی غیبت روز بروز اُس گھڑی کو زیادہ قیمتی ثابت کرتی جاتی ہے جبکہ وہ آسمان سے اُتر کے خنزیر کو قتل اور دین کو زندہ کرینگے۔ جناب مہدیؑ کا پیدا ہونے کے بعد بھی مدت ہاے دراز تک مومنین کی نظر سے مخفی رہنا اسی اصول

پر مبنی ہے کہ استقبال و جان نثاری کے شوق مین زیادہ اضطراب و جوش پیدا ہو۔ خدا نے واقعۂ افک کے موقع پر اپنے حبیبؐ خاص روحی فداہ کو بھی چالیس دن تک جناب صدیقہ سے جدا رکھ کے اسی مفارقت کا مزہ چکھا دیا۔ ہمین تو یہ کہدینے کا بھی حق حاصل ہے کہ جس طرح مشیت ایزدی نے سرور کائنات کو مکے سے چھڑا کے ایک مدت کے بعد نہایت ہر دلعزیزی کے ساتھ اپنے ہموطنون اور عام جان نثارون سے ملایا تھا اُسی طرح آج ہم ایک مدتِ دراز کے بعد جبکہ وطن اور اہل وطن کو خیرباد کہہ چکے بڑی گرمجوشی کے ساتھ اپنے احباب سے ملتے ہین۔ اُمید ہے کہ اسی اتباعِ سنت سے ہماری اس جدید ملاقات مین خدا برکت بھی دے گا۔

کہتے ہین کہ جس کسی کی نسبت مرنے کی غلط خبر اُڑ جائے اُسکی زندگی زیادہ ہوتی ہے۔ بلکہ کبھی کبھی بعض کہن خیال رؤسائے ملک کو دیکھا ہے کہ اس شگون سے فائدہ اُٹھانے کے لیے اپنے مرنے کی خبر آپ ہی مشہور کر دیا کرتے ہین۔ یہ خیال اگر اسی حد تک رکھا جائے تو ایک قسم کی ضعیف الاعتقادی تصور کیا جائیگا۔ مگر نہین اس کا تھوڑا بہت اثر سائینٹفک اصول سے بھی مانا جاتا ہے۔ جس درخت کی تمام شاخین اور کُل ٹہنیان چھانٹ ڈالی جائین اُسکا قاعدہ ہے کہ معمول سے زیادہ پھلتا پھلتا ہے۔ کیا عجب کہ سلسلۂ اشاعت کا اتفاقاً ٹوٹ جانا اسی نیک شگون کے لیے ہو۔ اس لیے کہ اس گذشتہ زمانے مین صرف دلگداز ہی نہین بند ہوا وہ ایک مرتبہ خود ہمارے مرنے کی بھی ایسی خبر اُڑی کہ بہت سے احباب نے فاتحہ پڑھ دی تھی۔ بیشک ہم کو اُن احباب کا شکریہ ادا کرنا چاہیے جنھون نے ایسی نیک خبر اُڑا کے ہمین اپنا شکرگزار بنایا۔ اور آج ہم اُنکی اُس عنایت سے فائدہ اُٹھا رہے ہین۔

دلگداز کے آیندہ اچھے اور زیادہ پُرزور ہونے کی اُمیدین فقط اس شگون پر نہین موقوف ہین بلکہ ہمین حقیقت مین کچھ ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔ اس لیے کہ ملکی خدمت اور زبان اُردو مین ایک نئی اور تازہ روح پھونکنے کے لیے ہم اپنے کو پہلے سے زیادہ تیار پاتے ہین۔ ہمارے ناظرین جانتے ہین کہ اُن سے جدا ہو کے ہم بالکل بیکار

نہین بیٹھے - ہم نے کتب تاریخ کا زیادہ مطالعہ کیا - زمانے سے کچھ اور سبق لیے - اور بیشتر اگر محض ایک طالب علم کی حیثیت رکھتے تھے تو اب ایک مستعد طالب علم ہین - قطع نظر تمام باتون کے عالیجناب سر وقار الامرا بہادر مدار المہام دولت آصفیہ کی توجہ اور سرپرستی سے ہمین انگلستان اور یورپ کے سفر کا موقع ملا - جہان سے ہم اپنے دوستون کے لیے بہت سے ہدیے اور تحفے لائے ہین - ایسے تحفے نہین جن سے بچے پھسلائے جاتے ہین بلکہ اُس قسم کے جو اہل ذوق کے دلون اور اہل علم کے دماغون کو محظوظ و مسرور کرین - اور جو آیندہ دلگداز کے صفحون پر نذر کے لائق قدردانون کی خدمت مین پیش کیے جائینگے -

گذشتہ اشاعت کے زمانے مین دلگداز کی طرف پبلک کی بہت کچھ توجہ نظر آتی تھی اور اُس زمانے کے مقابلے مین جبکہ روز کی ڈاک ہمین دلگداز کی مقبولیت اور دلچسپی کا نت نیا ثبوت دیتی تھی یہ دو تین سال جبکہ ہم خاموش بیٹھے تھے نہایت ہی مُردہ دلی مین گذرے - مگر اسکے ساتھ اتنا ضرور کہین گے کہ اس خموشی کے زمانے نے دلگداز کی مقبولیت اور ضرورت کو اور زیادہ ثابت کیا - اسلیے کہ باوجود ہماری عدم توجہی کے پبلک کے پُرشوق ہاتھ جو اسکے مضامین اور ناولون کے لینے کیلیے پھیلے تھے اُسی طرح پھیلے رہے - اور جب ہم ملک و قوم کی ضرورت کو نہ پورا کرسکے تو دیگر مطابع نے توجہ کی اور نئے اڈیشن چھاپ کے موجود کر دیے - بہت سے احباب نے اصرار کیا کہ اُن مطابع کو کتابون اور رسالون کے جلد مین چھاپنے سے روکنا چاہیے مگر ہم نے اسکو نامناسب جانا -

آخر وہ زمانہ آگیا کہ ہم پھر اُسی نغمے کو از سر نو شروع کرین جو بہت دنون تک لوگون کے کانون کو لُبھائے رہا تھا - اور اُمید ہے کہ قدردانون کی توجہ اور احباب کی قدر افزائی سے یہ نغمہ اسی طرح جاری رہے گا - اور دلگداز پورے استقلال و التزام کے ساتھ مسلمانون کے دلون مین وہ قیمتی جوش پیدا کرتا رہیگا جسکی سخت ضرورت ہے -

دلگداز اور اُنیسوین صدی

صاحبو ! دلگداز ہماری اور آپ کی آرزوؤن کے مطابق پھر جاری ہوتا ہے

نیا سال جن نئی اُمیدون کو بر لاتا ہے اُن مین سب سے بڑی اور پُر لطف تمنا یہی ہے
آپ کو شکایت ہے کہ اس نے پھر چند روز غیبت کیون اختیار کر لی تھی۔ اور کیا
سبب تھا کہ ہمارے اُس بے محل سکوت نے احباب کی صحبت اور قومی دنیا مین
ایک بدمزگی اور بے لطفی پیدا کر دی؟ مگر نہین۔ آپ غور کرین تو معلوم ہو جائے گا
کہ یہ سکوت بے موقع و بیجا نہ تھا۔ دو سال سے ہر طرف سے یہی آواز آ رہی تھی کہ
دُنیا فنا ہونیوالی ہے۔ اور عالم ارض کی عمر پوری ہو چکی۔ ہر شخص اپنے انجام پر نظر
کر رہا تھا۔ جدھر نظر اُٹھایئے نفسی نفسی کی پڑی ہوئی تھی۔ جسے دیکھیے کفن پہننے کا
سامان کر رہا تھا اور منتظر تھا کہ کب وہ معینہ ساعت آتی ہے اور کب ان دنیاوی
بکھیڑون سے نجات ملتی ہے۔ ایسی حالت مین اگر دلگداز نے مسلم الثبوت روحانی
مسئلہ "موتوا قبل ان تموتوا" پر عمل کر کے دِکھا دیا تو کیا بُرا؟ اسے نظر آیا کہ اب
یہ تھوڑے دنون کی زندگی جو انتہا سے زیادہ بے لطفی مین اور لوگون کی نفسی نفسی
کا تماشا دیکھنے مین گذرے گی۔ جبکہ نہ قدردانی ہوگی نہ دلچسپی۔ نہ کچھ کہنے مین مزہ
آئے گا نہ کچھ سننے مین۔ اس سے مرجانا اور مُردون کی طرح کنج عدم مین لیٹ
جانا ہی اچھا۔

مگر افسوس کہ قیامت کو نہ آنا تھا نہ آئی۔ اور یہ ہماری چند روزہ موت بیکار گئی۔
لیکن آپ تو جانتے ہین کہ عالم سخن اور شعرآفرینون یا حُسن پرستون کی دنیا مین
جس قدر مرنا آسان ہے اُسی قدر جینا۔ اگر کسی کی ایک ادنیٰ جنبش نگاہ اور مستانہ
آنکھون کے اشارے سے مرتے ہین تو اُسی کی ٹھوکر سے جی اُٹھتے ہین۔ اور خصوصاً
جب آپ کی دعاؤن اور تمناؤن کا سہارا ہو تو پھر کون مشکل ہے۔ جس طرح مُردہ
اُمیدین کسی حسرت نصیب دل مین جی اُٹھتی ہین۔ دلگداز بھی جی اُٹھا۔ اور جس طرح مدتون
کی حسرتین زمانہ موافق پاتے ہی ایک آن واحد مین نکل آتی ہین یہ بھی نکلا۔

اور واقعی اِن دنون اسکی اشاعت کی ضرورت بھی تھی۔ ایک طرف تو آپ
کے ذوق و شوق مین پورا جوش پیدا ہو گیا ہے اور آپ اسکے استقبال کے لیے
ہمہ تن تیار ہین۔ دوسری طرف زمانہ ایک بہت بڑا پلٹا کھانے والا ہے۔ اُنیسوین
صدی رخصت ہوتی ہے۔ اور خدا جانے کیا کچھ کر کے جاتی ہے۔ اسکا رخصت ہونا

کوئی معمولی چیز نہین - ولہٰذا ہٗا فرض ہے کہ جس طرح بنے سنتدی سے اُٹھے - ایک بہت بڑے تغیر عالم اور انقلاب زمانہ پر نظر ڈالے - اور اُس آخری صدی کو جو دنیا کو خدا جانے کیا سے کیا کرکے جاتی ہے اُسی کی شان کے مناسب اہتمام سے رخصت کرے -

جس طرح کسی مرجانے والے کی بُرائی کرنا معیوب ہے اسی طرح کسی جان بلب کے سامنے دفتر شکایت کھولنا بھی نامناسب ہے - اس کا تو ہمین اس موقع پر نام بھی نہ لینا چاہیے کہ اس صدی نے ہمارے ساتھ کوئی بُرائی کی - دراصل ہم اسکے آخر عمر کے ساتھی تھے - لہٰذا جس طرح بزرگون کی ڈانٹ ڈپٹ شکریہ کی مستحق ہوتی ہے اُسی طرح اس کی کج ادائیون اور ناگوار سلوکون کو بھی کسی نیک نیتی اور مصلحت ہی پر محمول کرنا چاہیے - عام معاملات مین ذاتیات کو دخل دینا اچھا نہین - لہٰذا جبکہ ہم یہ دیکھنا چاہتے ہین کہ اس نے عام لوگون اور ساری دنیا کے ساتھ کیا کیا؟ اُسوقت اپنے ذاتی اغراض کو پیش کرنا ہماری حمیت و متانت کے خلاف ہے -

لیکن ایک ہمارے زبان روک لینے سے کیا ہوتا ہے؟ اس جان بلب صدی نے تھوڑے انقلابات نہین کیے کہ دنیا والے بغیر شکایت کیے اسے رخصت کر دین - کُہنہ عمارتون - منہدم کھنڈرون - پُرانی درہم و برہم صحبتون - اور خاصۃً ہمارے ملک کے بوڑھون اور پُرانے مذاق والون مین اس صدی کی جان کو رونے والے بہت ملین گے - آخر یہ اُسی کلجگ کی بیٹی ہے جسے عوام اُٹھتے بیٹھتے ہر حالت مین کوسا کرتے ہین - یورپ کا اقبال اس نے بیشک چمکا دیا - اور ایسی ایسی معجز نمائیون کے سامان اُس ٹھنڈی مٹی سے ظاہر کرا دیے کہ ساری دُنیا متحیر ہے - مگر ایشیا و افریقہ والون کے ساتھ تو جیسا سلوک اس صدی نے کیا شاید دنیا کی پوری عمر مین کسی زمانے اور کسی دور نے نہ کیا ہوگا - اور یورپ پر بھی اس نے احسان کیا تو کیا؟ علمی ترقیون سے قطع نظر کر لیجیے تو اسکی ستم شعاری و ظلم پسندی کی شان وہان بھی کم نہین نظر آئیگی - اسکی جلادی کی خونریز تلوار اُس مغربی فضا مین جو اکثر کُہرے وغیرہ کا لباس پہنے رہتی ہے بارہا چمکی - سلطنتون اور تمدنی قوتون کا باہمی حسد روز بروز ترقی ہی پر رہا - وہ مشہور میدان جن مین نپولین کے گھوڑے کی ٹاپون سے گرد اُڑی آج بھی شاید بہت سے مظلوم شہیدون اور بے گور و کفن لاشون کی ہڈیان پیش کرین گے جن کو سبھی دُنیا اپنے

قدیم دیوون کی ہڈیون کی طرح متبرک سمجھ کے نہ اُٹھائے اور دلّی کے خزانہ تبرکات مین
نہ جگہ دے مگر ایک حامی وطن اور انسانی درد سے متأثر ہونے والے کی نظر مین وہ
دُنیا کے تمام تبرکات سے زیادہ قابلِ قدر ہین -

واٹرلو اور ٹریفلگر کے قیامت زا میدانون مین جن بہادرون اور جانبازون
نے جام فنا پیا اُنکی ناموری کی موتین جتنی زیادہ چمکتی جائین گی اُتنے ہی وہ خون
کے دھبّے بھی زیادہ اُبھرتے آئین گے جو اس صدی کے دامن پر لگے ہین - وہ قومی
شہدا جو سیباسٹپول اور آخری جنگ روم و روس کے معرکون مین خونین کفن پہنے
ہوے آغوشِ زمین مین لیٹ گئے اُنکی قبرون پر ہمارے ضعیف الاعتقاد چاہے چراغ
جلانے اور پھول کی چادر چڑھانے نہ جائین مگر اُنکے کارنامے ہمیشہ یاد رہین گے - اور
زمانے کو آخر تک مجبور کرتے رہین گے کہ اُنکے آگے سب سے زیادہ سر جھکائے - واقعی
یہ لوگ ایسے نہ تھے کہ انکے ساتھ ایسا سلوک کیا جاتا -

۵۷ء کے غدر کی مصیبت اگرچہ ایشیا کے سر پڑی تھی مگر اُس سے بھی یورپ
کو اتنا ہی تعلق تھا جتنا کہ کسی خاص اپنی سرزمین کے ہنگامے سے ہوتا - جو منحوس تلوار
صرف چند خیالی غلط فہمیون یا ناتجربہ کاری کی حکمت عملی سے اُن دنون چلی اُس نے
بھی دنیا اور خاصۃً ہندوستان اور انگلینڈ کو کسی معمولی مصیبت مین مبتلا نہین کیا -
اسی ذیل مین جنگ و پیکار کے اُس خونبار طوفان کو بھی دیکھنا چاہیے جو فرانس و
جرمن مین ایک زمانے تک قائم رہا تھا - جن جانبازون نے زمانے کے اس ظلم پر
اپنی جانین قربان کین وہ بھی ایسے تھے کہ بعد والے اُنکے کارنامون کو ہمیشہ سرمایۂ
افتخار قرار دین گے - ان سب سے قطع نظر کرکے اب اس آخری ہنگامے ہی کو دیکھ
لو جو افریقہ مین قائم ہے - اور انگلستان کی سی امن پسند اور صلح جو سلطنت کے
سامنے روز نئی دشواریان پیش کر رہا ہے - جس پُرجوش اولوالعزمی سے ان جنوبی
میدانون مین بھی دونون حریف اپنی عزیز جانین مُلکی آزادی اور قومی عزت کی
نذر کر رہے ہین کچھ تھوڑی قدردانی کی مستحق نہین ہے -

یہ واقعات - یہ کارنامے - یہ فساد اور ہنگامے ہین جو اس جان طلب صدی
کے ہاتھون اسکے جور و ستم - اسکی سرد مہریون - اور اسکی فتنہ پردازیون سے روز بروز

ظاہر ہوتے رہے - اگرچہ اس قرن اس حصۂ زمانہ کی ستم شعاریوں اور جفاکاریوں
کی یہ ایک نہایت ہی ناکمل فہرست ہے - صدہا اور بھی ایسے واقعات ملین گے جنھون
نے معزز و پُرجوش قومون کے قابل قدر فرزندون اور دنیا کی پُرحمیت اولاد کو جو
بڑے نازون اور خدا جانے کن کن آرزوون اور تمناؤن سے پلی تھی - انتہا سے
زیادہ بیرحمی و قساوت کے ساتھ خون مین نہلا نہلا کے خاک پر لٹا یا - ذرا خیال کو وسعت
دو - نظر کو محدود دائرے سے نکال کے دُور تک لیجاؤ - تو عجب عجب حسرتناک سین
نظر آئین گے - صدہا گھر بیچراغ - ہزارہا خاندان بے والی وارث - بہت سی نوعمر
لڑکیان بیوہ - اور خدا جانے کتنے لڑکے یتیم ہو گئے ہونگے - کہین بیٹا باپ کی شریفانہ
شہادت پر - کہین باپ بیٹے کی نوعمری کی موت پر - کہین بھائی بھائی سے چھٹنے پر
کہین تنہا بیاہ والی کی دل خون کرنے والی بیوگی پر - اور کہین دیکھو گے کہ سارا خاندان
کسی ہمدرد عزیز دوست پر رُو رُو کے خون کے آنسو بہا رہا ہے - اور ہر طرف ماتم کدے
آباد ہین -

یہ پُرسوز و گداز سینے - یہ حسرت بھرے دل - یہ خونبار آنکھین - اور ایسے آتشِ
دُرون کی لپک سے بھُننے والے ہونٹھ ہین جن کا صبر اسی صدی کی جان پر پڑیگا -
ایسی صورت مین کیونکر ممکن ہے کہ زبان شکایت سے آشنا نہ ہو؟ اور ہم اُسی صبر و
شکر - اُسی ضبط و متانت - اور اُسی رضا و تسلیم سے اسے رخصت کرین جس طرح
کہ اپنے کسی ہمدرد عزیز - اور عزیز دوست کو رخصت کیا کرتے ہین - لیکن ہان ایک
صورت ہے - وہ یہ ہے کہ ستم زدہ دلون کے بہلاتے اور پُردرد سینون مین کینہ و عداوت
کی جو آگ بھڑک رہی ہے اُسکے دبانے کے لیے ہم حسرتناک واقعات کو چھوڑ کے اُن
اُمور کا تذکرہ شروع کر دین جن کے لحاظ سے یہ صدی شکریے کی مستحق ہے - اس طریقے
سے قطع نظر اسکے کہ اس صدی کی رخصت کے لیے ایک اچھا جلوس تیار کر لین اسکے
طرز عمل پر بہت عمدہ اور صحیح ریویو بھی دے سکین گے -

سچ تو یون ہے کہ بلحاظ دنیاوی ترقیون کے جیسی یہ صدی تھی ویسا کوئی زمانہ
آج تک انسان کو نصیب نہین ہوا - حکمرانی اور تاجداری کے انقلابات کو دم بھر کے
لیے چھوڑ دیجیے تو معلوم ہوگا کہ ان سو سال مین دنیا کس قدر آگے بڑھ آئی ہے -

اگر الیگری[۵] کی زبان اختیار کی جائے تو یوں کہنا چاہیے کہ تہذیب و تمدن ایک ناپیداکنار اور لا انتہا سی سڑک ہے جس پر دنیا کسی نہ تھکنے والے رہ نورد کی طرح برابر قدم مارتی چلی جاتی ہے۔ اور زمانہ رہبر یا ساربان ہے جو لیے جاتا ہو۔ منزل مقصود کا تو آج تک پتہ نہ لگا۔ بلکہ شبہہ یہ ہے کہ کہیں ہے بھی یا نہیں۔ مگر ہاں ایک عجب دلچسپی کے ساتھ یہ سفر طے ہو رہا ہے۔ اور جب مسافت جلدی طے ہونے لگتی ہے تو سمجھا جاتا ہے کہ دنیا کو اپنے اغراض میں زیادہ کامیابی ہوئی۔ اگر اس حیثیت سے دیکھا جائے تو اس صدی سے بہتر زیادہ تیز رو اور زیادہ سفر کرانے والا کوئی رہبر آج تک دنیا کو نہیں نصیب ہوا تھا۔ چند روز میں ترقی کی رفتار اتنی تیز ہوئی کہ اتنا سفر شاید دنیا نے اپنی پوری عمر میں نہ طے کیا ہوگا جتنا ان سو سال میں پورا کر لیا۔ اگلی صدیاں اس ناواقف کار ساربان کی حیثیت رکھتی تھیں جو قافلے کے سب سے اگلے اونٹ کی مہار ہاتھ میں لیے ہو۔ اور موجودہ صدی خود اپنی ہی ایجادوں کے کے لحاظ سے اس یکتائے روزگار انجن ڈرائیور کی شان رکھتی ہے جو اپنی ٹرین کو فی گھنٹہ ساٹھ میل سے بھی زیادہ کی مسافت طے کرائے جائے۔

آج ہم ایک دوسرے کو ایک گھڑی میں اپنے حالات سے مطلع کر سکتے۔ جس صبح وطن کی یاد میں کبھی برسوں ایڑیاں رگڑا کرتے تھے اسے گھڑیوں میں دیکھ سکتے ہیں۔ جن عزیزوں اور دوستوں کی صورت دیکھنے کو مدتوں ترسا کرتے تھے اُن سے چند گھنٹوں میں جا کے مل سکتے ہیں۔ ممالک کے باہمی رشتے قائم ہو گئے۔ قومی اعضا جدا جدا بکھرے پڑے تھے۔ اب اس طرح مجتمع ہو کے جُڑ گئے ہیں کہ گھڑی گھڑی ایک کی دوسرے کو خبر ہوتی رہتی ہے۔ انسانی اخوت کا جوش و خروش کبھی اتنا نہیں نظر آ سکا تھا جتنا کہ اب نظر آتا ہے۔

آج یہ اسی انیسویں صدی کی برکت ہے کہ مشرق کے قحط زدوں کو مغرب

---

۵ جن قصوں اور مضامین میں بعض اوصاف اور خیالی چیزوں کو مشخص کر کے اسی طرح بیان کرتے ہیں جس طرح کسی انسان کا حال بیان کرتے ہوں ان قصوں اور مضامین کو انگریزی میں الیگری کہتے ہیں۔ انشا پردازی کی یہ ایک خاص اور نہایت دلچسپ شان ہے۔ اردو میں مولوی محمد حسین صاحب آزاد کی کتاب نیرنگ خیال اس قسم کے مضامین کا مکمل نمونہ ہے۔

والون سے مدد ملتی ہے اور مغرب والون کی ہمدردی مین مشرق سے چندہ جاتا ہے۔

امام غزالی اپنے حلقۂ درس مین ایک مغربی افریقیہ کے طالب علم کو دیکھ کر بہت متحیر ہوے تھے۔ اور اُس زمانے کے لحاظ سے واقعی یہ تھوڑی حیرت کی بات نہ تھی۔ اگرچہ اسلام نے اپنی ترقی کے دَور مین بھی بہت سے راستے کھول دیے تھے۔ اگر اُندلس مین دمشق و بغداد سے پیلے سندھ تک کے سپاہی تھے تو ہندوستان مین غرناطہ و قرطبہ کے سیاح۔ مگر یہ بات کہان تھی کہ ادنی ادنی سی ضرورتون پر چین کی فوجین امریکہ و افریقیہ مین اور انگلستان کے رسالے جزائرِ چین مین جا پہونچین؟ یہ اسی آخری دَور اور اسی اُنیسوین صدی کی برکت ہے کہ انسان دنیا کے ہر کونے مین پہونچ گیا۔ اور سارے سمندر کھنگال ڈالے۔ کوئی افریقیہ کے ناپیدا کنار ریگزار اور جلتی بھوبل کو ناپتا چلا جاتا ہے اور کوئی قطب شمالی کی برف پر جا رہا ہے کہ وہان کے عجیب و غریب منظر کا تماشا دیکھے۔

اس صدی کے دونون رُخ ہم نے دکھا دیئے۔ جنکے ملاحظہ کے بعد صحیح طور پر اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ آیا یہ دُنیا والون کے حق مین خدا کا غضب تھی یا اُسکی رحمت؟ اگر تعصب کو چھوڑ دیجیے اور اپنے ذاتی صدمات کو گھڑی بھر کے لیے بھول جایئے تو بیشک تسلیم کرنا پڑے گا کہ دُنیا کا یہ آخری دَور رحمت ہی رحمت تھا۔ جن خونریزیون اور قتل و خون کے حالات کو ہم اوپر بیان کر آئے کم و بیش ہر زمانے مین اور ہر صدی کے ہاتھون ظاہر ہوے۔ ملک گیری و فتحمندی کے جھگڑے۔ انسانی خود غرضی کے نمونے۔ اپنی ایک محض خیالی عزت پر پوری قومون کو قربان کر دینے۔ اپنے حقیر و ذلیل منافع پر دنیا کے بڑے بڑے آباد ملکون کے تباہ کر دینے کا سلسلہ ہمیشہ رہا اور یقین ہے کہ ہمیشہ رہے گا۔ اتنے دنون کے تجربے نے ہمین یقین دلا دیا ہے کہ انسان اور حیثیتون سے چاہے کتنا ہی مہذب ہو جائے مگر اتنی انسانیت اُس مین کبھی نہ آئیگی کہ اپنے اغراض کے مقابل دوسرون کے حقوق کا بھی کچھ لحاظ کرے اور اپنی عزت کے مقابل مین دوسرون کی بھی عزت سمجھے۔

بہرتقدیر یہ باتین ہر دَور مین رہین اور رہتی دنیا تک رہین گی۔ لہذا انکی شکایت ہی بے سود ہے۔ گذشتہ صدیان کیا رحمدل تھین؟ انھون نے کونسی رحمدلی ظاہر کی

تھی کہ ہم خاص انیسوین صدی ہی کو الزام دین - مگر ہان ان باتون کو خیال سے نکال دینے کے بعد اگر ہم اس صدی کی مذکورۂ بالا خوبیون اور برکتون کا لحاظ کرین تو اپنی کامیابیون اور خوش اقبالیون پہ انتہا مسرت حاصل ہوتی ہے - جو برائیان اس مین بتائی جا سکین وہ سب مین تھین اور دنیا کا کوئی دور اُن سے خالی نہ تھا - مگر جو خوبیان ہین وہ اسی کے ساتھ مخصوص ہین -

واقعی اے انیسوین صدی تو ہمارے لیے خدا کی رحمت ہی تھی - تیری شکایتین بہت سی جھوٹی ہین کہ نیونکی طرح مٹ جائین گی - اور نہ بھی مٹتی ہون تو ہمارے چالاک مورخ چند روز مین مٹا دین گے - مگر تیری عمدہ یادگارین ہمیشہ قائم رہین گی - اور انھین کوئی نہین مٹا سکتا -

صاحبو! دلگداز کے مر کے جی اُٹھنے سے نہ گھبراؤ - قیامت کا انتظار کر رہی رہے تھے - ایک مُردے کو اُٹھ بیٹھتے دیکھ کے یہ نہ سمجھو کہ حشر بپا ہو گیا - بلکہ یون سمجھو کہ اس قابل قدر زمانے - اس خیر و خوبی کے دور اور اس اہم صدی کا رخصت ہونا کوئی ایسا معمولی کام نہ تھا کہ دلگداز باوجود خواب مرگ کا لطف اُٹھا چکنے کے کفن چاک کرکے نہ اُٹھ کھڑا ہوتا -

بیسوین صدی

ہر برس کی ابتدا مین یا اُسکے خاتمے پر لوگ زمانے کے معمولی تغیرات کو محسوس کرکے بڑے بڑے مضامین لکھتے اور طرح طرح کے خیالات ظاہر کرتے ہین - برس یا آفتاب کے گرد زمین کا ایک پورا دورہ ہر قسم کے سامان اہل عالم کو دکھا دیا کرتا ہے - اُس مین خوشیان بھی ہوتی ہین اور غم بھی ہوتے ہین - عیدین بھی آتی ہین اور محرم کے حسرتناک دنون سے بھی سابقہ پڑتا ہے - فکرون اور پریشانیون کی گھڑیان بھی آتی ہین اور اطمینان و فارغ البالی کی ساعتین بھی آ کے لطف دکھاتی ہین - لیکن بجز اُن اتفاقی و ناگہانی آفتون کے جو ہمیشہ بے خبر کے مرگ مفاجات کی طرح آ جاتی ہین - یا اُن خوشیون کے جنھین محض اتفاقی ہونے کی وجہ سے انسان نعمت غیر مترقبہ خیال کرتا ہے عام معاملات مین ہمیشہ یہ خیال رہتا ہے کہ بارہ مہینے کے بعد پھر یہی اور ایسا ہی اچھا یا برا دن نصیب

ہوگیا - اگرچہ بعض سن رسیدہ موت کی گھڑی سے ڈرنے والے اکثر کہہ اٹھتے ہیں ع
تا سال دگر کسے کہ خورد و زندہ کہ ماند * مگر پھر بھی انھیں زندگی اور اس منظر کے دوبارہ
دیکھنے کی ایک حد تک اُمید ضرور ہوتی ہے - اور اسی امید کے سہارے پر ہم بھی ہر شروع
سال کے وقت یا ہر برس کے ختم ہونے کے زمانے میں آیندہ کے لیے بہت کچھ اُمیدیں ظاہر
کر دیا کرتے ہیں - مگر افسوس فی الحال اس موقع پر یا یوں کہیے کہ ۱۹۰۰ء کے خاتمے
پر ایسا انقلاب عظیم نظر آتا ہے اور زمانہ قدرت کے ایسے کھیل کھلاتا ہے کہ ایک ایسے تغیر
کا سامان دکھا رہا ہے جسکے بعد پھر ایسی فطرتی دیکھنے کی کسی کو اُمید نہیں ہوسکتی - کون
کہہ سکتا ہے کہ اُسے بیسویں صدی کا آغاز دیکھ کے پھر اکیسویں صدی کا آغاز بھی دیکھنا
نصیب ہوگا؟

یہ صدی جس وقت ختم ہوگی اُس وقت ہماری ہڈیاں بھی خاک ہو چکی ہونگی - قبروں
کے نشان بھی خدا جانے موجود ہوں یا نہ ہوں - جانتے ہیں کہ نسل انسانی جس طرح
آج ہے اُسی طرح اُس وقت بھی ہوگی - مگر اُس وقت نسل انسانی نے کس قدر ترقی کی ہوگی؟
اور ایجاد و اختراع کی سحر نمائیاں اُس وقت کیا کیا اور کیسے کیسے کرشمے دکھا رہی ہونگی؟
اسے کوئی نہیں جانتا - انسانی زندگی برسوں سے وابستہ ہے - صدیوں کے ساتھ
قوموں کی زندگی وابستہ ہوا کرتی ہے - صدی کی ابتدا اور انتہا پر یہ خبر دیکھنا اور غور
کرنے کے قابل ہوتی ہے کہ کس قوم نے کتنی ترقی کی؟ اور کون قوم تباہ ہوئی؟ کس
گروہ کو نیا نیا عروج حاصل ہوا - اور کن جماعتوں کا زور و شور اور دور دورہ دامن
فنا میں آگیا -

جس صدی کے حدود میں ہم نے اس وقت قدم رکھا ہے اُسکے حالات اور انقلابات
کا اندازہ کرنا ہو تو ہمیں گذشتہ صدی کے کارناموں پر نظر ڈالنی چاہیے - ان پچیس تیس
کرور آدمیوں میں جو ہندوستان میں آباد ہیں کتنے ہیں جو کہہ سکتے ہوں کہ انھوں نے
اُنیسویں صدی کے شروع ہونے کا سامان اسی طرح دیکھا تھا جس طرح ہم نے بیسویں صدی
کی آمد کو دیکھا ہے - میں جانتا ہوں کہ شاید ایک بھی نہ ہوگا - اور اگر بالفرض کوئی
پیر فانی مل بھی جائے اور دعوی بھی کر بیٹھے تو اُسکے ہوش و حواس ایسے صحیح نہ رہے
ہونگے کہ ہم اُسکی باتوں کا اعتبار کرسکیں -

اگر محض واقعات دریافت کرنے کے لیے ہمیں کسی زندہ انسان کی ضرورت نہین - تاریخین ہمارے ہاتھ مین ہین جن کے صفحات گذشتہ تمام صدیون کے مرقعے بنے ہوے ہین - انھین صفحون پر ہم محمد شاہ بادشاہِ دہلی کو دیکھین گے جو اس صدی کے آغاز مین دہلی کے تخت پر بیٹھا ہوا ہے - سلطنت مین اگرچہ بدنظمی ہے مگر ہر جگہ اُسکے نام کی عزت کیجاتی ہے - اگرچہ اپنا تاج سنبھالنے کی اُس مین طاقت نہین مگر بادشاہ بنانا اور تاج بخشی کرنا اُس کا بہت آسان کام ہے - لیکن خاتمے پر ہمین کچھ اور ہی نظر آتا ہے - دانایان مغرب سارے سوادِ ہند پر حکمران ہین - آزادی و علم کے ہر طرف ڈنکے بج رہے ہین - اور گویا یہ دنیا ہی دوسری ہے -

اُنیسوین صدی کی ابتدا مین ہم دیکھ رہے ہین کہ راستے پُر خطر ہین - ٹھگون اور ڈاکوؤن کا خوف ہے - کچی اور خراب سڑکون پر تاجرون کے قافلے اور امرا و سرداران فوج کی سواریان بڑی مشکلون اور زحمتون سے گذر رہی ہین - لوگ رتھون - بہلیون - اور چھکڑون پر سوار ہین - آہستہ آہستہ اور زمین ناپتے ہوے جاتے ہین - اور ایک صوبے سے دوسرے صوبے مین ایک مدت کی بادیہ پیمائی و صحرا نوردی کے بعد پہونچتے ہین - مگر اب ہم دیکھتے ہین کہ سڑکین مضبوط اور پختہ بن گئین - انسان نے اپنی راحت کے لیے وہ سامان فراہم کر لیا جو اس سے پیشتر دنیا اپنی پوری عمر مین نہین ہم پہونچا سکی تھی - شکرمون اور اونٹون کے عوض ریلوے ٹرینین ہین جو تختِ سلیمان کی طرح ہوا پر اُڑتی نہین تو ہوا سے باتین کرتی ہوئی چلی جاتی ہین - اور جس راستے کو انسان ہفتون مین طے کرتا تھا دنون مین اور برسون کے راستے کو گھنٹون مین طے کر رہا ہے - جس دشواری سے اس گذشتہ صدی کے ابتدائی عہد مین ہم ایک صوبے سے دوسرے مین پہونچتے تھے اُس سے بدرجہا زیادہ آسانی کے ساتھ آج ہم دنیا کے ایک کونے سے دوسرے کونے مین پہونچ سکتے ہین - یا یون کہیے کہ کرۂ زمین کے گرد چکر لگا آتے ہین -

کاش حضرت مسیح کی طرح کوئی خدا کا مقبول بندہ اس زمانے مین بھی کسی اُنیسوین صدی کے پہلے دس سال کے اندر مرے ہوے شخص کو زندہ کر کے اُٹھا بٹھاتا تو آپ دیکھتے اور اُسکی حیرت و حالت سے آپ کو کچھ پتہ لگ سکتا کہ اُس صدی نے ہندوستان کو کیا سے کیا بنا دیا - افسوس اُس وقت کے پُرانے بڈھون کا موجود نہ ہونا درکنار اب تو

وہ لوگ بھی خاک مین مل گئے جو سلطنتِ اودھ کے انتزاع کے بعد شب و روز نوابی و بادشاہی کے انتظار مین زندگی بسر کیا کرتے تھے۔

سنہ۱۸۰۱ء مین جس کسی نے جان دی ہو اُسے زندہ کرکے اگر سنہ۱۹۰۱ء کا تماشا دکھایا جاتا تو واقعی وہ مجنون ہو جاتا کہ یہ وہی ہندوستانی لوگ ہین یا کوئی اور قوم آکے آباد ہوگئی ہے۔ وہ پُرانی قبائین اور عبائین۔ پیچھے دار ورباری پگڑیان اور چپکنین سب تشریف لے گئین۔ اور لوگ خدا جانے کس ملک کا لباس پہنے ہوے ہین۔ زبان بھی وہ نہین رہی۔ لہجے اور محاورات کا بدلنا درکنار ایسے نئے اور عجیب و غریب لفظ زبان مین شامل ہوگئے ہین جو کسی طرح اُردو سے جوڑ ہی نہین کھاتے۔

بس یہی حالت اُس شخص کی بھی ہوگی جو انقلاباتِ زمانہ کا تماشا دکھانے کے لیے بچا لیا جائے اور اس عہد کی حالت دیکھے جب سنہ۲۰۰۱ء ہو۔ سنہ۱۰۰۰ء کے خاتمے پر سیحی دنیا مین لوگون کو قیامت کا یقین ہوگیا تھا۔ اور عموماً عیسائی جانتے تھے کہ ولادتِ مسیح کو پورے ایک ہزار برس گذرتے ہی حشر برپا ہو جائیگا۔ اور مُردے قبرون سے نکل کھڑے ہونگے۔ مگر اب دو ہزار برس پورے ہونے پر قیامت کا خیال پیدا ہونا درکنار کوئی تعجب نہین کہ انسان اپنی صنعتون پر فخر اور اپنے کمالون پر ناز کرتے کرتے خود خدائی کا دعوے نہ کر بیٹھے۔

بیشک اگر آج انسان ہوا کی طرح تیز روی سے سفر کرتا ہے تو ایک سو برس بعد فضاے عالم مین اُڑتا پھرتا ہوگا۔ اگر آج آتش باری سے حریف کی فوجون کو تباہ کر دیتا ہے تو ایک صدی بعد برقی قوت کی مدد سے حریف کے ملک کو جلا کے تہ و بالا اور خاک سیاہ کر سکے گا۔

سب سے زیادہ ہمین یہ دیکھنا ہے کہ اُسوقت دلگداز بھی ہوگا یا نہین۔ شاید ہو۔ لیکن ہوا بھی تو ہمین کیا۔ اس لیے کہ نہ ہم ہونگے اور نہ ہمارے ناظرین۔ شاید اُس وقت ہندوستان مین ایسے ایسے بہت سے کامیاب اور مقبولِ عام رسالے نکل رہے ہون جن کے سامنے دلگداز کی کچھ اصل و حقیقت نہین۔ مگر نہین۔ یہ کہنے کو ہمارا جی نہین چاہتا۔ ہم اُمید کرتے ہین کہ یہی دلگداز ہوگا۔ مگر زمانے کی رفتار کے ساتھ بدلتا اور ترقی کرتا ہوا۔ اور غالباً ناظرین کے لیے یہ مژدہ بہت پسندیدہ ہوگا کہ اُسوقت

یہ آپ کا مقبول پرچہ پوری طرح پابندی اوقات اور استقلال سے نکلتا ہوگا۔

یکے ہمی رود و دیگرے ہمی آید

دوستو! ۱۹۰۴ء گیا۔ اور ۱۹۰۵ء آیا۔ جانے والا اگر برا تھا تو بھی اس کا ذکر خیر سے کرو۔ اور آنے والے کے تیور اچھے نہ نظر آئیں تو بھی اسے صبر و شکر سے قبول کرو۔ خوب یاد رکھو کہ خدا نے جتنی چیزوں کو دنیا میں بھیجا ہے اُن میں سے کوئی نہ بالکل بُری ہے اور نہ بالکل اچھی ہے۔ انصاف اور جستجو کی نگاہ سے دیکھو تو بُروں میں صدہا خوبیاں ہیں اور اچھوں میں صدہا عیوب ہیں۔ خیر محض خدا کی ذات منزہ ہے اور شر محض شیطان ہو تو ہو۔ مگر ہمیں تو اُس میں بھی بعض قابل قدر اوصاف نظر آجاتے ہیں۔ تاہم اسوقت اس بات کا موقع ضرور ہے کہ دل میں کوئی چوٹ لگی ہو تو ۱۹۰۴ء کا نام لے کے رو لو۔ اور کوئی تازہ لطف نصیب ہوا ہو تو ۱۹۰۵ء کا نام لے کے خوشیاں مناؤ۔

لوگوں کے اختلاف مذاق نے اس مسئلے میں بھی اختلاف ڈال دیا ہے کہ دنیا میں خوشی زیادہ ہے یا غم؟ جن کی مزے میں گذرتی ہے وہ کہتے ہیں کہ خوشیوں کا پلہ بھاری ہے۔ اور جو حرمان نصیبی و مصیبت میں مبتلا ہیں کہتے ہیں کہ دنیا میں رنج والم کے سوا کچھ ہئی نہیں۔ مگر یہ گھڑی دونوں مذاق والوں کے لیے مناسب ہے۔ خوشی کے ترانے گانے والے ۱۹۰۵ء کے پُر اُمید سید ان میں خوشیاں مناتے اور نغمۂ مبارک باد گاتے ہوے قدم رکھیں۔ اور غم کی جان کو رونے والے ۱۹۰۴ء کے جنازے پر کھڑے ہو کے ماتم کریں۔

انقلاب سال اگر سچ پوچھیے تو کوئی خوشی کی چیز نہیں ہے۔ جانیوالا سال ہماری زندگی کا ایک قیمتی برس ہم سے چھین لیجاتا ہے۔ جسکے چھین جانے کے بعد ہم سمجھتے اور پچھتاتے ہیں کہ افسوس اتنے زمانے میں ایسے ایسے کام ہو سکتے تھے اور ہم نے کچھ نہ کیا۔ اور آنے والا برس آکے نوٹس دیتا ہے کہ موت سے اب تم ایک برس اور قریب پہونچ گئے۔

لیکن ہم نے اسکو اپنی طفلانہ مزاجی سے ایک خوشی کی تقریب بنا لیا ہے۔ ہم

نئے سال پر ایک دوسرے کو مبارکباد دیتے ہیں۔ اور برس کے پہلے دن کو اپنی زندگی میں ایک خوش نصیبی و مسرت کا دن تصور کرتے ہیں۔ ہمارے امرا زندگی کا ہر نیا سال شروع ہونے پر دھوم دھام سے سالگرہیں کرتے ہیں اور لاڈ پیار کے کرشموں نے انھیں اور زیادہ چمکا دیا ہے۔ لیکن غور سے دیکھا جائے تو ان تقریبوں کو بچپن کے ناعاقبت اندیشانہ کھیلوں سے زیادہ وقعت نہیں۔ یورپ میں معمول ہے کہ عورتیں طرح طرح کے کھلونے اور مٹھائیاں کرسمس کے دن سے پہلے رات کو بچوں کے سرہانے رکھ دیتی ہیں اور صبح کو بچوں سے کہتی ہیں کہ یہ تحفہ فادر کرسمس یعنی کرسمس بابا تمھیں دے گئے ہیں۔ جسکی صورت اُنکی نظر میں ایک مقدس معمّر بزرگ کی ہوتی ہے۔ یہی حال ہمارے طفلانہ مزاج بوڑھوں کا ہے جو نئے سال کے موقع پر خوشیاں مناتے ہیں۔

بچہ ان ارمانوں میں رہا کرتا ہے کہ ہاتھ پاؤں نکال کے بڑے دن میں مل جائے۔ جوان شباب کے پُر آرزو اور پُر حوصلہ خیالوں اور طرح طرح کی ہوسوں میں اس قدر پھنسا ہوتا ہے کہ اُسے خیال بھی نہیں آتا کہ زمانے کا بازیگر انھیں برسوں کے ایر پھیر سے اُس کی زندگی کی مغتنم گھڑیاں کس بے دردی سے غائب کرتا جاتا ہے مگر بڈھا جب اُن ہوسوں اور ولولوں کا زور ٹوٹتا ہے تو کچھ سمجھتا ہے۔ اپنے نقصان پر اُسکی نظر پڑتی ہے۔ اور جب دیکھتا ہے کہ کوئی علاج سودمند نہیں ہو سکتا اور سنین کی یہ دست بُرد کسی طرح روکے نہیں رُک سکتی تو عجب مایوسی کی شان سے خاموش ہو جاتا ہے۔

لہذا سچ یہ ہے کہ جو عالم میں خوشیاں زیادہ پاتے ہیں بچے ہیں اور جنھیں اس تیرہ خاکدانِ عنصری میں مصیبتیں زیادہ نظر آتی ہیں بوڑھے ہیں۔ اور اس ترتیب کو اگر ہم موجودہ ساعت سے لاکے وابستہ کریں تو کہہ سکتے ہیں اور غالباً یہی زیادہ تر صحیح بھی ہوگا کہ بچے خوشیاں منائیں کہ سنہ ۱۹۰۵ء آیا۔ اور بوڑھے خون کے آنسو بہائیں کہ سنہ ۱۹۰۴ء گیا اور بڑی قیمتی چیز ہم سے چھین لے گیا۔

مذہب اور خاصۃً اسلام نے نجوم کا اثر مٹا دیا۔ اب اپنی تعلیمات دینی کے مطابق ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ ہمارے معاملات۔ ہماری فلاح و بہبود۔ یا ہماری

جو ہماں نصیبی و بدبختی میں زمانے یا حرکت فلکی کو کچھ دخل ہے - مگر پرانے خیالات اور اگلی ضعیف الاعتقادیوں کا اتنا اثر باقی ہے کہ ہم اپنے - اپنی قوم - اپنے ملک یا اپنے ہی نوع کے حالات بیان کرتے ہیں اور انھیں زمانے یا اس گذشتہ سال کے حالات خیال کرتے ہیں - اپنی گذشتہ کامیابیوں کو یاد کرکے خوش ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ سال اچھا تھا - اپنی پریشان حالیوں اور مصیبتوں کو یاد کرکے رنجیدہ ہیں اور شکایت کرتے ہیں کہ یہ سال برا تھا -

سچ یہ ہے کہ سال نہ برا تھا نہ بھلا حقیقۃً اگر برے تھے تو ہم تھے اور بھلے تھے تو ہم تھے - پھر بھی دل کو بھلاوے دینے کے لیے مزے مزے کی امیدوں اور اچھی اچھی آرزوؤں کے خواب دیکھتے ہیں اور فرض کیے لیتے ہیں کہ انجام میں چاہے عمر کی کتنی ہی کمی ہو جائے مگر یہ سال ہم سب کے حق میں مبارک اور اچھا ہی ہوگا - لہذا دوستو! آؤ ہم تمھیں مبارکباد دیں اور تم ہمیں مبارکباد دو -

اور بیشک اس موقع پر اس لحاظ سے ضرور مبارکباد دے لینا چاہیے - کسے خبر ہے کہ پارسال اس موقع پر کون دنیا میں ہوگا اور کون نہ ہوگا - ؏

تا سال دگر کہ خورد و زندہ کہ ماند

افسوس ہمارے بہت سے دوست جن کی تحریریں ہماری نظر کے سامنے ہیں جن کی تصویریں ہماری آنکھوں میں پھر رہی ہیں یونہیں رخصت ہوتے چلے گئے - اور نئے سال کے شروع پر جب مبارکباد دینے کا وقت آیا تو اُن کا خیال آتے ہی بجائے خوشی منانے کے یہی جی چاہا کہ اُنکی یاد میں بزم ماتم مرتب کر دیں -

(ہماری حالت)

ولگداز نے تو زمانے سے لڑ لڑکے اور ان نہ چوکنے والے برسوں کو دھوکے دے دے کے اپنی بےحیائی کی زندگی بچالی - ٹھوکریں کھا کھا کے سنبھلا - گر گر کے اُٹھا - اور مر مر کے جیا - بحر فنا کی موجوں سے لڑتا ہی رہا - کبھی بھنور میں پڑکے ڈوبا - مگر پھر ہاتھ پاؤں مار کے اُبھرا - اور اُن لوگوں کو جنھیں یاس ہو چکی تھی اور جو اسکے حق میں فاتحہ خیر پڑھ چکے تھے پھر اپنی صورت دکھا دی - مگر افسوس - اُن پیاری صورتوں پر جو ہمت سی نہیں نظر آتیں اور ہمیشہ کے لیے غائب ہو گئیں جن کی

نگاہیں اس سے لگی رہتی تھیں - اور اُن امواج مضامین بھی اسے ڈھونڈھا کرتی تھیں
اس مین شک نہین کہ زمانہ بہت آگے بڑھ آیا - اور اُردو انشا پردازی نے بہت
کچھ عروج حاصل کر لیا - مگر الحمدللہ کہ جو چیز دلگداز کے لیے خاص تھی وہ اب بھی اُسی کے
دم سے وابستہ ہے - اِدھر آخری چند پرچون کو ہماری بیماری نے پھیکا رکھا - مگر پھر بھی
جس خاص صفت کے لحاظ سے قدردانون نے دلگداز کو سند قبول عطا فرمائی تھی اُس
صفت کو اب بھی وہ سوا اسکے صفحون کے اور کہین نہین پاتے - گو اب متعدد رسالے
نکل رہے ہین جن مین اوراق بھی اس سے زیادہ ہین - اُنکا پیانہ بھی اس سے
بڑا ہے - چھپائی وغیرہ بھی اچھی ہے - مگر اُن مین ہندوستان کے مختلف انشاپردازون
کے مضامین درج ہونے سے یکرنگی و وضعداری نہین پیدا ہونے پاتی - اور نہ
پیدا ہو سکتی ہے - بخلاف اُنکے دلگداز ایک خاص وضع اور خاص لٹریچر کا
نمونہ ہے - اُس کا زیادہ حصہ خاص ایڈیٹر کے قلم کا لکھا ہوا ہوتا ہے - اور بہت
کم کسی اور کے مضامین شایع کیے جاتے ہین - اور جو شایع کیے جاتے ہین تو
اُن مین بھی ایک خاص قسم کی شان کا لحاظ رکھا جاتا ہے - بہر تقدیر دلگداز
جس رنگ - جس وضع - اور جس شان کا پرچہ ہے اکیلا ہے - اور اپنی ضرورت
کو آپ ہی پورا کیا کرتا ہے -

(ہمارا آیندہ مذاق)

سنہ ۱۹۰۶ء اور سنہ ۱۹۰۶ء کے پرچون مین کوشش کی گئی تھی کہ اُردو انشاپردازی
کے لٹریری ہیروز یعنی اُن لوگون کے حالات تفصیل و توضیح سے بیان کیے جائین
جن کے نام خاص خاص اوصاف کے ساتھ شہرت رکھنے کے باعث اُردو انشا
پردازی مین اکثر مستعمل ہوتے ہین - اِس قسم کے لوگون کے واقعات جستہ جستہ
مختلف نمبرون مین نہایت عمدگی سے بیان کیے گئے - عاشق عرب مجنون عامری -
فیاض عرب حاتم طائی - نقاش عجم مانی - اور بہت سے یونانی حکیمون اور فلسفیون
کے حالات دلگداز کے صفحون پر لکھے جا چکے ہین - جن کو اکثر قدردانون نے بہت
پسند فرمایا - اب ہم پھر اس سلسلے کو شروع کرین گے - اور امید ہے کہ یہ سلسلہ
اُردو لٹریچر کے حق مین بہت کچھ مفید ثابت ہو گا - یونانی حکیمون اور طبیبون کے

حالات معلوم ہونے کی اردو انشا پردازون کو بے انتہا ضرورت ہے۔ کیونکہ اُنکے نام وقتاً فوقتاً لیے جاتے ہین۔ اور کچھ ایسی مقبولیت رکھتے ہین کہ ہزارہا دفعہ ذکر آ چکنے کے بعد بھی پرانے نہین ہوتے۔ اسی سبب سے اس نمبر مین ہم جالینوس کے حالات بیان کرتے ہین جو قوم یونان کا آخری طبیب ہے۔ اور ایسا ہے کہ تمام ماسبق طبیبون پر ترجیح رکھتا ہے۔ ہمارے عوام بلکہ بہت سے خواص بھی جالینوس کا نام تو ہزارہا مرتبہ سُن چکے ہونگے اور صدہا مرتبہ خود اُنکی زبان پر آیا ہوگا۔ مگر اس بات کو بہت کم لوگ جانتے ہونگے کہ جالینوس تھا کون؟ کب تھا؟ کس پائے کا شخص تھا؟ اور اُس مین وہ کون سی چیز تھی جسکی وجہ سے اس قدر مقبول عام ہوگیا؟

اسی کے ساتھ ساتھ اس بات کی بھی اب ضرورت معلوم ہوتی ہے کہ دلگداز مین تاریخی مذاق کسی قدر بڑھا دیا جائے۔ کیونکہ ملک و قوم مین بھی یہ مذاق اب بڑھتا جاتا ہے۔ شاید مناسب ہوگا کہ اُن خیالی مضامین کا سلسلہ ایک اعتدال کے ساتھ کم کر دیا جائے جن کو دلگداز کے ساتھ بہت کچھ خصوصیت رہی ہے اگرچہ بعض قدردان احباب اب بھی اُسی قسم کے مضامین زیادہ تر پسند کرتے ہین۔ مگر اہل ذوق کا غالب گروہ اُس محض لفظی خیال آرائی کو اب بے مزہ خیال کرتا ہے۔ سچ یہ ہے کہ ہمین بھی اُسی قسم کے مضامین لکھنے مین زیادہ دشواریان پیش آتی ہین۔ اور جب تک دل و دماغ پریشان خیالی و مختلف ترددات سے خالی نہ ہون اُس قسم کا ایک جملہ لکھنا بھی دشواری سے خالی نہین ہوتا۔ طبیعت کی تھوڑی بدمزگی کی حالت مین بھی ہم اُس قسم کے مضامین لکھنے سے معذور ہو جاتے ہین۔ پھر اس محنت کے مقابل مین جب یہ نظر آتا ہے کہ موجودہ پبلک بھی انکو بے مزہ تصور کرتی ہے تو اور حوصلہ پست ہو جاتا ہے۔ اور بالکل بےموقع معلوم ہونے لگتا ہے کہ بیکار کی زحمت گوارا کرکے ہم ویسے مضامین لکھین جن کا پڑھنا قدردانون کے لیے دردسری سے خالی نہین ہوتا۔ اگرچہ چند اُن احباب کی دلچسپی کے لیے جو اُسی رنگ کے دلدادہ ہین ہم تھوڑا بہت سلسلہ اُن مضامین کا ضرور جاری رکھین گے۔

(ایک نئی قابل غور تجویز)

لیکن تاریخی مضامین کی ضرورت کے لیے دکھیا جائے تو دلگداز کا حصۂ مضامین بالکل ناکافی ہے - صرف سولہ صفحے کی مقدار اس قدر کم ہے کہ کوئی مکمل اور اچھا ایک مضمون بھی تمام و کمال نہین آسکتا - اسکی کوئی تدبیر اس وقت تو ہمارے ہاتھ مین نہین ہے - لیکن اگر ہمارے عام قدردانون نے پسند فرمایا تو اس کا ایک معقول بندوبست اسی سال مین ہو سکتا ہے - وہ یہ کہ دلگداز اسوقت تین جزون پر نکل رہا ہے - ایک جزو مضامین - ایک جزو ناول - اور ایک جزو تاریخ صلیبی غالب اور زیادہ خریدار مکمل پرچہ یعنی تینون جزون کے ہین - اور دو سو کے قریب ایسے خریدار ہین جو تاریخ نہین لیتے اور صرف مضامین و ناول کے اجزا کو اُسی قدیم قیمت یعنی دو روپیہ سالانہ پر لے رہے ہین - یہ تاریخ غالباً اپریل ۱۹۱۶ء کے پرچے مین ختم ہو جائے گی - اُسکے بعد دو ہی باتین ہو سکتی ہین - یا تو یہ کہ موجودہ حالت کے مطابق کسی نئی تاریخ کا سلسلہ شروع کیا جائے - یا یہ کہ وہ تاریخ والا جزو مضامین کے حصے مین ملا دیا جائے - اور اُسوقت سے مضامین عموماً دو جزون پر ہوا کرین - صرف ناول کا ایک جزو علٰحدہ رہا کرے - ہمارے خیال مین پبلک دلچسپی کے لحاظ سے تو زیادہ موزون یہ ہے کہ وہ جزو مضامین کی نذر کر دیا جائے - اور مضامین دو جز یعنی ۳۲ صفحون پر ہوا کرین - جو صاحب صرف مضامین کے دو جز لیا کرین اُن سے دو روپیہ سالانہ قیمت لی جایا کرے اور جو صاحب مع ناول لیا کرین اُن سے تین روپیہ سالانہ قیمت لی جائے - مگر ہمارے ذاتی فائدے اور تاجرانہ منفعت کے لحاظ سے یہ زیادہ سودمند ہے کہ حسب دستور موجودہ کوئی نئی تاریخ شروع کی جائے - تاہم ہم اپنے نفع سے زیادہ پبلک دلچسپی کے خواستگار رہین -

باوجود اسکے ہم بغیر عام رائے طلب کیے اور بغیر اپنے قدردانون کی مرضی دریافت کیے ایسی جراٴت نہین کر سکتے - اسلیے کہ وہ حضرات یقیناً اس تجویز کو پسند فرمائین گے جو دلگداز کا مکمل پرچہ یعنی مع ناول و تاریخ لیتے ہین - لیکن ممکن ہے کہ جو حضرات تاریخ نہین لیتے اور صرف حصہ ہاے مضامین و ناول ہی کی قدردانی فرماتے ہین وہ تین روپے دے کے مکمل پرچہ لینا پسند نہ فرمائین - یا دو روپیہ مین

صرف دو جز مضامین کو نہ قبول کریں اور کہیں کہ ہم ناول ضرور لین گے اور دو روپے سے زیادہ چندہ نہین دے سکتے۔

اسی خیال سے اس موقع پر بکمال ادب التماس ہے کہ دلگداز کے ناظرین اور ہمارے قدر افزا احباب ہمین مطلع فرما دین کہ آیا وہ اس بات کو پسند کرتے ہین کہ موجودہ سلسلۂ تاریخ کے ختم ہونے کے بعد (جس کو زیادہ سے زیادہ چار مہینے کا زمانہ درکار ہوگا) دلگداز کا حصۂ مضامین دو جز کر دیا جائے؟ اور ناول کا ایک جزو بڑھا کے مکمل پرچے کی قیمت تین روپیہ سالانہ رکھی جائے۔ جو حضرات صرف مضامین کو لین اُن سے دو روپیہ قیمت لی جائے۔ اور جو حضرات صرف ناول لینا چاہین اُن سے عہر سالانہ یعنی جو قیمت کہ اب لی جاتی ہے۔ یا اُن کو اس قسم کی ترمیم نہین پسند ہے۔ بلکہ وہ حسب حالت موجودہ یہی فرماتے ہین کہ ایک جزو پر مضامین ہون۔ ایک پر ناول اور ایک پر تاریخ۔ مجھے امید ہے کہ قدر دانان دلگداز اس بارۂ خاص مین ہمین جلد مشورہ دین گے۔ لیکن مشورہ دیتے وقت اس بات کا خیال رکھین کہ جب تک مضامین کے لیے کچھ اوراق نہ بڑھائے جائین گے دلگداز مین لطف نہین پیدا ہو سکتا۔ اُردو رسالون نے جو حالت اب پیدا کر لی ہے اُسکے لحاظ سے حصۂ مضامین کی زیادتی لازمی ہو گئی ہے۔ اور روز بروز زیادہ ضروری ہوتی جاتی ہے۔

لب گور ۱۹۰۵ء

سال حال کو اب سال حال نہ کہنا چاہیے کیونکہ چند ہی روز کا مہمان ہے۔ اب یہ چراغ سحری ہے۔ یا آفتاب لب بام۔ وہ جان بلب مریض ہے جسکے لیے تجہیز و تکفین کا سامان ہو چکا۔ اور پیر فانی ہے جو قبر مین پانون لٹکائے بیٹھا ہے۔ کل اس کا شمار اُن لوگون مین ہوگا جنھین دامن فردا اپنے آغوش مین لے چکا۔ اور جو عزلت کدۂ فنا مین اس طرح چھپ کے بیٹھے ہین کہ صرف نام تو لوح زمانہ پر لکھا رہ گیا مگر خود اُن کا کہین پتہ نہین۔ کل جب یہ گذری ہوئی کل کے دامن مین ہوگا اور ہمین نیوالی کل اپنے آغوش مین لیگی اُسوقت ہم جس طرح گذری ہوئی کہانیان بیان کرنے مین دیگر شنین ماضیہ کا نام لیتے ہیں اُسی طرح اسکا بھی نام لین گے۔

انسان کی سب سے بڑی کمزوری یہ ہے کہ موجودہ ہم صحبتون اور اسوقت کے ساتھ دینے والے رفیقون کی قدر نہین کرتا - اور اُن صحبتون اور دوستون کو حسرت و تاسف سے یاد کرتا ہے جو ساتھ چھوڑ کر چلے گئے - لہذا ہم نے چاہے اس کی موجودگی مین اسکی قدر نہ کی ہو مگر آیندہ قدر کرین گے - یہ ہمین یاد آئیگا - اور چونکہ ابھی نیا نیا داغ جدائی دے کے جا رہا ہے لہذا بار بار یاد آئیگا - اسکے جن کارنامون کی طرف اسکی موجودگی مین ہم نے توجہ نہین کی تھی اُنکی طرف اب توجہ کرین گے - گویا قطع نظری کی ایک زنبیل ہمارے پاس تھی جس مین سال کے ہر واقعے کو رکھتے چلے گئے - اور جس طرح کسی دولتمند مرنیوالے کے بعد اسکا وصیت نامہ کھولا جاتا ہے اُسی طرح اُسکی عمر پوری ہو جانے کے بعد ہم اس زنبیل کو کھولین گے - اور اُسوقت بیساختہ زبان سے نکلیگا کہ افسوس ہم نے اسکی قدر نہ کی -

انسان اور قریب قریب ساری مخلوق کی یہ حالت ہے کہ کوئی نہین جانتا کہ زندگی کا چراغ کب گُل ہوگا اور کس دن فرشتۂ اجل ہمین آزمائش گاہِ دنیا سے باہر نکالے گا - اس قطعی لاعلمی کی وجہ سے انسان کو سخت شکایت ہے کہ وہ ایک تنگ اور تیرہ و تار کوٹھری مین بند کر دیا گیا ہے - بہتون کو کہتے سنا ہوگا کہ اگر یہ معلوم ہوتا کہ موت کس دن آئے گی تو ہم جانے سے پہلے اپنے پسماندون اور دنیا کے کاروبار کا انصرام کر جاتے اور وہان جانے کے لیے بھی بخوبی تیار ہوتے - یہ لاعلمی ہی ہمین غفلت مین رکھتی ہے جسکی گھبراہٹ مین نہ یہان کا کام کرتے بنتی ہے اور نہ وہان کا کام کرتے - غرض یہ کہ کچھ کرتے دھرتے بنتی ہی نہین - لیکن ہم کو تو ایسا نظر آتا ہے کہ یہ صرف ایک بہانہ ہے - کیونکہ اور سب چیزون کے خلاف سال اور برس کی عمر ہمیشہ محدود و معین ہوتی ہے - گو ہم یہ نہین جانتے کہ اس سال کو جھیل جائین گے یا نہین - لیکن اتنا ضرور جانتے ہین کہ یہ برس کتنے دنون تک زندہ رہے گا - یہ اپنے جینے کے دن خدا کی درگاہ سے پوچھ کے آتا ہے اور آنے سے پہلے ہی سب کو گنوا دیا کرتا ہے - جسدن یہ اس صفحۂ ہستی مین آتا ہے اُسی دن ہم بتا دے سکتے ہین کہ فلان دن اور فلان تاریخ کو رخصت ہوگا - پھر اگر میعاد کے معین ہو جانے سے ہمین کسی قسم کا فائدہ پہونچ سکتا یا ہمین کسی

انجام پر نظر ڈالنے کی فکر ہو جاتی تو یہ ممکن نہ تھا کہ ہم اس سے رخصت ہونے کے لیے تیار نہ ہو جاتے۔ اپنا آخری وقت معلوم نہ تھا تو کیا ہوا ان برسوں کے رخصت ہونے کی گھڑی تو بخوبی جانتے تھے؟ مگر نہیں۔ ہم ان کے رخصت کرنے کے لیے بھی باوجود مدتوں پیشتر سے ٹھیک زمانہ جاننے کے ویسے ہی غیر تیار تھے جیسے کہ دنیا کو رخصت کرتے وقت غیر تیار رہا کرتے ہیں۔ جس طرح دنیا چھوڑتے وقت ہم پچھتایا کرتے ہیں کہ ہائے کچھ نہ کیا۔ عمر بھر تضیع اوقات کی اور اب ناکام و نامراد جاتے ہیں۔ اسی طرح ۱۹۰۵ء کو رخصت کرتے وقت پچھتا رہے ہیں کہ افسوس اسکی قیمتی گھڑیوں میں اگر ہم مستعدی سے کام لیتے تو کیا کچھ نہ کر لیتے۔ کاہلی اور سستی میں وقت گذرتا چلا گیا۔ اور ہم نہ سمجھے کہ کتنا بڑا نقصان کر رہے ہیں۔

اگر ہم اپنی ذاتی تکلیفوں اور خاص مصیبتوں سے قطع تعلق کر لیں تو یہ سال جو اب رخصت ہو رہا ہے برا نہ تھا۔ یہی ہمایوں فال سال ہے جس نے ہندوستان کو اپنے وارث تاج و تخت اور اپنی آیندہ ملکہ کا جلوہ دکھایا اور مرتے دم تک ہمیں ایسی خوشیوں اور جشنوں میں مشغول رکھا کہ وفور طرب سے ہمیں اس سے رخصت ہونے کا صدمہ بھی بہت کم محسوس ہوا۔ ایک حیثیت سے دیکھیے تو یہ برس گذشتہ سنین میں سب سے زیادہ عظمت رکھتا ہے۔ اور اس قابل ہے کہ اسکا نام اہل مشرق کے بچے بچے کی زبان پر یاد رہے۔ یہی وہ برس ہے جسنے انتہا درجے کی مایوسیوں کے بعد یکایک ثابت کر دیا کہ گو اہل مشرق کو اولوالعزمان مغرب پامال کیے ڈالتے ہیں مگر پھر بھی مشرق مشرقِ اقبال ہے۔ جاپان کے پہلو سے اس برس نے ثابت کر دیا اور دنیا کو منوا دیا کہ اگر عشرت پرستی کے عیوب نہ ہوں اور جہالت کی نحوست نہ طاری ہو تو ایشیا والے بھی وہی کر سکتے ہیں جو یورپ کے لوگ کر رہے ہیں۔ چلتے چلاتے اسنے ہندوستان میں سودیشی کا ہنگامہ برپا کیا۔ گو یہ مسئلہ ناعاقبت اندیشی کے ایک ایسے جاہلانہ عنوان سے چھیڑا گیا کہ گورنمنٹ کی متانت میں فرق پڑ جانے کا اندیشہ تھا۔ مگر سلطنت نے اس موقعے پر ویسا ہی استقلال دکھایا جیسے استقلال کی اس سے امید تھی۔ اور اگر پولٹیکل اندیشوں کے پہلو نہ باقی رہیں تو پھر اس تحریک سے بہتر کوئی تدبیر ہندوستان کی فلاح و بہبود کی نہیں ہو سکتی۔ شاید بہتوں کے خیال میں

یہ بھی اس سال کی ایک بہت بڑی برکت ہوگی - مگر حقیقت یہ ہے کہ اس تحریک کو ہم ابھی نہ اس سال کے منافع مین شامل کرسکتے ہین اور نہ اسکی مضرتون مین کیونکہ اسکا دارومدار اُن نتائج پر ہے جو کم از کم کئی سال مین ظاہر ہو سکتے ہین اور وہ نتائج دونون پہلو لیے ہوے ہین - ممکن ہے کہ سخت مضر ہون اور ممکن ہے کہ حد سے زیادہ مفید ہون - لہذا ہم اس چیز کو ابھی اس کا ایک ایسا کام خیال کرتے ہین جو معلق ہے -

بہرحال اے جان بلب سنہ حال ہم تجھے خوشی سے رخصت کرتے ہین اور پسند نہین کرتے کہ تجھے رخصت کرتے وقت حرف شکایت زبان سے نکالین - یہ مناسب نہین کہ کسی کے غم مین اُسکی زندگی ہی مین مرثیہ پڑھا جائے - لہذا آیندہ سال کے ابتدائی دور مین جب ہم اُسکی خوشیان منائین گے اور اُسکے استقبال کی طرف متوجہ ہونگے اُسی وقت تیرے فراق کا مرثیہ بھی پڑھ لین گے -

نیا سال اور نئی اُمنگین

لوگ اگلے زمانے سے دنیوی موت کی کیا اچھی تشبیہ دیتے چلے آئے ہین کہ قفس عنصری مین ایک طائر بند تھا - کھڑکی کھلی اور وہ طائر اُڑ گیا اسی طرح سال بسال اس دنیا سے ہزارہا چڑیان اُڑتی چلی جاتی ہین اور پتہ نہین چلتا کہ یہان سے جا کے کس دلکش مقام کو اپنا نشیمن قرار دیتی ہین - بعض اچھی اور پاک روحون کی نسبت معتبر مخبرون سے سُنا ہے کہ اُنھون نے جنت کے درختون کو اپنا مسکن قرار دیا - اور اُس بےغمی کے عالم مین آزادی و بےفکری سے اُڑتی پھرتی ہین - اور اُنھین کے حالات سُنکے ہمین ایسا خیال کرنے کا موقع ملتا ہے کہ ہمارے اکثر مسافر اُسی طرف گئے ہین - اُنھین مسافرون مین اب ۱۹۰۵ء بھی ہے جو یکم جنوری کی صبح کو ہنوز تارے اچھی طرح جھلملانے نہین پائے تھے اور نسیم صحن چمن مین اچھی طرح مست خرامی کی بہار نہین دکھا چکی تھی کہ کسی شوخ ادا معشوقۂ بےوفا کی طرح ایک ہی جھٹکے مین ہمارے ہاتھ سے اپنا دامن چھڑا کے چلا گیا - اور اگر اعمال اچھے ہین تو اسے بھی یقین ہے کہ شاخ طوبیٰ پر اپنا نشیمن بنایا ہوگا -

ہندوستان مین ہم بہت سے لوگون کو اس متوفی مسافر عدم کا شاکی پاتے ہین۔ اور اسی پر کیا منحصر ہے یہ بھی خاندان زمانہ کی ایک نہ بھولنے والی یادگار تھا۔ اور زمانہ وہ ہے کہ جسے ہماری دنیا والے قدیم الایام سے آج تک کوستے ہی رہے۔ ہمپر جتنی آفتین آئین۔ جتنی مصیبتین نازل ہوئین۔ جتنی نا کامیان ہوئین۔ اور جتنے صدمات سے سابقہ پڑا اُن سب کو ہم اسی کی سردمہری اور اسی کی بے رحمی کا نتیجہ خیال کرتے رہے۔ ہم اپنے تمام دشمنون اور تمام ظلم کرنے والون کو بھول گئے اور سب کے مظالم کو اسی کے سر تھوپ دیا۔ اگر کسی دشمن نے ہمین ستایا تو ہم نے بجاے اُسکی شکایت کرنے کے اسی زمانے کا نام لیا۔ اگر کسی ستم شعار نے تیغ ناز کا بھرپور ہاتھ مارا تو ہم اسی زمانے کو کوس کے رہ گئے۔ تمام آفات ارضی وسماوی کو ہم زمانے کی کج ادائیان خیال کرتے رہے۔ اور عشق کی دُنیا مین تیر نگاہ۔ خنجر مژگان اور شمشیر ابرو کو ہم نے زمانے ہی کے جان ستان اسلحہ باور کیا۔

ہمارے ہادی اور ہمارے سچے شارع نے صراحةً و توضیح سے بتا دیا اور ہماری بے اصل بدگمانیون کے روکنے کے لیے خداوند جل وعلا کا یہ ارشاد پکار کے سُنا دیا کہ "لاتسبوا الدہر انا الدہر" (یعنی زمانے کو نہ کوسو۔ مین ہی زمانہ ہون) مگر ہم بھلا کب ماننے والے تھے؟ شاید ظہور اسلام سے پیشتر ہمارے شعرا اور ہمارے انشا پردازون نے زمانے کو اتنا نہ کوسا ہوگا جتنا کہ طلوع نیر اسلام اور اس فرمان واجب الاذعان ربانی کے سُن لینے کے بعد ہم نے زمانے کو بُرا بھلا کہا۔

پھر یہ سنہ ۱۹۰۵ع بھی جب زمانے ہی کی نسل سے ہے اور اُسی کی اولاد مین شمار کیا جاتا ہے تو بھلا کیونکر ممکن تھا کہ اپنے خاندانی ورثے کو نہ پاتا؟ اور اُسی طرح طرح نہ کوسا جاتا جس طرح کہ اسکے آبا و اجداد ہمیشہ کوسے جایا کیے ہین؟ سچ تو یہ ہے کہ اگر ہم گھڑی بھر کے لیے غور کرین تو صاف نظر آجائے کہ دُنیا مین سب سے بڑا مظلوم زمانہ ہے۔ کوئی کسی پر ظلم کرے۔ کسی کے ہاتھ سے کسی کو دُکھ پہونچے نام اسی بدنصیب کا بدنام ہوتا ہے۔ ایک لشکر کو دوسرے لشکر سے شکست ہوتی ہے۔ اور شکست خوردہ فوج کے بقیة السیف لوگ ٹھنڈی سانسین بھر بھر کے کہتے ہین کہ آہ زمانے نے دغا دی۔ ایک جہاز سمندر مین ڈوبتا ہے۔ یا کسی شہر کو زلزلہ۔ سیلاب

آندھی یا قحط تباہ کرتے ہین اور لوگ یہی کہہ کہہ کے روتے ہین کہ افسوس زمانے نے ناسازگاری کی۔ اُس بوڑھے از کار رفتہ باپ کے دامن آرزو سے دست قضا نے جوان اور لائق بیٹے کو چھین لیا۔ اور اُس نوعمر حسینہ کے تمام سُہاگ ظالم بیوگی نے نوعمری ہی کے زمانے مین مٹا دیے۔ مگر دونون اسی زمانے کو گالیان دیتے اور اسی کو اپنا ظالم ستانے والا بتاتے ہین۔

بخلاف اسکے اصلیت یہ ہے کہ زمانے نے دنیا کے ساتھ ہمیشہ اچھا سلوک کیا اور کرتا ہے۔ اور گو جزئی طور پر کسی شخص یا کسی قوم اور کسی ملک کو کسی ذاتی عیب و نقصان کے باعث ضرر پہونچ جاتا ہو مگر مجموعی حیثیت سے دنیا کو ترقی و عروج ہی حاصل ہوتا رہتا ہے۔ سب دیکھ رہے ہین کہ اس گذشتۂ و مرحوم سال کے وقت تک دنیا کس قدر ترقی کر آئی تھی۔ بیشک بعض نازک خیال شعرا اور بعض سادہ مزاج فلسفیون کا خیال ہے کہ انسانی کارگیری نے دنیا کی اچھوتی زمینون کو بھدا اور خراب کر ڈالا۔ مگر اس سے یہ نتیجہ ہرگز نہین نکالا جا سکتا کہ زمانہ ظالم ہے۔ یا اُسکی بے رحمی سے ہمارے اس خاکی وطن کو کسی قسم کا ضرر پہونچ گیا۔ وہ لوگ جو زمانے کو کوستے ہین انتہا درجے کے تنگ خیال ہین۔ تمھین اگر زمانے کی نیکیون اور اُسکے اچھے سلوکون کا اندازہ کرنا ہو تو دیکھو کہ سائنس کا فن جسکے رموز مساعدت زمانہ ہی سے انسان کو حاصل ہوتے ہین کیسے کیسے معجزات دکھا رہا ہے۔ اور اسکی بدولت نوع انسانی کن کن چیزون پر تصرف کر رہی ہے۔ اور کیسے کیسے فائدے اُٹھا رہی ہے۔ ہماری آبادنیا۔ ہماری عمارتین اور صنعتین سب زمانے ہی کی اُستادی کے برکات ہین۔

ہان یہ اختلاف اور بیمہری کرتا ہے۔ مگر صرف اُن لوگون کے ساتھ جو اس سے اختلاف کرتے ہین۔ اور ستاتا ہے مگر اُنھین نافہمون کو جو اسکے منشا کے خلاف اور اُسکے احکام سے انحراف کرنے مین ضد کرتے ہین۔ لہذا جو مٹے اُنھین اس نے نہین مٹایا بلکہ خود اپنے ہاتھون سے مٹ گئے۔ اور جو تباہ ہوے اُنھین اس نے نہین تباہ کیا بلکہ خود اپنے ہاتھون سے تباہ ہوے۔

دنیا کی موجودہ حالت اور خاصۃً ہندوستان کی فی الحال اس امر کا کافی ثبوت دے رہی ہے۔ ہر شخص دیکھ رہا ہے کہ جو محنت کرتے ہین وہ کامیاب ہوتے ہین۔

جو قوم رفتار زمانہ پر چلنے مین جتنی زیادہ سرگرمی دکھاتی ہے اُسی قدر سرسبز و بامراد ثابت ہوتی ہے - اور جو قوم زمانے کے خلاف چل کے اُسے اپنی طرف کھینچنا چاہتی ہے وہ نامراد و پامال ہوتی ہے - جو بوتے ہین کھیت کاٹتے ہین - جو سینچتے ہین پھل کھاتے ہین - اسی ضمن مین اگر تم سال گذشتہ کی حالت کا اندازہ کروگے تو نظر آجائیگا کہ ہم مین سے جو لوگ زمانے کے تقاضے پر چلے کامیاب ہوے - جنھون نے جی توڑ کے محنت کی اور باہمی قوت کو مجتمع کرکے کسی موافق زمانہ غرض کو حاصل کرنا چاہا مقصد ور ہوے - اور جنھون نے زمانے کے رنگ وحالت کی طرف سے بے پروائی کی نامراد رہے اور روز بروز ادبار کے گڑھے مین گرتے گئے -

دنیا کا یہ معمول ہے کہ دنیا سے گذر جانے والے کو کلمات خیر سے یاد کرتے ہین - اُسکے معائب سے قطع نظر کرلیتے ہین اور اُسکے محاسن کو بار بار یاد کرتے اور صحبتون مین بیٹھ کے سُنتے سُناتے ہین - اگر اسی اصول پر مرحوم ۱۹۰۵ء کے متعلق بھی ہم عمل کرین تو اُمید ہے کہ کامیابی کی منزل کا آدھا راستہ طے کرلیجائینگے - کیونکہ جب ہمارا خیال زمانے اور گذشتہ سنہ کے کوسنے کی طرف سے ہٹے گا تو خواہ مخواہ ہم گذشتہ باتون سے قطع تعلق کرکے موجودہ سنہ اور موجودہ حالت کی طرف توجہ کرینگے - اور کوشش کرینگے کہ اگر گذشتہ سنہ سے کوئی فائدہ نہ اُٹھا سکے تو سنہ روان کی برکتون سے محروم نہ رہین - اور اس سال تضیع اوقات نہ کرین -

گذشتہ سنہ مین ایک نیا انقلاب تمام زمانے کے متعلق یہ ہوا تھا کہ سنہ محمدی جسکے موجد و مخترع مولوی نظام الدین حسن صاحب معین المہام ریاست بھوپال ہین علیا حضرت بیگم صاحبہ بھوپال کے حکم سے ریاست بھوپال کے سرکاری دفاتر و حسابات مین شامل ہوگیا - جس کی پہلی برکت یہ ہے کہ منشی رحمت اللہ صاحب رعد کی نامی گرامی جنتری مین اب کی سال ہم سنہ محمدی کو بھی داخل پاتے ہین -

خاتمے پر ہمین اپنی قوم کو پھر مطلع کردینا چاہیے کہ یہ شروع سال کا زمانہ صرف ایک دوسرے کو سال نو پر مبارکباد دینے مین نہ صرف کر دینا چاہیے بلکہ اہل اسلام کے سنہ ہجری کی طرح ہم سے بدنصیبون کو اپنا سال غم و الم اور گریہ و ماتم ہی سے شروع کرنا چاہیے - تاکہ جس قدر زندگی بیکاری و لہو ولعب مین بسر کی ہے اُسے

چھوڑ کے کچھ کرتے اور وقت کی قدر و قیمت جاننے کی طرف مصروف ہو سکیں غم سید الشہدا حضرت امام حسین علیہ السلام پر نہ ہونا چاہیے - اس لیے کہ اُنھیں اللہ جل شانہٗ نے ہر قسم کے فضائل و مناقب عطا فرمائے - اُن کا مرتبہ بلند کیا - اور اُنھیں نوجوانانِ جنت کا سردار بنا دیا - لہذا حقیقۃً یہ غم اُنکے لیے نہین بلکہ اپنے لیے اور اپنی حالت پر ہے کہ افسوس زندگی بیکار ضائع کی اور کچھ نہ کیا -

نیا سال اور نئی اُمنگ

دوستو! سال پلٹ گیا - اگر گذشتہ سال کو ہم نے رخصت نہین کیا تو اس نئے سال کا خیر مقدم تو ادا کر دین - اور ہم ہی پر موقوف نہین زمانے کا رنگ ہی کچھ ایسا ہو رہا ہے - بیوفائی اور احسان فراموشی اس قدر بڑھتی جاتی ہے کہ اب زبردست آنے والون کا استقبال جس دھوم دھام سے کیا جاتا ہے جانے والے اُس سرگرمی و جوش سے رخصت نہین کیے جاتے - اگلی شرافتون پر خاک پڑتی جاتی ہے - وہ بے لوث اور خلوص کی محبتین دنیا سے مٹتی جاتی ہین - اور صرف مُنہ دیکھے کی محبت اور غرض پرستی کا اخلاق رہ گیا ہے تو پھر یہ ہماری فروگذاشت کہ مرحوم سنہ ۱۹۰۶ء کی رخصت مین ایک کلمہ بھی زبان سے نہ نکالا اور نئے حکمران زمانے سنہ ۱۹۰۷ء کو مرحبا اور خوش آمدی کہنے لگے - چاہے اگلے مرحوم و مغفور شرفا کے مذاق مین بد اخلاقی ہو مگر موجودہ زمانے کا رنگ دیکھتے بے موقع اور ناموزون نہین ہے - ہماری حالت تو اب یہ ہو رہی ہے کہ یہ بھی غنیمت ہے کہ کچھ خوف خدا کر کے سنہ گذشتہ کی شکایتون کا دفتر نہین کھولتے - اور اتنا خیال دل مین باقی ہے کہ مرے ہوؤن کا ذکر خیر سے کرنا چاہیے -

خیر اب ان باتون کو چھوڑ کے نئے سال سے معانقۂ استقبال کرنا چاہیے - یون تو اب قریب قریب ہر سال اپنے ورود کے وقت کسی نئے جشن طرب کا سامان کر دیا کرتا ہے - اور بعد چاہے جو کچھ ہو - قحط ہو - طاعون ہو - آفت ہو - مصیبت ہو - مگر ابتدا مزید ایون ہی سے ہوا کرتی ہے - یہی شروع سال کا زمانہ تھا جب ہم نے شہنشاہ کا جشن تاجپوشی منایا - یہی موسم اور یہی دن تھے کہ پارسال اسی

غریق رحمت سنہ ۱۹۰۶ء کی ابتدا مین ہم نے اپنے ولیعہد سلطنت پرنس آف ویلز کے دیدار سے آنکھیں ٹھنڈی کین - اور اپنی حیثیت و حالت سے بڑھ کے جوش انبساط کا تماشا دیکھا اور دکھایا - بلکہ یون کہنا چاہیے کہ جوش مسرت سے یہان تک بیخود ہوسے کہ بعض حالتون مین گھر پھونک کے تماشا دیکھنے کو تیار ہوگئے - علیٰ ہذالقیاس سنہ ۱۹۰۷ بھی آتے ہی تاجدار دولت خداداد افغانستان امیر حبیب اللہ خان دام اقبالہ کو اپنے ساتھ لایا ہے - اور ہندوستان پھر وہی شروع سال کی کرشمہ سازیون پر فریفتہ ہوکے اپنی خودی کو بھولا جاتا ہے -

شاہ کابل ابقاہ اللہ الی یوم القرار نے اپنے اخلاق - اپنی دینی سرگرمی - اپنی بے تعصبی - اور اپنی ذرہ نوازیون سے یہی نہین کیا کہ اولیاے سلف کے بعض مزارون پر رونق آگئی اور مسجدون کی چہل پہل یکایک بڑھ گئی - اور مسلمانون مین غیر معمولی جوش و خروش پیدا ہوگیا - بلکہ اُنکی رعایا پروری اور بے تعصبی نے ہندوؤن کو مسلمانون سے زیادہ اپنا گرویدہ بنالیا - اور مسلمانون سے زیادہ جوش استقبال دکھانے کو ہندو تیار ہین - اور کیا عجب کہ امیر کا یہ سفر ہندو مسلمانون کے اتحاد و اتفاق کا ایک اعلیٰ اور زبردست ذریعہ بن جائے - جس امر کی امیر صاحب نے مختلف اوقات مین اور نیز اپنے طرز عمل سے بارہا کوشش کی ہے - ہندو مسلمانون کے باہمی تعلقات چند روز سے بہت خراب ہو رہے ہین اور روز بروز زیادہ خراب ہوتے جاتے ہین - اگر فرمان رواے کابل جو باوجود ہمارے ایک پڑوسی تاجدار ہونے کے ناصح مشفق بن کے ہمارے وطن مین تشریف لائے ہین اپنی یادگار مین یہ اتفاق و اتحاد کی برکت ہم مین چھوڑ جائین تو واقعی ہم بڑے خوش نصیب ہین - اور یہ کہنے کو تیار ہین کہ سنہ ۱۹۰۶ء سے اچھا اور مبارک برس ہندوستان کو صدیون سے دیکھنا نہین نصیب ہوا تھا -

لیکن اگر اس اتحاد کو استقلال نہ ہو تو بھی اس مین شک نہین کہ امیر کی آمد سے ایک بہت ہی بڑا اہم مسئلہ صفائی کے ساتھ ثابت ہوگیا - وہ یہ کہ انگریزی حکام نے تو ہمیشہ اتحاد و اتفاق کی ہمین نصیحت کی - مگر انگریزی مورخین نے اور بخصوص ان مصنفین تاریخ نے جن کی کتابین ہمارے مدارس تعلیم مین لازمی قرار دیگئی ہین - ہندو

مسلمانون کے درمیان بغض وعناد کا بیج بونے مین کوئی دقیقہ نہین اُٹھا رکھا تھا تعلیمیا نوجوانون کی حالت دیکھ کے لوگون کو قریب قریب یقین ہوگیا تھا کہ اُن مصنفون کا پورا جادو چل گیا - اور ایک ایسے اختلاف کی بنیاد پڑ گئی جو قیامت تک دُور نہ ہوسکے گا - اور اب کے بچھڑے ہوے ابنائے وطن یعنی ہندو مسلمان اُس عالم مین جاکے بھی شاید مل کے نہ رہ سکین گے - یا تو ہمارے دلون پر یہ اثر پڑا ہوا تھا - ہم اپنی بدقسمتی پر آنسو بہا رہے تھے اور ہمیشہ کے لیے مایوس ہوگئے تھے یا یکایک حضرت امیر کے ورود با جود کے ساتھ ہی وہ اندیشے ایک آن واحد مین کافور ہوگئے اور نظر آگیا کہ اگر خوش قسمتی کی گھڑی آجائے تو یہ سارے جھگڑے بکھیڑے ایک آن واحد مین دُور ہوسکتے ہین - اور فتنہ پردازون کا فتنہ ایسا نہین ہے کہ دُور نہ ہو سکے - غرض یہ اطمینان بھی بہت بڑی چیز ہے اور ایسی چیز ہے کہ امیر کی آمد کو ہندوستان کبھی نہ بھولے گا -

اب ہم ان رموز خسروان کو بھی چھوڑ کے اپنی طرف توجہ کرتے اور آپ بیتی سُناتے ہین - دلگداز کا انتظام ۱۹۰۶ء کے نصف اخیر مین نہایت خراب رہا اور پرچہ وقت پر شایع نہ ہو سکا - علی الخصوص اکتوبر - نومبر اور دسمبر ۱۹۰۶ء کے پرچے فروری ۱۹۰۷ء کی ابتدا مین شائع ہوے - اس مین ابتدا تو کاتب کے بدل جانے پہلے کاتب کے چلے جانے اور دوسرے کاتب کے دیر مین دستیاب ہونے کو دخل تھا اور بعد اسکے خود ہماری اور ہمارے گھر بھر کی بیماری کو جسکے باعث ہم اکثر خطون کا جواب بھی وقت پر نہ دے سکے - ہمارے قدر افزاؤن اور پرانے دوستون کو شکایت ہے اور بجا شکایت ہے - لیکن وہ جانتے ہین کہ دوستون سے دوستانہ شکایتین معاف کرا لینے مین بھی ہمین اچھی مشق ہے -

آغا خانی صاحب کی لائف کا سلسلہ گذشتہ تین مہینون مین ایک مجبوری سے روک دیا گیا - کیونکہ بعض حالات کے دریافت کرنے مین ہمین دشواریان پیش آئین - اب ہم اُس سلسلے کو پھر شروع کرین گے اور کوشش کرین گے کہ جلدی ختم کر دین - بعض حضرات آغا خانی صاحب کی لائف کو ناپسند کرتے ہین اور اصرار کر رہے ہین کہ یہ سلسلہ ناتمام ہی چھوڑ دیا جائے - مگر نہین - ہم آغا خانی صاحب کو جزئی واقعات سے قطع

تعلق کرکے مجموعی طور پر بہت قابلِ قدر اور لکھنؤ کا فخر خیال کرتے ہیں۔ اور لغزشوں سے جو زندگی بھر بچا رہا وہ انسان نہیں۔ ہر شخص کو اُس طبقے مین رکھکے دیکھنا چاہیے جس مین وہ تھا۔ اور اس بات کا لحاظ کرنا چاہیے کہ اُسکی ذات سے دُنیا نے کیا نفع اُٹھایا۔

ہم کہان تھے اور کہان ہین؟

زمانہ کبھی کسی کو ایک حال پر قرار نہین لینے دیتا۔ دلگداز ہی کو دیکھیے کہ پہلے لکھنؤ مین تھا۔ ۱۸۹۹ء مین حیدرآباد فرخندہ بنیاد مین آیا۔ اسکے بعد کچھ ایسے واقعات پیش آئے کہ ۱۹۰۱ء مین پھر لکھنؤ پہونچا۔ وہان سرد ہری زمانہ سے کبھی بنا اور کبھی بگڑا۔ گِرا اور پھر اُٹھا۔ نظرون سے غائب ہوا۔ اور یکایک پھر نظر آیا۔ اور آخر ہم نے عہد کرلیا کہ اب پانوُن توڑ کر لکھنؤ ہی مین بیٹھین گے۔ لیکن عہدون کا کرلینا آسان ہے اور نباہنا مشکل۔ ہم تو نباہین مگر زمانہ بھی نباہنے دے۔ عالیجناب مہاراجہ سرکشن پرشاد یمین السلطنۃ مدارالمہام سرکارعالی کی قدرافزائی اور مولوی محمد عزیز مرزا صاحب معتمد عدالت وکوتوالی وامورعامہ کی محبت وعنایت پھر کشان کشان اُسی سوادِ دکن مین لے آئی جسے اپنی نا قدری سے چھوڑکے چلے گئے تھے۔ خلاصہ یہ کہ دلگداز اب پھر حیدرآباد مین ہے۔ اور اعلیٰ حضرت بندگانِ عالی مدظلہ العالی دام اقبالہٗ کے دامنِ عافیت مین۔

دلگداز درد وغم کے قصے سنانے اور آوارہ گردی وصحرا نوردی کی داستانین بیان کرنے مین خاص دلچسپی رکھتا ہے۔ اور اسی رنگ نے اُسکی آہ مین ایک اثر پیدا کردیا ہے۔ ایسی صورت مین ممکن نہ تھا کہ جس کہانی کو وہ باربار سُنایا کرتا ہے اُسکی کچھ کیفیت خود اُسکی زندگی مین بھی نہ پیدا ہوجائے۔ وہ دوسرون کی آوارہ گردی بیان کرتا ہے تو خود اُسے بھی کسی نہ کسی حدتک آوارہ گرد ہونا چاہیے تھا۔ پھر بھلا کیونکر ممکن ہے کہ ہم کسی جگہ بیٹھنا چاہین اور بیٹھ سکین؟

خدا سے امید ہے کہ اب ہمین کسی دوسرے انقلاب اور تغیر سے سابقہ نہ پڑیگا کیونکہ مربیون اور سرپرستون کے ازدیادِ دولت سے خود اُسکی وضع وحالت مین

ترقی ہونے کی اُمید کوئی بیجا اُمید نہین ہے۔

دلگداز اسی تبدیل مقام و مکان اور صدہا قسم کے دیگر ترددات کی وجہ سے پورے ایک سال تک بند رہا۔ لکھنؤ مین ۱۹۰۵ء کے ماہ جون تک نکل کے بند ہوا تھا اب جولائی ۱۹۰۶ء سے پھر جاری کیا جاتا ہے۔ جن احباب اور قدر دانون کا حساب جون ۱۹۰۵ء مین ناتمام چھوٹا تھا اُنکے حساب کا تکملہ ۱۹۰۶ء یعنی موجودہ سال کی آخری ششماہی مین ہو جائیگا۔

جو اخبار اور رسالے مبادلے مین جاری رہے اُنکے معزز اڈیٹرون کے ہم نہایت شکر گزار ہین۔ اور جن حضرات نے تبادلے مین پرچہ بند کر دیا اُنکی خدمت مین یہ پرچہ بھیج کے التماس ہے کہ براہِ عنایت اپنا پرچہ "حیدرآباد دکن۔ محلہ فیل خانہ" کے پتے پر جاری فرما کے رہین منت فرمائین۔

مشاہیر اسلام کا سلسلہ جاری رہے گا۔ اور امام ابو الحسن اشعری کی سوانحعمری چندماہ بعد اپنے قدردانون کے ہاتھ مین پہونچ جائے گی۔

۱۹۰۶ء اور دلگداز

۱۹۰۶ء خدا حافظ! اور ۱۹۰۷ء مرحبا۔ مرحبا۔ تعال۔ تعال۔ میان جانے والے جاؤ۔ مگر ہمین بھول نہ جانا۔ تم سے بس اتنی ہی التجا ہے کہ تمھارے جریدے پر ہمارا نام ثبت رہے۔ اور میان آنے والے آؤ۔ مگر ذرا غریبون کا خیال رہے۔ ساری اُمیدین اور کل آرزوئین اب تمھاری ہی ذات سے وابستہ ہین۔ اور کامیابی کا تاج پہنانے والے یا ناکامی و نامرادی کے گڑھے مین ڈھکیلنے والے جو کچھ ہو تم ہی ہو۔ یہ نہ سمجھو کہ ۱۹۰۶ء کو جو ہم نے خدا حافظ کہ کے رخصت کر دیا ہے تو ٹھنڈے کلیجے رخصت کیا ہے۔ یہ نہ خیال کرو کہ اس نے ہمارے ساتھ کوئی اچھا سلوک کیا تھا اور اب ہمین تمھاری مزید عنایت کی ضرورت نہین۔ نہین ہم سے زیادہ مستحق تمھین کوئی نہ ملیگا۔ اگر مظلوم کے حال پر رحم کرنا اور مصیبت زدہ کو آفت سے نکالنا کوئی اچھا کام ہے تو دلگداز سب سے زیادہ مظلوم اور سب سے پہلے تمھاری عنایت اور تمھارے لطف و کرم کا مستحق ہے۔

ذرا اسکی سرگذشت تو سنو - گو یہ ایک داستان غم ہے - مگر داستان غم ہی مزے کی بھی ہوتی ہے - اور کچھ ایسی ہی باتین دل مین بھی لگتی ہین - آج سے بائیس سال پہلے جبکہ یہ بیسوین صدی شروع نہین ہوئی تھی - اور ایک ہمارے سابق نائب زمانہ ۱۸۸۶ء کا عمل تھا - دلگداز لکھنؤ سے جاری ہوا - اسکی اُسوقت کی آب تاب - چمک دمک - اور دلفریبی و رعنائی دیکھنے کے لائق تھی - اور اسکی اُسوقت کی میٹھی اور دل مین اُتر جانے والی باتین سننے کے قابل تھین - اُسوقت یہ صرف ۱۶ صفحون کا رسالہ تھا - مگر وہ سولہ صفحے جن پر فقط عاشقانہ مضامین اور خیال آرائی و خیال آفرینی کے کرشمے ہوا کرتے تھے - کیا کہین کہ کیسے پُر لطف - پُر مذاق اور سراپا سوز و گداز ہوتے تھے - چندہی روز مین اسکی دھوم مچ گئی - اور ہر اُردو زبان مین مذاق رکھنے والا اس کا دلدادہ و شیدا ہوگیا - غرض ۱۸۸۷ء ہر طرح اسکے حال پر شفیق و مہربان تھا - اور اس مرحوم سنہ سے کوئی شکایت نہین -

یہان تک کہ ہم نے آنسو بہا بہا کے اُس سنہ کو الوداع کہی اور ۱۸۸۸ء کا خیر مقدم ادا کیا - وہ پہلے مربی سے بھی زیادہ مہربان ثابت ہوا - اسکے شروع ہوتے ہی دلگداز مین ۱۶ صفحاتِ مضامین پر ناول کے ۱۶ صفحے اضافہ کیے گئے - پرچہ دو جز کا ہوگیا - اور اس دلچسپ اضافے سے اسکی محبوبیت و رونق اور بڑھ گئی - ہر طرف اسکے لیے دست شوق پھیلے ہوے تھے - انتظار کی آنکھین کسی روے زیبا کی طرح ہر گھڑی اسکی طرف لگی رہتی تھین - ۱۸۸۸ء کی مہربانیون نے اسکی بنیاد ایسی مضبوط جما دی تھی کہ اُسکے بعد دو سال یعنی ۱۸۸۹ء و ۱۸۹۰ء دلگداز کے لیے شادمانی و کامرانی ہی کے برس رہے - ہندوستان مین ہر طرف دلگداز ہی کا چرچا تھا - اُسوقت نہ کوئی ایسا رسالہ ملک مین جاری تھا جو دلگداز کا مقابلہ کرسکے اور نہ کوئی زبان کا رسیا تھا جسے بغیر دلگداز کی صورتِ زیبا دیکھے چین آئے - اسکے مضامین کی ہر طرف دھوم تھی - اور اسکے ناول اُردو لٹریچر - قومی جوش - اور تاریخی دلفریبیون کے ایسے نمونے تھے کہ ہر زبان پر اُن کا چرچا تھا - اور ہر گھر مین اُن کا تذکرہ -

اب ۱۸۹۱ء آیا - اور اُسکے ماہ اپریل مین ہمین پہلے پہل ایک خاص ضرورت سے حیدرآباد فرخندہ بنیاد مین آنا اور نواب وقار الامرا بہادر کی مہربانیون سے یہان

رُک جانا پڑا۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ دلگداز کی اشاعت رُک گئی۔ نواب وقار الملک بہادر اُن دنون معین المہام تھے۔ اور ہم سے اُنھون نے خواہش کی کہ اُنکے صاحبزادے نواب ولی الدین خان بہادر کی شرقی تعلیم کی نگرانی کے لیے ولایت جائین۔ ہمین سفر ولایت کے شوق مین پرچہ اور مطبع کو بند کر کے مستعد ہو جانا پڑا۔ مگر جب ہم گھوڑے بھیج چکے تو روانگی کا مسئلہ حیز التوا مین پڑ گیا اور ہمارے لیے سوا سونے کے کوئی مشغلہ نہ تھا۔ اسی لیت و لعل مین جب دو سال گذر گئے تو ہم نے ناامید ہو کے سنہ ۱۸۹۳ء مین لکھنؤ سے پھر دلگداز کو جاری کر دیا۔ مگر اب یہ حالت تھی کہ ہم حیدرآباد مین تھے اور دلگداز لکھنؤ سے نکل رہا تھا۔ لیکن اُسے شایع ہوے صرف نو مہینے گذرے تھے کہ ہمین یکایک روانگی انگلستان کا حکم ملا۔ ہم نے حکم ملنے کے پندرہ ہی روز بعد "بسم اللہ مجریہا و مرسہا" کہا۔ جہاز نے لنگر اُٹھایا۔ اور دلگداز کی کشتی بیچ منجدھار مین پڑ کے ڈگمگائی اور ڈوب گئی۔

ولایت سے واپس آنے کے بعد ہم نے سنہ ۱۸۹۸ء سے پھر دلگداز جاری کیا لیکن گیارہ پرچے شایع ہونے پائے تھے کہ جناب سکینہ بنت حسینؑ کی سوانحعمری پر جو دلگداز مین شایع ہو رہی تھی عوام کالانعام مین ایک شورش پیدا ہوئی۔ اگرچہ گورنمنٹ نظام نے اپنی روشن خیالی سے کسی قسم کی مزاحمت نہین کی مگر پرائیوٹ طور پر ہمین مشورہ دیا گیا کہ اُس مضمون کے مابقی حصے کو ہم روک دین اور اسکے عوض ہم دیگر مضامین شایع کرین۔ مگر ہم اسکے بھی متحمل نہ ہو سکے اور ہم نے یہ کہکے دلگداز ہی بند کر دیا کہ جب سکینہ بنت حسینؑ کے مضمون کا مابقی حصہ شایع ہوگا تب ہی دلگداز بھی شایع ہوگا۔ اسکے بعد پورے ایک برس ہم حیدرآباد مین رہے اور دلگداز بند رہا۔ سنہ ۱۹۰۰ء مین ہمین نواب انتصار الامرا بہادر نے اجازت دی کہ جب تک چاہین لکھنؤ مین رہ کے اُنکے خدمات بجا لائین۔ چنانچہ ہم لکھنؤ گئے۔ اور سب سے پہلے وہان پہونچ کے ۱۸۹۸ء کا بارھوان نمبر شایع کیا جسمین حضرت سکینہؓ بنت حسینؑ کی سوانح عمری کا باقیماندہ حصہ تھا۔ اور اسکے بعد جنوری سنہ ۱۹۰۰ء سے پھر اشاعت دلگداز کا سلسلہ لکھنؤ سے جاری ہو گیا۔

اب پھر دلگداز اُسی آب و تاب سے نکلا۔ اور اُسکے مضامین پھر اُسی طرح پبلک مین زندہ دلی پیدا کرنے لگے۔ اب دلگداز کے تاریخی ناولون نے ملک مین تاریخ کا اس قدر زیادہ مذاق پیدا کر دیا تھا کہ دلگداز مین تاریخ کے سولہ صفحے بڑھانے کی ضرورت

ذرا اسکی سرگذشت تو سنو - گو یہ ایک داستان غم ہے - مگر داستان غم ہی مزے کی بھی ہوتی ہے - اور کچھ ایسی ہی باتین دل مین بھی لگتی ہین - آج سے بائیس سال پہلے جبکہ یہ بیسوین صدی شروع نہین ہوئی تھی - اور ایک تمھارے سابق نائب زمانہ سنہ ۱۸۸۷ء کا عمل تھا - دلگداز لکھنؤ سے جاری ہوا - اسکی اُسوقت کی آب تاب چمک دمک - اور دلفریبی و رعنائی دیکھنے کے لائق تھی - اور اسکی اُسوقت کی میٹھی اور دل مین اُتر جانے والی باتین سننے کے قابل تھین - اُسوقت یہ صرف ۱۶ صفحون کا رسالہ تھا - مگر وہ سولہ صفحے جن پر نقطہ عاشقانہ مضامین اور خیال آرائی و خیال آفرینی کے کرشمے ہوا کرتے تھے - کیا کہین کہ کیسے پُر لطف - پُر مذاق اور سراپا سوز و گداز ہوتے تھے - چند ہی روز مین اسکی دھوم مچ گئی - اور ہر اُردو زبان مین مذاق رکھنے والا اس کا دلدادہ و شیدا ہو گیا - غرض سنہ ۱۸۸۷ء ہر طرح اسکے حال پر شفیق و مہربان تھا - اور اس مرحوم سنہ سے کوئی شکایت نہین -

یہان تک کہ ہم نے آنسو بہا بہا کے اُس سنہ کو الوداع کہی اور سنہ ۱۸۸۸ء کا خیر مقدم ادا کیا - وہ پہلے مربی سے بھی زیادہ مہربان ثابت ہوا - اسکے شروع ہوتے ہی دلگداز مین ۱۶ صفحاتِ مضامین پر ناول کے ۱۶ صفحے اضافہ کیے گئے - پرچہ دو جز کا ہو گیا - اور اس دلچسپ اضافے سے اسکی مرغوبیت و رونق اور بڑھ گئی - ہر طرف اسکے لیے دستِ شوق پھیلے ہوے تھے - انتظار کی آنکھین کسی روے زیبا کی طرح ہر گھڑی اسکی طرف لگی رہتی تھین - سنہ ۱۸۸۸ء کی مہربانیون نے اسکی بنیاد ایسی مضبوط جما دی تھی کہ اُسکے بعد دو سال یعنی سنہ ۱۸۸۹ء و سنہ ۱۸۹۰ء دلگداز کے لیے شادمانی و کامرانی ہی کے برس رہے - ہندوستان مین ہر طرف دلگداز ہی کا چرچا تھا - اُسوقت نہ کوئی ایسا رسالہ ملک مین جاری تھا جو دلگداز کا مقابلہ کر سکے اور نہ کوئی زبان کا رسیا تھا جسے بغیر دلگداز کی صورتِ زیبا دیکھے چین آئے - اسکے مضامین کی ہر طرف دھوم تھی - اور اسکے ناول اُردو لٹریچر - قومی جوش - اور تاریخی دلفریبیون کے ایسے نمونے تھے کہ ہر زبان پر اُن کا چرچا تھا - اور ہر گھر مین اُن کا تذکرہ -

اب سنہ ۱۸۹۱ء آیا - اور اُسکے ماہ اپریل مین ہمین پہلے پہل ایک خاص ضرورت نے حیدرآباد فرخندہ بنیاد مین آنا اور نواب وقار الامرا بہادر کی مہربانیون سے یہان

رُک جانا پڑا - اس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ دلگداز کی اشاعت رُک گئی - نواب وقار الامرا بہادر اُن دنون معین المہام تھے - اور ہم سے اُنھون نے خواہش کی کہ اُنکے صاحبزادے نواب ولی الدین خان بہادر کی شرقی تعلیم کی نگرانی کے لیے ولایت جائین - ہمین سفر ولایت کے شوق مین پرچہ اور مطبع کو بند کرکے مستعد ہو جانا پڑا - مگر جب ہم گھوڑے بیچ چکے تو روانگی کا مسئلہ حیز التوا مین پڑ گیا اور ہمارے لیے سوا سونے کے کوئی شغلہ نہ تھا - اسی لیت و لعل مین جب دو سال گذر گئے تو ہم نے ناامید ہو کے سنہ ۱۸۹۳ء مین لکھنؤ سے پھر دلگداز کو جاری کر دیا - مگر اب یہ حالت تھی کہ ہم حیدرآباد مین تھے اور دلگداز لکھنؤ سے نکل رہا تھا - لیکن اُسے شایع ہوے صرف نو مہینے گذرے تھے کہ ہمین یکایک روانگی انگلستان کا حکم ملا - ہم نے حکم ملنے کے پندرہ ہی روز بعد "بسم اللہ مجریہا و مرسٰہا" کہا - جہاز نے لنگر اُٹھایا - اور دلگداز کی کشتی بیچ منجدھار مین پڑ کے ڈگمگائی اور ڈوب گئی۔

ولایت سے واپس آنے کے بعد ہم نے سنہ ۱۸۹۸ء سے پھر دلگداز جاری کیا لیکن گیارہ پرچے شایع ہونے پائے تھے کہ جناب سکینہ بنت حسینؓ کی سوانحعمری پر جو دلگداز مین شایع ہو رہی تھی عوام کالانعام مین ایک شورش پیدا ہوئی - اگرچہ گورنمنٹ نظام نے اپنی روشن خیالی سے کسی قسم کی مزاحمت نہین کی مگر پرائیویٹ طور پر ہمین مشورہ دیا گیا کہ اُس مضمون کے ناباقی حصے کو ہم روک دین اور اسکے عوض ہم دیگر مضامین شایع کرین - مگر ہم اسکے بھی متحمل نہ ہو سکے اور ہم نے یہ کہکے دلگداز ہی بند کر دیا کہ جب سکینہ بنت حسینؓ کے مضمون کا مابقی حصہ شایع ہوگا تب ہی دلگداز بھی شایع ہوگا - اسکے بعد پورے ایک برس ہم حیدرآباد مین رہے اور دلگداز بند رہا - سنہ ۱۹۰۰ء مین ہمین نواب وقار الامرا بہادر نے اجازت دی کہ جب تک چاہین لکھنؤ مین رہ کے اُنکے خدمات بجا لائین - چنانچہ ہم لکھنؤ گئے - اور سب سے پہلے وہان پہونچ کے سنہ ۱۸۹۸ء کا بارھوان نمبر شایع کیا جسمین حضرت سکینہؓ بنت حسینؓ کی سوانح عمری کا باقیماندہ حصہ تھا - اور اسکے بعد جنوری سنہ ۱۹۰۰ء سے پھر اشاعت دلگداز کا سلسلہ لکھنؤ سے جاری ہو گیا -

اب پھر دلگداز اُسی آب و تاب سے نکلا - اور اُسکے مضامین پھر اُسی طرح پبلک مین زندہ دلی پیدا کرنے لگے - اب دلگداز کے تاریخی ناولون نے ملک مین تاریخ کا اس قدر زیادہ مذاق پیدا کر دیا تھا کہ دلگداز مین تاریخ کے سولہ صفحے بڑھانے کی ضرورت

پیش آئی۔ اور سنہ ۱۹۰۱ء سے حروب صلیبیہ کی تاریخ کے شایع کرنے کا نیا سلسلہ جاری کیا گیا۔ مگر اسکو چھ ہی مہینے گذرنے پائے تھے کہ ہمین حسب الحکم نواب وقار الامرا بہادر مرحوم حیدرآباد جانا پڑا۔ دلگداز کی اشاعت کا سلسلہ پھر رُک گیا۔ اور سنہ ۱۹۰۱ء مین صرف پانچ رسالے نکل کے ناتمام پڑے رہ گئے۔ اب حیدرآباد مین رہ کے لکھنؤ سے شایع کرنا ہمین بہت ہی دشوار اور غیر ممکن نظر آیا۔ ہمارے آنے کے تھوڑے دنون بعد حیدرآباد کی وزارت مین تغیر ہو گیا۔ یمین السلطنۃ مہاراجہ سرکشن پرشاد بہادر اریکہ آرائے مسند وزارت ہوے۔ اور ہم سنہ ۱۹۰۳ء کے اختتام تک ہمین رہے۔ اُن دنون کچھ ایسے واقعات پیش آئے کہ دولت آصفیہ نظام سے ہمارے تعلقات ہی منقطع ہو گئے۔ ساتھ ہی ہم بھی حیدرآباد سے برخاستہ خاطر ہو گئے۔ اور قطعی ارادہ کر لیا کہ لکھنؤ مین جا کے اپنے پُرانے مشاغل کا سلسلہ شروع کر دین۔ اور اگرچہ نواب سلطان الملک بہادر اپنی پائگاہ سے ہماری کفالت کر رہے تھے اور آخر تک کفالت کرنے کو موجود تھے۔ اور یمین السلطنۃ مہاراجہ مدار المہام بہادر بھی اپنی کریم النفسی و فیاضی سے ہر طرح کا اطمینان دلا رہے تھے۔ مگر ہمین دلگداز کے شایع کرنے اور پھر پبلک زندگی اختیار کرنے کا اس قدر شوق تھا کہ کُل امیدون کو چھوڑ کے لکھنؤ کی راہ لی اور جون سنہ ۱۹۰۴ء سے دلگداز کو پھر جاری کر کے اُس سال کی ششماہی مین سنہ ۱۹۰۱ء کی ناتمام جلد دلگداز کو مکمل کر دیا۔ اسکے بعد سنہ ۱۹۰۵ء کے اگسٹ مین تاریخ حروب صلیبیہ مکمل ہو گئی۔ تب مین نے اپنی تالیف کی ہوئی "تاریخ سندھ" کو دلگداز کے ساتھ نکالنا شروع کیا۔ جس کی پہلی جلد دسمبر سنہ ۱۹۰۶ء مین پوری ہو گئی۔

سنہ ۱۹۰۶ء کے ماہ فروری سے دلگداز مین مضامین و ناول و تاریخ کے علاوہ ایک سوانح عمری کے شایع کرنے کا بھی سلسلہ ڈالا گیا۔ آغائی صاحب کی لائف کے ۸ صفحے ہر پرچے کے ساتھ شایع ہونے لگے۔ اور پورے پرچے کا حجم ساڑھے تین جزو یعنی ۵۶ صفحون کا ہو گیا۔ سنہ ۱۹[illegible]ء مین ہم کو اپنی بیماری اور اپنے بعض خاندانی صدمات کے باعث ایسی مصیبتون مین مبتلا ہونا پڑا کہ دلگداز کی اشاعت مین پھر فرق آ گیا۔ اُن صدمات سے نجات ملی ہی تھی کہ مولوی محمد عزیز مرزا صاحب معتمد عدالت و کوتوالی و امور عامہ کے عالمانہ مذاق نے مہاراجہ مدار المہام بہادر کو پھر میری یاد دلائی۔

اور محتشم الیہ کی قدر افزائی سے میں بحیثیتِ روزگار ناظم تعلیمات پھر حیدرآباد میں آیا۔ یہاں آ کے جب ذرا اطمینان سے بیٹھنا نصیب ہوا تو وہ اشاعت دلگداز کا ٹوٹا ہوا سلسلہ پھر جوڑا گیا۔ دلگداز نے آفاتِ زمانہ سے بچنے کے لیے دولت ابد مدت آصفیہ خلد ملکہا کے دامنِ عافیت میں پناہ لی۔ اور جولائی ۱۹۰۸ء سے دوبارہ جاری کر کے دلگداز کی جو جلد ماہ جون ۱۹۰۸ء میں ناتمام پڑی رہ گئی تھی اُسکے تکملہ کی کوشش کی گئی۔ اور الحمدللہ کہ اسی رسالے پر اُس جلد کا تکملہ ہوتا ہے۔ اور جلد مضامین ہی نہیں پوری کر دی گئی۔ بلکہ ناول بھی ختم ہو گیا۔ تاریخ سندھ کی دوسری جلد بھی مکمل ہو گئی۔ اور آغائی صاحب کی لائف بھی مختصر کر کے مکمل کر دی گئی۔

اب ہمیں مختصراً یہ بھی بتا دینا چاہیے کہ دلگداز نے باوجود اسکے کہ ڈگمگا ڈگمگا کے سنبھلا اور گر گر کے اُٹھا۔ اور اُسکی زندگی انقلابات عالم کی حسرتناک تصویر رہی مگر ان کامیابیوں پر بھی اُس نے کتنے کام کیے؟ اور اُردو کے خزانے میں کتنی دلچسپ اور قیمتی کتابیں پیدا کر دیں۔ علاوہ جلدہاے مضامین کے اُس نے ۱۸۸۹ء میں ناول ملک العزیز ورجنا مکمل کیا۔ ۱۸۸۹ء میں ناول حسن انجلینا مرتب ہوا۔ ۱۸۹۰ء میں ناول منصور موہنا۔ ۱۸۹۱ء میں ناول یوسف و نجمہ پانچ جز شایع ہو کے ناتمام پڑا رہ گیا تھا وہ سولہ برس بعد جنوری ۱۹۰۶ء سے دوبارہ شایع ہو کے دسمبر ۱۹۰۶ء میں مکمل ہوا۔ ۱۸۹۳ء میں ناول فلورا فلورنڈا شایع ہوتے ہوتے رُک گیا تھا وہ ۱۸۹۹ء میں علیحدہ تمام و کمال چھاپ کے شایع کر دیا گیا۔ جولائی ۱۹۰۳ء سے ناول شوقین ملکہ شایع ہونا شروع ہوا تھا وہ دسمبر ۱۹۰۷ء میں مکمل ہو گیا۔ جنوری ۱۹۰۷ء سے ناول قیس و لُبنیٰ کی اشاعت کا سلسلہ ڈالا گیا تھا اور اب دسمبر ۱۹۰۸ء یعنی اسی پرچے کی اشاعت کے ساتھ تکمیل کو پہونچتا ہے۔ اسکے علاوہ تاریخ حروب صلیبیہ اور تاریخ سندھ کی دو جلدیں اور آغائی صاحب کی لائف اسی دلگداز کے ہاتھوں اُردو لٹریچر کے دربار میں پیش کی گئیں۔

اگر انصاف کیجیے تو ان ناکامیوں اور ایسی پریشان حالیوں کے ساتھ دلگداز کی یہ لٹریری خدمتیں تھوڑی نہیں۔ اور باوجود مر مر کے جینے اور گر گر کے اُٹھنے کے دلگداز نے انشاپردازی کی دنیا میں ایسی یادگاریں نہیں چھوڑی ہیں جو کبھی زمانے کو

بلحاظ سنین اور اُردو زبان کے تمام رسالون مین سے صرف دلگداز ہی اس دعوے کا
مجاز ہو سکتا ہے کہ ع "ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما"۔ یہ دلگداز ہی کے لیے ہے کہ
آسکے ناولون کی ہردلعزیزی ومقبولیت اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ اُنکی اشاعت مطابع
کی ہوس اور پبلک کے ہجوم شوق کی بدولت ہمارے بس اور قابو مین نہ رہ سکی۔ ہمارا
کچھ زور نہ چل سکا۔ اور دلگداز کے کارخانے کے موجود ہوتے ہر جگہ اور ہر شہر کے مطابع
نے بلا لحاظ ہماری رضا و رغبت یا ہمارے جبر و اکراہ کے مذکورۂ بالا ناولون مین سے
اکثر کو چھاپنا شروع کر دیا۔ اور اسوقت تک اُسکے بیسون اڈیشن شایع ہو چکے ہین۔
اور اب بھی باوجود روکنے اور منع کرنے کے لوگ ہر جگہ طرح طرح کی چالاکیان عمل مین
لا کے اُنھین چھاپ ہی لیتے ہین۔ غرض یہ مقبولیت سوا دلگداز کے اور کسی اُردو رسالے
کو نہین نصیب ہوئی۔

تاہم اگر غور سے دیکھا جائے تو دلگداز کی حالت بہت کچھ اصلاح طلب ہے۔
فی الحال ہندوستان مین متعدد رسالے بڑی آب و تاب سے شایع ہو رہے ہین۔ اُن
مین اڈیٹرون کو سوا تالیف کے اور مختلف مضمون نگارون کے مضامین جمع کر دینے
کے اور کسی قسم کی زحمت نہین اُٹھانی پڑتی ہے۔ اور دلگداز مین جو کچھ ہوتا ہے وہ ایک
خاص لٹریچر ہوتا ہے۔ اور اول سے آخر تک (باستثناے چند مضامین کے جو کبھی کبھی شایع
ہو جاتے ہین) سب اڈیٹر دلگداز کے دماغ و قلم کے ساتھ وابستہ رہتا ہے۔ اور اسی
وجہ سے یہ حالت ہو گئی ہے کہ دلگداز کے سال بھر کے پرچے مرتب ہو جانے کے بعد چاہے
کتنے ہی پُرلطف ہون مگر ہر متفرق پرچہ بالکل بیکار اور بے مزہ نظر آتا ہے۔ کیونکہ تاریخ۔
ناول۔ اور لائف تینون جزون کے اول و آخر کے اوراق جب تک موجود نہ ہون۔
درمیان کا ایک جز کسی کام کا نہین ہوتا۔ رہا ابتدا کا ایک جز جس مین مضامین ہُوا
کرتے ہین وہ اس قدر محدود ہے کہ اُسپر اچھے اور مکمل مضامین نہین آسکتے۔ جس کا
نتیجہ یہ ہے کہ کوئی نمونے کا پرچہ طلب کرتا ہے تو ہمین درمیان سال کا کوئی نمبر بھیجتے شرم
آتی ہے کہ جن صاحب کے ہاتھ مین جائیگا وہ سوا اسکے کہ ناک بھون چڑھا کے ہاتھ سے
پھینکدین کسی قسم کا لٹریری لطف نہ اُٹھا سکین گے

الغرض یہی نقصانات ہمین مجبور کر رہے ہین کہ اب دلگداز کی وضع و حالت بالکل

بدل دی جائے - اور پرانے دلگداز کو خیال سے بھلا کے بالکل نیا دلگداز جاری کیا جائے جو چھپائی کے اعتبارات اچھے ہونے کے علاوہ اس قابل ہو کہ اُسکے ہر نمبر سے ناظرین کو ایک جداگانہ لطف آئے اور لوگ اُسکو زیادہ شوق کے ہاتھون سے لیا کرین۔

چنانچہ اب جنوری ۱۹۰۹ء سے دلگداز کی تقطیع بجاے ۱۸ + ۲۲ کے ۲۰ + ۲۶ کر دی گئی ہے - اور سطر جو کہ ان چھوٹے صفحات پر ۲۵ سطرون کا تھا آیندہ اسنے بڑے صفحات پر ۲۱ سطر کا رہےگا تاکہ خوب واضح اور روشن رہے - تاریخ اور لائف کا سلسلہ اب ختم کر دیا گیا - اور انکے صفحات بھی مضامین کے حصے مین شامل کر دیے گئے - اس طریقے سے پورے چالیس صفحون پر مضامین رہین گے - اور کوشش کی گئی ہے کہ ہندوستان کے مشہور و معروف انشا پردازون اور جادو نگار محققون اور فاضلون کے مضامین کثرت سے شایع کیے جائین - انھین مین ملے ہوے اڈیٹر دلگداز کے مضامین بھی اسی مقدار مین رہین گے جتنے کہ اب ہوتے ہین - ان چالیس صفحون مین سے ۳۲ صفحون پر مضامین ہونگے اور آٹھ صفحون پر ہندوستان کے واقعات و حالات پر دلچسپ ریمارک رہا کرین گے - اور ۴۰ صفحون کے بعد ۱۶ صفحون پر اڈیٹر دلگداز کا ایک نہایت دلچسپ ناول رہے گا - اسلیے کہ قدردانان دلگداز کو بغیر ہمارے کسی ناول کے پورا لطف نہ آئیگا - الغرض آیندہ سے مضامین و ناول ملاکے دلگداز کا حجم ۵۶ صفحون کا رہیگا - کاغذ بھی آیندہ عمدہ ولایتی کر دیا گیا ہے اور چھپائی کے متعلق بھی مزید اہتمام کی کوشش کی گئی ہے -

پیشتر جو تفریقین صرف ناول - صرف دلگداز - صرف تاریخ - یا ان مین سے دو حصون یا کمل پرچہ خریدنے کی تھین وہ ۱۹۰۹ء سے موقوف کی جاتی ہین - آیندہ سے پورا مکمل پرچہ دیا جائیگا - اور اُسکی قیمت قلمرو برطانیہ مین تین روپئے ۳ معہ محصولڈاک اور قلمرو دولت آصفیہ مین چار روپئے (للعہ) سکۂ محبوبیہ رہے گی - نہ کسی کو جداگانہ ناول دیا جائیگا اور نہ کسی کو جداگانہ حصۂ مضامین -

الغرض اے ۱۹۰۹ء! ایسا دلگداز ہے جسے بہت کچھ ترمیم و اصلاح کر کے اور سابق سے بہت زیادہ مکمل و دلچسپ بنا کے ہم تیرے آغوش مین ڈالتے ہین - اور اُمید کرتے ہین کہ تو اسے اپنی یادگار تصور کر کے اسکے ساتھ اچھا سلوک کرےگا -

اور تجھے رخصت کرتے وقت ہم اسے بہت ترقی و عروج کی حالت پر پائین گے۔

اسی موقع پر قدر افزایان دلگداز کی خدمت مین التماس ہے کہ اس اپنے آغوش شفقت اور دامن قدر کے پلے ہوے پرچے کو آپ محبت و شفقت کی نظر سے دیکھین گے اور خیال کرین گے کہ اسکی ترقیان آپ ہی کی سابقہ کرم فرمائیون کا نتیجہ ہین۔ اور اب یہ پہلے سے زیادہ آپ کے دست شفقت کا محتاج ہے۔

اے وہ بزرگان قوم جو دلگداز کو اپنا اور اپنے آغوش مکرمت کا پروردہ جانتے ہین! ایک اور معاملے مین بھی آپ کی توجہ کی ضرورت ہے۔ آپ کو یاد ہوگا کہ پرچہ ہر سال پیشگی ویلیو پی ایبل روانہ کر دیا جاتا تھا۔ مگر سنہ ۱۹۰۸ء مین محض اس خیال سے کہ اشاعت مین بے نظمی رہی ہم نے کسی صاحب کی خدمت مین وی۔ پی نہین بھیجا۔ اب چونکہ بارہ پرچے آپ کی خدمت مین پہونچ چکے۔ اور سنہ ۱۹۰۷ء و سنہ ۱۹۰۸ء مین ملا کے ہم نے مضامین و تاریخ و لائف کی پوری جلدین مکمل کر کے آپ کی خدمت مین پہونچا دین۔ اسلیے اب ہم گذشتہ سال کی قیمت مانگنے کے بھی مستحق ہین اس گذشتہ قیمت کے لیے ہم پرچہ وی۔ پی تو نہین بھیجنا چاہتے مگر امیدوار ہین کہ آپ اپنی عنایت سے اس سنہ کا چندہ بذریعہ منی آرڈر ارسال فرما کے کارخانے کی مدد فرمائین گے۔ تاکہ ہمین اصلاح و ترقی مین مدد ملے۔ سنہ ۱۹۰۹ء کے دو پرچے وقت پر نکالنے کے بعد تیسرا پرچہ مارچ سنہ ۱۹۰۹ء کا دلگداز اسی سنہ ۱۹۰۹ء کی پیشگی قیمت پر البتہ وی پی روانہ کیا جائے گا۔ لیکن اس گذشتہ سال کی قیمت کے متعلق ہمین آپ کی عنایت و مہربانی و شفقت اور قدیم مربی گری سے امید ہے کہ ہمارے بلا طلب آپ ارسال فرما کے ہمین ہمیشہ کے لیے رہین منت فرمائین گے۔

اگر کوئی صاحب آیندہ خریداری کے متعلق متردد ہون تو جنوری سنہ ۱۹۰۹ء کا پرچہ دیکھ کے رائے قائم فرمائین۔

دلگداز

بڑے بڑے فلسفیون کو دعوی ہے کہ اعادہ معدوم محال ہے۔ ایسے ایسے مستند لوگون کا یہ قول ہے تو درست۔ مگر ہمین تو اسکے خلاف نظر آتا ہے۔ اسی دلگداز کو

دیکھیے کہ یا تو ۱۸۸۷ء مین جب یہ پہلے پہل دنیا مین آیا ہے صرف ایک جز کا ایک ننھا سا خوبصورت پرچہ تھا - اور ایسا دلچسپ و دلفریب کہ جسکی نظر پڑ گئی دل و جان سے خریدار ہوگیا - بے اختیار جی چاہنے لگا کہ اُٹھا کے کلیجے مین رکھ لے - گویا کسی کی نگاہ ناز تھا کہ جسپر پڑ گئی گھائل ہو گیا - اور جسے ایک نگاہ مستانہ سے دیکھ لیا اپنا بنا لیا - اس حالت کو ایک ہی سال گذرا تھا کہ ۱۸۸۸ کے شروع سے ایک جز ناول بڑھا یا گیا - پہلا دور گویا بچپن کا دل لُبھانے والا عہد تھا اور اب عنفوان شباب تھا - پہلی دلربائی مین اگر ایک قسم کا کھلونا پن تھا جو اپنی سطحی نمایش سے دلون کو لُبھا لیا کرتا تھا تو اب اُس مین ایک پُر اثر متانت پیدا ہوئی جو سنجیدہ اور متین لوگون کو اپنا فریفتہ کر لیتی -

چند سال بعد ایک جز تاریخ کا اور بڑھا یا گیا جس نے اس مین پختہ مغزی کا جوش پیدا کیا - اُسکے چند روز بعد اُس مین لائف کا ایک جز اور اضافہ کیا گیا - اور اب یہ ساڑھے تین جز یعنی ۷۵ صفحون کا ایک معقول و متین رسالہ تھا جس مین ہر مذاق کی باتین تھین اور ہر رنگ کی دلفریبیان -

پار سال جبکہ یہ سات آٹھ مہینون تک سرزمین دکن سے شایع ہو چکا تھا یہ خیال کر کے کہ اسوقت تک اسے جتنی ترقیان حاصل ہوئی ہین یا روحانی قسم کی تھین اور یا کثرت مضامین سے علاقہ رکھتی تھین اب اسے جسمانی ترقی بھی دی جائے - ارادہ کیا گیا کہ اس کا پیمانہ ۱۸ + ۲۲ سے بڑھا کے ۲۰ + ۲۶ کر دیا جائے - اور ستر نظر مذاق والے قدر دانان سخن کے مطابق صرف ۱۲ سطر رکھا جائے - یہ ارادہ عمل مین آجاتا تو شاید اسکی کوئی اور ہی وضع و صورت ہوتی - مگر ایسا تغیر و تبدل خدا کو منظور نہ تھا - بمصداق اسکے کہ "ارادۃ اللہ غالبٌ علیٰ ارادۃ الناس" - ایسی ترقی کی نوبت نہ آئی اور ہم ایسے افکار و ترددات مین رہے کہ ایک برس تک اس کی اشاعت ہی ملتوی پڑی رہی - یہان تک کہ خدا نے اُس انتظام کو بالکل پلٹ دیا -

اب ایسی مجبوریان پیش آئین کہ ہمین پھر اپنے اصلی مرکز لکھنؤ مین واپس آنا پڑا - اور قدرت نے اس معشوقۂ دلربا یا اس ہونہار پرچے کو پھر اُسی گہوارے مین ڈالدیا جس مین اپنے عہد طفولیت مین پرورش پائی تھی جس کے جھونکون سے کبھی یہ ہنسی خوشی کے ساتھ کھیلتا اور کلکاریان مارتا نظر آتا تھا - اور کبھی بچپن کی میٹھی نیند مین غافل سو جاتا

گو اسی سرزمین مین وہ پہلے گر گر کے اُٹھا - چوٹین کھا کھا کے سنبھلا تھا - اور اسی
مین کھیل کود کے بڑا ہو گیا تھا - یہین اس سے بچپن کی مزیدار بیا ختگیان ظاہر ہوئی
تھین - اور یہین اس نے جوانی کی شوریدگیون کا لطف اُٹھایا تھا مگر اب کی جو قدرت
نے اسے اُسی گہوارے مین ڈالا ہے تو وہی پہلا سا بچہ بنا کے - تاکہ نئی زندگی کے
مزے لے - از سر نو پرورش پا کے بڑا ہو - اور دنیا کو پھر وہی آغاز عمر کے کرشمے دکھاوے
جو پہلے دکھا چکا ہے - جن کا عالم جب کبھی لوگون کو یاد آ جاتا ہے دل ہی دل مین مزہ
لے لیا کرتے ہین اور بے اختیار زبان سے کہہ اُٹھتے ہین کہ اب کا دلگداز وہ نہین جو پہلے
تھا - مگر آیئے دیکھیے اور نئے مزے لوٹیے - کہ پھر وہی پرانا دلگداز آپ کے سامنے ہے
وہی بچپن کی بیا ختگیان پھر نمایان ہین - اور ۱۹۱۰ء کے آغاز مین آپ کو وہی لطف
حاصل ہو رہا ہے جو ۱۸۸۷ء مین حاصل ہوا کرتا تھا -

یہ اعادہ معدوم نہین تو کیا ہے ؟ جو چیز دامن فنا مین غائب ہو گئی تھی پھر نظر آئی
یا نہین ؟ دلگداز کے قدردانون کی طرح خود دلگداز کے بھی وردِ زبان یہ دعا تھی کہ ع
ہمچو زلیخا بشبابم رسان ؛ خدا نے اُسے سُن لیا - اور یہ معجزہ یوسفی اُسے نصیب ہو گیا
کہ زلیخاے مصر کی طرح پھر عنفوان شباب ہے اور یوسف کا سا حُسن نظر فریب - ہُو بہو
وہی دلگداز دیکھ لیجیے جو ۱۸۸۷ء یعنی اپنے عہد اوّلین مین نظر آتا تھا -

اس مین شک نہین کہ جن لوگون کے مشتاق کان اسکی دل لبھانے والی زبان سے
ناول کے پیرائے مین رنگ رنگ کی سحر بیانیان اور تاریخ و لطائف کے ذریعے سے طرح طرح
کی سچی کہانیان سننے کے عادی ہو رہے ہین اُنکو شکایت ہو گی کہ اب اس سولہ صفحے کے پرچے
مین سوا متفرق مضامین کے اور کیا رکھا ہے ؟ لیکن جب وہ یہ سنین گے کہ ان سولہ صفحون
مین وہ لٹریری کرامتین اور ادبی معجز نمائیان ہین جنھون نے مدتون نظم و سخن مین اپنا
سکہ چلایا تھا - رمز شناسان ادب و انشا اور قدردانان سخن جن کے دلدادہ تھے اور
جن کا چٹخارا آج تک زبانون پر باقی ہے -

رہی ناول اور تاریخ کی اشاعت - اسکی نسبت مختلف تجربون اور آزمائشون کے بعد
اور ہر قسم کی مصلحتون کو پیش نظر رکھ کے یہ طریقہ اختیار کیا گیا ہے کہ بجاے اسکے کہ دلگداز
کے ساتھ متفرق طور پر ایک ایک جز شائع ہوتا رہے آیندہ ختم سال سے پہلے دس بارہ

جزو کا ایک ناول اور اتنی ہی بڑی ایک تاریخی کتاب مکمل و مرتب کر کے قدردانون کے سامنے پیش کردی جایا کرے۔ موجودہ حالت مین اکثر احباب کو شکایت بھی ہے کہ درمیان کے کسی ایک جزو کے تلف ہو جانے سے پوری کتاب ناقص اور بیکار ہو جاتی ہے۔ قطع نظر اسکے ایک جزو کے پڑھ لینے سے مضمون تشنہ رہ جاتا ہے اور دل کو ایک قسم کی الجھن رہتی ہے۔ اس جدید انتظام اور قدامت کا رنگ از سر نو اختیار کر لینے سے یہ سب شکایتین رفع ہو جائین گی۔ اور ناظرین دلگداز کو ہماری جو کتاب ملیگی مکمل اور دلچسپ ہوگی اور پوری ہوگی۔

لہذا آیندہ سے دلگداز صرف ۱۸ + ۲۲ پیمانے کے ایک جزو پر نکلا کرے گا۔ اُس مین صرف لٹریری یا تاریخی مضامین ہونگے۔ اور قیمت حسب سابق صرف ایک روپیہ (عہ) سالانہ مع محصول ڈاک ہوگی۔ دوران سال مین جو ناول یا تاریخی کتابین تیار ہون گی اُنکی قیمت مقرر کرکے بذریعہ دلگداز ناظرین کو فوراً بتادی جائے گی۔ اور اُنکو اختیار ہوگا کہ قیمت ارسال فرماکے یا ویلیوپی ایبل بھیجنے کی اجازت دے کے طلب فرمالین۔ قدردانان دلگداز مین سے جو حضرات چاہتے ہون کہ اس قسم کی ہر کتاب بلا انتظار درخواست اُنکی خدمت مین تیار ہوتے ہی بھیجدی جایا کرے وہ اگر اس قسم کی عام اجازت دیدین گے۔ تو اُن کا اسم گرامی ایک جداگانہ رجسٹر مین درج کر لیا جائیگا۔ اور ایک ہفتہ پیشتر ایک اطلاعی کارڈ روانہ کرکے کتاب اُنکی خدمت مین وی۔ پی بھیجدی جایا کریگی۔

زمانے کے انقلابات سے جدید سبق حاصل کرنے کے بعد ہم نے قطعی ارادہ کر لیا ہے کہ اب دلگداز برابر استقلال سے اور وقت پر نکلتا رہے۔ اور خدا سے امید ہے کہ ہمارے اس ارادے کو ضرور نباہے گا۔ لہذا قدردانان دلگداز توجہ فرمائین۔ اور اس عزیز ترین پرچے کی اشاعت بڑھانے مین مدد دین۔ اب قیمت کچھ نہین صرف (عہ) سالانہ ہے۔ جو کسی کو گران نہین گذر سکتی۔ ہم اپنے دوستون سے امید کرتے ہین کہ وہ دلگداز کی ترقی و اعانت مین کوئی دقیقہ نہ اُٹھا رکھین گے۔

سنہ ۱۹۱۰ء سے رخصتی ملاقات

او سال جانے والے اچھا خدا حافظ! اچھے آئے اور اچھے جاتے ہو۔

جس طرح عیسائیوں میں فادر کرسمس نئے نئے کھلونے لایا کرتے ہیں تم ہمارے لیے نئی نئی اور مزے مزے کی تمنائیں لائے تھے۔ اور اب تم جاتے ہو تو اس وقت بھی ہمارے سینے آرزوؤں اور اُمیدوں سے مالا مال ہیں۔ مگر جس ازلی دربار میں جاتے ہو وہاں اتنی سفارش بھی کر دینا کہ یہ آرزوئیں جو تم ہمارے دلوں میں پیدا کر کے چلے ہو دل کی دل ہی میں نہ رہیں بلکہ پوری بھی ہوں۔

تم نے اپنے عہد کے درمیانی حصے میں ایک بڑا قیامت کا دھڑکا پیدا کر دیا۔ ایک ایسا عظیم الشان دُمدار ستارہ اس عظمت و جبروت اور ایسے زور و شور سے ہماری طرف بڑھتا چلا آتا تھا کہ ہمیں کیا ساری دنیا کو خیریت نہیں نظر آتی تھی۔ اہلِ ہیأت نے یہ کہہ کے دہلا دیا کہ اول تو یہ ایک ایسی زبردست ٹکر دے گا کہ وعدۂ قرآنی کے مطابق دنیا کا یہ سارا کارخانہ نسیاً منسیاً اور یہ بڑے بڑے سرفلک پہاڑ کالعہن المنفوش (دُھنکی ہوئی روئی کے گالوں کی طرح) منتشر اور پریشان ہو جائیں گے۔ اور بالفرض اُسکی زد سے بچ بھی گئے تو اُسکی آتشیں دم کے اثر سے بچنا دشوار ہے جس میں تمام اہلِ عالم جل بھُن کے خاک ہو جائیں گے۔ مگر خدا نے بڑی خیریت کی۔ بچے اور بال بال بچے۔ تاہم اسکا اثر ہو یا نہ ہو ایک قیامت ضرور برپا کر دی کہ ہمارے ہر دلعزیز اور صلح جو تاجدار کنگ ایڈورڈ ہفتم کو ہمیشہ کے لیے ہم سے چھین لیا۔ جو ایک ایسا سانحہ تھا کہ قیامت تک تمھارے نام کو ایک نحوست کے عنوان سے آشکارا کرتا رہے گا۔ اسلیے تم اگر ایک داغ دیکے جاتے ہو تو ایک داغ لیکے بھی جاتے ہو۔

مگر باوجود ان سب باتوں کے تم جس وقت چلے ہو دنیا کو اچھی چہل پہل اور رونق پر چھوڑ کے چلے ہو۔ شاہ ایڈورڈ کے بعد تم نے ہمارے سریرِ شہریاری پر ایک جوان ہمت و جوان بخت تاجدار کو جلوہ فرما کر کے ہمیں ایک اچھا رحمدل اور عدالت گستر شہریار ہی نہیں دیا بلکہ چلتے چلاتے ہمارے لیے ایک نئے نائب السلطنت لارڈ ہارڈنگ کو بھی لائے ہو۔ جو امید ہے کہ ہمارے حق میں نعم البدل ہونگے اور جن کی ذات سے ہماری ساری قومی و ملکی اُمیدیں وابستہ ہیں۔ یہی نہیں بلکہ اس سے بڑھ کے تم نے اپنے خاتمے پر ہمیں یہ مژدہ سنا دیا کہ جنوری ۱۹۱۲ء میں تاجپوشی کے موقع پر خود بدولت حضور ملک معظم کنگ امپرر شاہ جارج پنجم رونق افروز ہند ہونگے جو

ہندوستان کے برٹش عہد کی تاریخ مین بالکل نیا اور ہندوستانیون کے حوصلے سے زیادہ مسرت و شادکامی کا واقعہ ہے۔ ہندوستان ایک خالص مشرقی ملک اور بادشاہ پرستون کی بستی ہے۔ یہان والے بادشاہ کے نام سے جیتے اور بادشاہ کے جمال جہان آرا کی زیارت کو عبادت تصور کرتے ہین۔ یہان کے بت پرست اپنے بادشاہ کو دیوتا اوتار۔ یا مظہر ایزدی۔ اور یہان کے موحد اُسے سایۂ الٰہی تصور کرتے ہین۔ ایسے لوگون کے حق مین اپنے بادشاہ کے قدمون سے دُور اور اپنے تاجدار کی حضوری سے محروم رہنا دراصل ایک قسم کا ظلم ہے جس کو اہل مغرب محسوس بھی نہین کر سکتے۔

لیکن الحمدللہ کہ اس تغافل کے جور کو خود حضور جارج پنجم نے پوری طرح محسوس فرمایا اور ہمارے اس درد دل کے علاج کے لیے آمادہ ہو گئے۔ اور ہندوستان جوش دل اور خلوص عقیدت سے کہہ رہا ہے کہ ع "بیا بیا و کرم کن کہ خانہ خانۂ تست"۔ ہندوستان کی آرزو تو یہ ہے کہ حضور شاہ جارج یہین رہ کے ہم پر حکومت کرین اور ملاحظہ فرمائین کہ ہماری اطاعت کیشی و فرمان برداری بڑھی ہوئی ہے یا اہل مغرب کی؟ اور بادشاہ پرستی مین کون ہے جو ہمارا مقابلہ کر سکے۔ تاہم جب لوگون کی ایسی آرزوئین اور تمنائین ہون۔ اور جن کی آنکھین مدتون سے اپنے بادشاہ اور تاجدار کی صورت زیبا دیکھنے کو ترس گئی ہون۔ اُنھین یہ خوشخبری سُن کے کہ ہمارے بادشاہ فلک بارگاہ خاک ہند کو عزت اور ہمارے قدیم تاریخی دار السلطنت شہر دہلی کو رونق بخشنے والے ہین جیسی اور جس قدر خوشی نہ ہو کم ہے۔ یہ اُس قسم کی خوشی ہے جس سے اہل ہند اپنے آپ کو ہمیشہ کے لیے محروم سمجھ چکے تھے۔ اور مایوس ہونے کے بعد جو آرزو پوری ہو اُس کی قدر جاننے والے بھی میرے خیال مین زیادہ تر شعرائے مشرق ہی ہین۔ بہر حال خدا رحمت کرے تجھ پر اے سنہ ۱۹۱۰ء کہ تو نے چلتے چلاتے ایک ایسا مژدہ سنا دیا کہ ع

برین مژدہ گر جان فشانم رواست ۔ تو نے اپنے زمانہ مین چاہے کیسے ہی مظالم کیے ہوتے اور چاہے کتنی ہی تکلیفین پہونچائی ہوتین یہ تیرا ایک آخری مژدہ ایسا تھا جو سب پر بالا ہو کے سارے ہجوم آلام کو سامنے سے ہٹا دیتا اور ہمین ایسا نظر آتا کہ گویا کوئی رنج تھا ہی نہین۔

مگر اس مژدہ کے سُنانے سے پہلے تو نے ملک مین ہر طرف بڑی چہل پہل پیدا

کر رکھی تھی جو کسی عہد مین نہین ہوئی ہین اور جس بات سے ہندوستان کی تاریخ بالکل نا آشنا ہے
تیرے اس مختصر عہد نے تاریخ پلٹ دی۔ جو ملک مشرقی بادشاہ پرستی اور بادشاہ کی
زبان کو ملک کا قانون سمجھنے کا عادی ہو اُسی ملک مین رعایا کو حکومت مین حصہ مل جانا
اور اُسکے نائبون کا وائسراے سے لے کے وزیر ہند تک کی کونسلون مین شریک ہوجانا
ایسی باتین ہین جو اے جانے والے سال تیرے نام کو قیامت تک روشن رکھین گی۔

اے سنہ ۱۹۱۰ع تو نے ہمارے ساتھ ہر طرح کی بھلائی ہی کی۔ اور تیرے اتنے
احسانات ہین کہ ہم سے بن نہین پڑتا کہ ع شکر کس کس مہربانی کا کرین تیری ادا؟ کاش
ان سب باتون کے ساتھ اہل ہند کو اتنی سمجھ بھی ہوتی کہ ملکی نفع کو قومی نفع پر اور قومی
نفع کو شخصی نفع پر ترجیح دین۔ اور ان ذلیل مخالفتون سے باز آئین جو اُنھین روز
بروز زیادہ ذلیل کرتی جاتی ہین۔ مگر اسکو تو کیا کرے؟ جس قوم اور جس گروہ کی قسمت
ہی اُلٹی ہو۔ جسکے افراد شخصی اور ذاتی منافع پر سارے ملک کے قربان کر دینے کو
آمادہ ہون۔ اُسکے لیے کوئی تدبیر کارگر نہین ہو سکتی۔

خیر ان بدنصیبون کو تو اُنکے حال پر چھوڑ۔ اور خوش جا۔ کیونکہ اپنے جانے کے
وقت تو ہم سب کو بھی خوشی اور طرح طرح کی دلچسپیون مین مصروف و مشغول چھوڑ چلا
ہے۔ ہر جگہ بڑے دن کی خوشیان منائی جا رہی ہین۔ آسمانی اُمیدون کا نیا پارسل
آسمان سے اُتر کے ہمارے قریب پہونچ چکا ہے اور نیو ایرس ڈے یعنی سال نو کے پہلے
دن انتظار نے ساری دنیا مین ایک ذوق و شوق پیدا کر دیا ہے۔

الہ آباد کی نمائش کھلی ہوئی ہے۔ جو دنیا کی ترقیون کے تمام نمونے اہل ہند کے
سامنے پیش کر کر کے اُنکی آنکھین کھول رہی ہے۔ اُسکے پاس نیشنل کانگرس مین وطن پرستان
ہند اپنی آزادیون اور اپنی آتش بیانیون سے برٹش تاج کی برکتون اور کرامتون کا
ثبوت دے رہے ہین۔ کہین مسلمان ایجوکیشنل کانفرنس مین شریک ہو کے اپنی علمی ترقیون
کی تدابیر سوچ رہے ہین۔ اور کہین اُنھون نے مسلم لیگ کا جھنڈا بلند کر کے اپنے
پالٹکس اور اپنے تمدن کے مسائل چھیڑے ہین۔ الغرض جدھر دیکھیے لطف و مسرت
دلچسپیون اور گرمجوشیون ہی کے سامان نظر آ رہے ہین۔ لہذا اے سنہ ۱۹۱۰ع تو ہمین متردد و
متفکر نہین بلکہ مسرور و شادکام اور خوشی کے جشن مناتے ہوئے چھوڑے جاتا ہے۔

بڑی ناشکری ہوگی اگر اس موقع پر ہم تیرے اُن احسانات کو نہ ظاہر کریں جو خاص ہم پر اور ہمارے دلگداز پر ہوے ہین - دلگداز کے لیے سچ یہ ہے کہ تو تمام گذشتہ سنین سے اچھا اور خوش نصیبی کا سال تھا - دلگداز خدا سے یہ آرزو کرے کہ

یوسف اقبال بہ خواہم رسان   ہمچو زلیخا بہ شباہم رسان

اور از سرِ نو عالم طفولیت کی وضع اختیار کرکے تیرے گہوارے مین لیٹا تھا - جسے تو نے اچھے پینگ دیے - اور اپنے آغوش شفقت مین بڑی دردمندی سے پالا - سال بھر وہ برابر وقت پر شایع ہوتا رہا - ابتدائی ششماہی مین تو اُسی وضع وحالت پر تھا جو کہ شروع مین تھی مگر دوسری ششماہی کے شروع ہوتے ہی اُسکے اوراق بھی بڑھ گئے اور کاغذ - لکھائی - چھپائی اور ہر حیثیت سے اُس نے بے انتہا ترقی کی - پہلے پرچے مین دو ایک مضامین دیگر جادو نگارون کے بھی تھے مگر اسکے بعد ہی سے قدردانون کا اصرار دیکھ کے پابندی کرلی گئی کہ اسکے صفحات پر سوا ایڈیٹر کے اور کسی کی کوئی تحریر نہ ہوا کرے - مضامین بھی اس سال دیگر سنین کے دیکھتے بہت اچھے رہے - دلگداز کا اس سال تاریخی ذخیرہ بہت نیا اور بہت زیادہ ہے - یون تو تاریخی مضامین بہت سے پرچون مین شایع ہوتے رہتے ہین لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو جیسے تازہ - نئے - اچھوتے اور ضروری واقعات تاریخی ان بارہ مہینون مین دلگداز نے پیش کیے ہین اور کوئی کم پیش کرسکا ہوگا - پھر اسکے ساتھ دلگداز کی ادبی خصوصیت - یعنی جیسی زبان - جیسے الفاظ - جیسے رنگ - اور جس مستند اور دلچسپ لٹریچر مین دلگداز نے اُن واقعات کو بیان کیا یہ اُسی کا کام تھا - اور اُسی پر ختم ہے - ہمارے اس سال مین خیالی مضامین جن کے ذریعے سے نثر مین کمال شاعری دکھایا جاتا ہے اگرچہ سابق کی بہ نسبت کم رہے - کیونکہ اپنے ملنہ خالص لفاظی اور ہوا مین خیال کے قلعے بنانے کو زیادہ پسند نہین کرتا لیکن جتنے تھے ایسے تھے کہ قدردانون نے اُنھین بہت پسند فرمایا -

اے سنہ ۱۹۱۰ع تیرے ہاتھون دلگداز کی جو کچھ اصلاح ہوئی ہر طرح قابل شکرگذاری ہے - اور اُس سے بھی زیادہ بڑھا ہوا تیرا یہ احسان ہے کہ تو نے ملک مین دلگداز کو زیادہ سرخ رُو کرایا - جس کا ثبوت اس سے بڑھ کے کیا

ہو سکتا ہے کہ جنوری سنہ ۱۹۱۰ء کے آخر مین جب پہلا نمبر نکلا ہے اُسوقت اسکی اشاعت ۴۰۰ سے زیادہ نہ تھی اور اب بفضلہ تعالیٰ ۱۴۰۰ سے زیادہ ہے۔

ہم نے وعدہ کیا تھا کہ جب اسکی اشاعت ۲۰۰۰ سے بڑھے گی اُسے بجاے ایک جزو کے ڈیڑھ جزو کا کردین گے۔ چنانچہ وہ وعدہ پورا کیا گیا۔ اور اب کہتے ہین کہ جس دن اسکی اشاعت ۴۰۰۰ کو پہونچے گی اُس دن اسی قیمت مین اسے دو جزو کا رسالہ بنا دین گے جس اُمید کو یقین ہے کہ وہ قدردان و قدرافزا جن کے آغوش شوق مین لے سنہ ۱۹۱۰ء تو دلگداز کو چھوڑ چلا ہے ضرور پورا کر دین گے۔

لوگون کو ناول نہ ہونے کی شکایت تھی۔ مگر ہمین یہی مناسب معلوم ہوا کہ بجاے متفرق اجزا شایع کرنے کے ناولون کو مکمل کر کے ناظرین کے ہاتھ مین دیدیا کرین۔ چنانچہ "تاریخی ناول" فلپانا" جسکے متعلق ہر طرف سے تحسین و مرحبا کی آوازین آرہی ہین شایع کر دیا گیا۔ اور ایک نیا سوشل ناول "غیب دان دُلھن" آیندہ چھپنے مین بلاقیمت او رہدیۂ نذر ناظرین کیا جائے گا۔ صرف ایک روپئے مین ایسے مضامین۔ ایسا کاغذ۔ ایسی چھپائی اور پھر ایک ناول کا مفت نذر کیا جانا بہت زیادہ ہے۔ اور اپنے حوصلے سے بڑھی ہوئی جرأت ہے۔ مگر اے سنہ ۱۹۱۰ء یہ تیری ہی حوصلہ افزائیان ہین جو ہماری ہمت بندھا کے ہمین اپنے کرم فرماؤن اور مہربانون کی خدمت گذاری پر آمادہ کر رہی ہین۔

لہذا جا! خوش خوش جا! اور خیر و خوبی سے جا۔ مگر جانے سے پہلے اتنی مہربانی اور کرتا جا کہ آنے والے سنہ ۱۹۱۱ء سے ہمین دو کلمۂ خیر کے ساتھ انٹروڈیوس کرا دے اور اُس نئے زمانے کا چارج لینے والے سے سفارش کر دے کہ تیری طرح اُس کا سلوک بھی ہمارے ساتھ اچھا ہی رہے۔ اور جیسا تُو ہمارے حال پر مہربان تھا وہ بھی رہے۔

نیا سال

یہ تو سچ ہی ہے کہ "العالم متغیر" روز دیکھتے ہی رہتے ہین کہ ابھی کیا تھا اور ابھی کیا ہو گیا۔ دن کے بعد دن۔ مہینے کے بعد مہینہ۔ اور سال کے بعد سال گذرتے چلے جاتے ہین۔ اور مجال کیا کہ کوئی روک سلے۔ زمانہ کیا ہے؟ ایک ہوا کا جھونکا ہے کہ ہم

ہزار ہاتھ پاؤن مارین اُس پر کچھ اثر نہین ہوتا - لاکھ روکنا چاہین نہین رُکتا - اور صبح کو رخصت ہونے والے پیارے مہمان شب کی طرح دامن چھڑا کے چلا ہی جاتا ہے - مگر تحقیق طلب امر یہ ہے کہ ایسے انقلابات زمانہ پر ہمین خوش ہونا چاہیے یا افسوس کرنا چاہیے؟ غور سے دیکھو تو یہ بھی لوگون کی حالت اور اُنکے مذاق پر منحصر ہے - جن لوگون کو خدا نے کامیاب کیا ہے بامراد و اقبالمند ہین - خوشیان مناتے اور ایک مسرت سے لطف اُٹھا کے بعد دوسری مسرت کے امیدوار ہوتے ہین - اور جن برگشتہ بختون کی قسمت مین ناکامی و نامرادی لکھی ہے اُنھین "کہ مبادا زین بتر گردد" کے دھڑکون سے اس بات کا غم ہوتا ہے کہ مصیبت نہین گئی تھی کہ دوسری آ پہونچی - ناز و نعمت کے آغوش مین پلنے والون کی سال گرہون مین شادی اور خوشی کے چہچہے نظر آتے ہین - عنفوانِ شباب والون کو ہر نئے سال کی صبح نئی امیدوں اور تازہ آرزوؤن کا باغ سبز دکھاتی ہے - اور انکے مقابل سن انحطاط والون کو ہر انقلاب زمانہ پر افسوس ہوتا ہے کہ مرنے سے ایک سال اور قریب ہو نچ گئے - صحبت عیش والون کے دل مین یہ جوش ہوتا ہے کہ سال گذشتہ جو حسرتین دل مین رہ گئی تھین اب کی برس نکلین گی - اور ایک حرمان نصیب فلک دوز کھینچ کے کہتا ہے ع انکی بھی دن بہار کے یون ہی گذر گئے ۔ اور غالباً اسی کا ایک کرشمہ یہ بھی ہے کہ انگریزون مین شروع سال پر خوشیان منائی جاتی ہین اور ہمارے یہان ماتم کیا جاتا ہے -

لیکن یہ سب باتین اعتباری تھین - جن کا دارُمدار حیثیت و حالت پر یا انگریزی اصطلاح مین یون کہا جائے کہ "پوائنٹ آف وِیو" کے لحاظ سے تھا - ہمین یہ دیکھنا ہے کہ ان سب حیثیتون سے قطع نظر کر کے فی نفسہ انقلابات زمانہ کوئی خوشی کی چیز ہین یا غم کی؟

اگرچہ کفار کے بارے مین ہو مگر قرآن مین ذکر کہ ہنسو کم اور روؤ بہت "فلیضحکوا قلیلاً ولیبکوا کثیراً" غالباً اسی کی مناسبت سے ہمین آغاز سال ہجری پر ہمیشہ ایک مہینہ خصوصاً ابتدائی دس دن ایسے ملتے ہین جو رونے کے لیے ہین - جب سے مغربی تہذیب و تمدن کے ساتھ سنہ عیسوی کا رواج ہوا ہے ہمارا زیادہ تر خیال مسیحی سال کے تغیرات ہی پر رہا کرتا ہے - چنانچہ ہمارے اخبارات ختم سال اور شروع سال کے مضامین دسمبر اور جنوری مین

کہا کرتے ہین - اور بہت کم ہین جنھین سنہ ہجری کے بدلتے وقت خیال بھی آتا ہو کہ سال بدل گیا - مگر اب کی خدا نے شاید ہمارے متنبہ کرنے ہی کے لیے ایسا کیا کہ عیسوی و ہجری سال ایک ساتھ ہی بدلے - سنہ عیسوی کے دو دن بعد سنہ ہجری بھی ختم ہوگیا - ۳ - جنوری ۱۹۱۱ء کو یکم محرم ۱۳۲۹ ہجری تھی - یعنی خدا نے دو دن کا موقع دے دیا کہ شروع سال پر خوشیون کی ہوس اگر دل مین ہو تو نکال لین - اور پھر آکے ہماری بزم ماتم مین شریک ہو جائین -

ہمارے سنہ ہجری کا اختتام ایک ایسے مہینے پر ہوتا ہے جو خدا کی درگاہ مین جانون کی قربانیان پیش کرنے اور جان کا خراج خالق جان کی نذر کر کے حق سمجھدار رسید کا حق ادا کرنے کے لیے مخصوص ہے - کہتے ہین کہ اگلے دنون دیوتاؤن پر یا خدا ہی کا تقرب حاصل کرنے کے لیے حق کی قربان گاہ پر لوگ انسان کی قربانیان بھی کیا کرتے تھے - اس ظالمانہ رسم کی بدولت اگلی پرسطوت قومون نے بڑے بڑے ظلم و ستم کیے ہین - اور اُس حضرت رب العزت نے بھی چاہے کبھی امتحان و آزمایش کے لیے کسی کو ایسی قربانی پر آمادہ ہونے کا موقع ذرا دیدیا ہو مگر اسکی نوبت نہین آنے دی - حضرت ابراہیمؑ اپنے بڑے بیٹے اسمٰعیلؑ کی قربانی کے لیے تیار ہوگئے تھے - لیکن جب وقت آیا تو خدا نے چھری کُند کر دی - اسی طرح حضرت سرور کائناتؐ کے جدامجد عبدالمطلب اپنے فرزند ارجمند عبداللہ کی قربانی کرنے کو آمادہ ہوگئے تھے مگر آخر خدا نے اُن کے عوض اونٹون کا کفارہ قبول کر لیا - مگر اس سے یہ نہ سمجھو کہ انسان کی قربانی موقوف ہوگئی - اُسکی قربانی اسلام کے پیشتر بھی ہوئی بعد بھی ہوئی اور قیامت تک ہوتی رہے گی - اس کا سلسلہ البتہ موقوف ہوگیا کہ ایک انسان دوسرے کو پکڑ کے لٹائے اور "اللہ اکبر" کہہ کے اُسکے گلے پر چھری پھیر دے - مگر انسانی قربانی کا یہ سچے ایثار نفس و حق پژوہی کو ظاہر کرنیوالا شریفانہ طریقہ ہمیشہ دنیا کا سرمایۂ ناز رہے گا کہ انسان خود ہی کلمۂ توحید پڑھتا اور نعرۂ اللہ اکبر بلند کرتا ہوا بڑھے اور حق کی طرفداری مین جان دے دے -

خیال کرو کہ اس مبارک قربان گاہ پر کیسی کیسی قیمتی جانین چڑھی ہین - اسی پر سقراط کی قربانی ہوئی - اسی پر حضرت زکریاؑ اور عیسٰیؑ کے ایسے خدارسیدہ پیغمبرون نے اپنی جانون

کی قربانیان چڑھائین۔ اسی پر حمزہؓ و جعفرؓ کی مبارک زندگیان قربان ہوئین۔ اسی قربان گاہ پر فاروق اعظمؓ۔ عثمان ذی النورینؓ۔ اور علی مرتضیٰؓ کی قربانیان چڑھین۔ اور اسی پر حضرت امام حسینؓ نے اپنے سارے خاندان کے ساتھ غریب الوطنی۔ مظلومی اور بیکسی کے عالم مین اپنی قربانی چڑھائی۔

مذکورۂ بالا واقعات مین سے آخری واقعہ ایسا حسرتناک و پُراندوہ تھا کہ اُسکی یادنے سنہ ہجری کے پہلے مہینے کو ہمیشہ کے لیے غم و الم اور نوحہ و ماتم کا مہینہ بنا دیا۔ گو اس مین بھی پوائنٹ آف ویو مختلف وضعین پیدا کرتا ہے۔ کسی کا خیال اودھر جاتا ہے کہ ہمارے شہدا کا استقلال اور کمال شجاعت و بےنفسی سے اُن کا جان دیدینا ہمارے لیے سرمایۂ ناز ہے اور ایک ایسا کفارہ ہے جسپر خوش ہونا اور خدا کا شکریہ ادا کرنا چاہیے۔ جیسے کہ عیسائیون مین باوجود اس اعتقاد کے کہ حضرت مسیحؑ نہایت ہی مظلومی و بےرحمی سے کمال ثبات و پائداری کے ساتھ مصلوب ہوگئے۔ اور باوجودیکہ اُن کا خون انسان کے گناہون کا کفارہ تصور کیا جاتا ہے مگر اُنکی مظلومی و مصلوبی پر کسی قسم کا رنج و غم نہین کیا جاتا۔ اور اُنکی ولادت پر جو خوشیان منائی جاتی ہین وہ ساری دنیا مین ایک چہل پہل پیدا کر دیتی ہین۔ اور کسی کا خیال اپنے شہیدون کی مظلومی و مصیبت پر افسوس کرنے۔ اُنکے غم مین خون کے آنسو بہانے اور اُنکو غم و الم مین مبتلا خیال کر کے سوگوار بننے اور اپنے اوپر ہر قسم کی لذتین حرام کر لینے کی طرف جاتا ہے اور وہ بجاے خوش ہونے کے صدائے نوحہ و بُکا بلند کرتے۔ سر پیٹتے اور سینہ زنی کرتے ہین۔ جیسا کہ حضرت امام حسینؓ کے غم مین حضرات شیعہ کیا کرتے ہین۔ یہ دونون وضعین اپنی اپنی جگہ پر سچی ہین۔ لیکن ان سے اتنا ظاہر ہو جاتا ہے کہ ایسے قومی کارنامون اور ایسی اعلیٰ درجے کی قربانیون کو یاد کر کے رونا یا خوش ہونا بھی محض اعتباری ہے۔ لہذا اب بھی پتہ نہ چلا کہ انقلاب زمانہ پر نیچر کا تقاضا کیا ہے؟ ہنسنا یا رونا؟ اور قرآن پاک مین جو بتا دیا گیا ہے کہ "منسوکم اور روؤبہت" اسکا منشا کیا ہے؟

یہ راز صرف اس فلسفیانہ قول سے کُھل سکتا ہے جو صوفیون اور فلسفۂ الٰہی والون کا پُرانا شعار ہے کہ "مَنْ عَرَفَ نَفْسَہٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّہٗ" جس نے اپنے نفس کو پہچانا اپنے پروردگار کو بھی پہچان لیا۔ اس بات کا خیال کرو کہ سال گذشتہ مین ہمنے کیا کیا اور

نہیں کیا کرنا تھا؟ ہمارے فرائض کتنے تھے اور اُن میں سے کتنے ادا ہوئے؟ سچ
یہ ہے کہ سارا سال غفلت و بے پروائی اور نفس پروری و نفس پرستی میں بسر ہو جاتا
ہے اور اس کا خیال بھی نہیں گذرتا کہ وقت کس سرعت اور تیزی سے بھاگا جاتا ہے اور
ہم اُسکے مقابل کس قدر سست اور کاہل ہیں - اور اپنے فرائض کے ادا کرنے اور اپنی
ذمہ داریوں کے بجا لانے میں کہاں تک غافل و بے پروا ہیں؟

خدا کا حکم تو بس اتنا ہی ہے کہ ہنسو کم - مگر ہماری حالت ایسی ہے کہ اگر ہم اُس کا
اندازہ کریں تو شاید رونے کے سوا ہنسنے کے لیے وقت ہی نہ ملے گا - لیکن افسوس تو یہ ہے
کہ اپنی غفلتوں پر ہمیں تنبہ نہیں ہوتا - اور جب دیکھیے ہنستے ہی ہنستے ہیں - اور شاید خدا
نے ابکی سال ہمارے چونکانے ہی کے لیے عیسوی سال کے آغاز کے ساتھ ہی محرم کو بھی
شروع کر دیا جو رونے ہی کے لیے ہے -

لیکن اسکا کیا علاج کہ ہمارے غم نے بھی صورت عیش اختیار کر لی ہے - بیشک بہت
سے گھروں میں ماتم ہو رہا ہے - نوحہ خوانی کی آواز بلند ہے - اور مجالس عزا کا زور و شور
ہے - لیکن اسکے ساتھ ہی ظاہری حالت کو دیکھو تو نظر آتا ہے کہ شہر میں جو چہل پہل آج
ہے سال بھر میں کبھی نہ تھی - جا بجا روشنی کے خاص اہتمام ہوتے ہیں - امام باڑے آراستہ
و پیراستہ ہیں - اور دنیا بھر کے تکلفات اور سامان عیش اُن میں لا کے جمع کر دیے گئے
ہیں - اظہار غم کی ضرورت سے لباس کے لیے جو ماتمی رنگ اختیار کیا گیا ہے اُس میں
بھی وضعداری اور شوقینی نے ایک تراش خراش پیدا کر دی ہے - سونے چاندی کا
زیور بڑھانے کے بعد جس سادے زیور کو ترجیح دی گئی اُس نے حسن و جمال میں ایسا
بانکپن پیدا کر دیا ہے کہ بہت سے لوگ چاہتے ہونگے کہ خدا کرے بارہوں مہینے محرم ہی
رہے - اس بانکپن اور تراش خراش کے ساتھ بہت سی گھروں کی بیٹھنے والیاں زیارت
کرنے کے لیے تاروں کی چھاؤں میں نکل کھڑی ہوتی ہیں - جن کی حالت دیکھ کے شبہہ ہوتا
ہے کہ آیا زیارت کرنے کو نکلی ہیں یا زیارت کرانے کو - دوسری طرف جن لوگوں کو
دید بازی کا لپکا ہے وہ کچھ ایسا بیتاب اور چھبیلا دل گھر سے لیکے چلے ہیں جو ہر قدم پر
مچلتا اور ہر صورت پر لوٹ ہو جاتا ہے - ان سب باتوں نے مل کے مجموعی طور پر ایسی
چہل پہل اور رونق پیدا کر دی ہے کہ جس کے دیکھنے کو لوگ دور دور سے چلے آتے ہیں -

بھلا یہ غم کی صورتین ہین؟ افسوس اظہار غم ہی کے جوش نے یہ رنگ پیدا کر دیا ہے کہ دیکھنے والون کو شبہہ ہوتا ہے کہ ہم محرم مین یہ غم منا رہے ہین یا سامان مسرت فراہم کرکے ہر جگہ اور ہر شہر مین ایک زبردست میلا کر رہے ہین - ان باتون سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ دراصل نہ ہم کسی قسم کا غم کرتے ہین اور نہ ہمین غم کرنے کا سلیقہ ہے - اگرچہ جنت کے دروازے زیادہ تعمیم کے ساتھ کھول دیے گئے ہین - اور رونے کی صورت بنانے مین بھی وعدہ نجات کیا گیا ہے لیکن اسکا کیا علاج کہ ہمین رونے کی صورت بنانا بھی نہین آتا -

بہر تقدیر اس مین شک نہین کہ خواہ مذہبی طریقے سے یا اپنی حالت کے لحاظ سے شروع سال پر ہمین غم و افسوس ہی کرنا چاہیے - اگر اور کوئی بات نہین تو اسی پر سہی کہ ہمین غم کرنا چاہیے تھا اور افسوس کہ غم کرنا نہ آیا -

لیکن یہ جو کچھ ہے ہماری ذات کے لیے ہے - ناظرین دلگداز کو ہم نہایت ہی صدق دل سے مبارکباد دیتے ہین کہ سنہ گذشتہ کی سرحد سے قدم نکال کے اُنھون نے نئے برس کے پُرامید و آرزو میدان مین قدم رکھا -

سنہ ١٩١١ع اور ہم

"رخصت ہونا ہو تو ہنسی خوشی سے رخصت ہونا چاہیے" اسکی آرزو تو سب کرتے ہین مگر ہو کسی سے نہین سکتا - چند روز کا ساتھ چھوٹتے وقت دل گھبرا ہی آتا ہے - مگر سنہ ١٩١١ع حقیقت مین ہم سے ہنسی خوشی رخصت ہوا - اور یہ چلتے چلاتے ہمین مسرت و شادمانی اور کامیابی و کامرانی کی ایسی بہار دکھائے جاتا ہے کہ کبھی نہ بھولیگی - اور ہمین کیا ہمارے ہندوستان کو اپنی اس قدامت پر کبھی نہین نصیب ہوئی تھی - بلکہ ہندوستان کے وہم و گمان مین بھی نہ تھی - شہنشاہ جارج پنجم کا بہ نفس نفیس ہندوستان مین آکے دربار کرنا کوئی معمولی بات نہین ہے - یہ سکندر کا آنا نہین ہے جو اُلوالعزمی کی ہوس پوری کرنے اور یہان کی سلطنتون کو اُلٹنے آیا تھا - یہ محمود کا آنا نہین ہے جو فتحمندی کے جلوے دکھانے اور ملک مین ہلچل ڈالنے کیلیے حملے پر حملہ کر رہا تھا - یہ تیمور و بابر کا آنا نہین ہے جو خون کی ندیان بہاتے ہوے دہلی تک پہونچے تھے - یہ ایک ایسے امن دوست

شہنشاہ اور صلح و آشتی کے دیوتا کا نزول اجلال ہے جس کی مہربانیاں ۱۹۱۱ء کو یاد دلا کے ہمیں ہمیشہ مسرور کر دیا کرین گی۔

ہر بات ختم ہو جاتی ہے۔ ہر آنے والا جاتا ہے۔ اور ہر زمانہ گذر جایا کرتا ہے۔ مگر اے ۱۹۱۱ء تیرا جانا اور برسون کا سا جانا نہین۔ تو ہمین خوش کر کے جاتا ہے۔ ہمین عزت و افتخار بخش کے جاتا ہے۔ ہماری آرزوئین پوری کر کے جاتا ہے۔ ہمارے باغ امید مین موسم بہار کا جلوہ دکھا کے اور ہمارے دلون کی کلیان کھلا کے جاتا ہے۔ اس لیے ہم تجھے یاد کر کے ہمیشہ خوش ہوا کرین گے۔ اور تجھے ساری مدۃ العمر مین مبارک فالی کا سال تصور کرتے رہین گے۔

حضور جارج پنجم نے بھی ہمارے ساتھ شریک ہو کے تجھے ہندوستان ہی مین رخصت کیا۔ اسکے بعد وہ اگرچہ اپنے وطن مالوف کو واپس جائین گے مگر تیرے عہد کی یہ برکت ہمیشہ باقی رہے گی کہ دہلی پھر ہندوستان کا دارالسلطنت بن گئی۔ اور شاہجہان آباد کے پہلو مین جارج آباد قائم ہوا جس کی نسبت ہماری دعا ہو گی کہ ابدالآباد تک قائم رہے سچ یہ ہے کہ شہر دہلی تخت و تاج کو ڈھونڈھ رہا تھا اور تخت و تاج شہریاری اس پرانے شہر کے مشتاق تھے۔ اے ۱۹۱۱ء تجھی نے ہمارے تاجدار جہان پناہ کو اس جانب متوجہ کیا کہ ان دونون شوقون کو پورا کر کے حق کو حقدار تک پہونچا دین۔

مگر افسوس اے ۱۹۱۱ء تو مسلمانون کے حق مین اچھا نہین ثابت ہوا۔ تو نے مراکو کی پرانی سلطنت کو پامال کیا۔ تو نے اٹلی کو ایک سیہ کارڈاکو بنا کے طرابلس الغرب پر بھیجا اور ہماری بدقسمتی سے سارے یورپ کے ہاتھ پیرون مین نیوٹرلیٹی کی زنجیرین ڈالدین اور چلتے چلاتے تو نے ایران پر روس سے چڑھائی کرادی۔ اور بہ اسباب ظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دولت عجم چراغ سحر ہے۔ افسوس دولت قاجاری کے ساتھ شوکت کیانی و ساسانی۔ رستم و اسفندیار کی داستان کہن سعدؓ بن ابی وقاص کی شجاعت دیلمیون اور صفویون کی حشمت و رفعت سب خاک مین ملنے والی ہین۔ فردوسی و نظامی اور سعدی و انوری کی شاعری اور پرانے پر لطف و پرشکوہ فارسی لٹریچر کے ساتھ ایران کی آزادی کی تاریخ چند ہی ساعت کی مہمان ہے۔ یورپ نہین چاہتا کہ کوئی اسلامی سلطنت باقی رہے۔ کسی مشرقی سلطنت مین دم نہین۔ اور جس مین دم ہے اُسے

کوئی علاقہ نہین - لیکن خوب یاد رکھنا چاہیے کہ مسلمانون ہی تک ایشیا بھی ہے- اور جس دن اسلامی سلطنتین نہ ہونگی ایشیا بھی نہ ہوگا - ہم مٹین گے مگر ایشیا کو مٹا کے مٹین گے -

ہندوستان مین اِن دنون خوشی کے شادیانے بج رہے تھے - شہرون شہرون اور گانوئن گانوئن مین ورود شاہی پر خوشیان منائی جاتی اور روشنیان کی جاتی تھین - سب محو عیش تھے - اور ہر شخص عیش و عشرت مین مصروف تھا - مگر یہان بھی زمانہ مسلمانون کو آزار پہونچانے سے باز نہین رہا - حضور شہنشاہ جارج پنجم نے ملک کی جو نئی تقسیم فرمائی اُسکی رُو سے بنگالے کا پُرانا پارٹیشن منسوخ کیا گیا اور نیا پارٹیشن عمل مین آیا - اگرچہ بنگالیون کو بھی کچھ نہین ملا - مگر انھین کہنے کو ہوگیا کہ آج ہم ہی جیتے - گو دوسرے پہلوئون سے اُس سے زیادہ ضرر پہونچ گیا ہو - مگر مشرقی بنگالے کی کثیر التعداد مسلمان آبادی کو سخت صدمہ پہونچا - اور وہی لوگ جو گورنمنٹ کی حمایت مین پُر جوش معترضون سے لڑ رہے تھے ایک سناٹے مین آگئے کہ یہ کیا ہوا -

یہ فعل حضور جارج پنجم کا ذاتی فعل ہرگز نہین ہو سکتا - کیونکہ جب تک پارلیمنٹ اور ہندوستان کی کیبینٹ نے اسکو منظور نہ کرلیا ہوگا ہمارے شہنشاہ نے ایسا یکطرفہ حکم ہرگز نہ جاری کیا ہوگا - لہذا اسکی ساری ذمہ داری خود برٹش گورنمنٹ کی اعلیٰ جماعت حکمرانی پر ہے - لیکن شاید برٹش گورنمنٹ سے اپنی ساری تاریخی زندگی مین کبھی کوئی ایسا عاقبت اندیشی کا فعل نہ سرزد ہوا ہوگا جیسا کہ یہ ہے - ہر کام کا کوئی مقصد اور اُسکی کوئی غرض ہوا کرتی ہے - اگر یہ مقصد تھا کہ بنگالیون کی شورش زدگی جائے اور اُنکی آرزو پوری کی جائے تو پھر چاہیے تھا کہ بنگالے کو ویسا ہی بنگالہ بنایا جاتا جیسا کہ وہ پہلے تھا - اسکے کیا معنی ہین کہ ایک طرف تو جو اضلاع بنگالے سے چھینے گئے تھے پھر اُسکو پھیر دیے گئے - اور دوسری طرف اُس سے زیادہ یا صرف اُتنا ہی رقبہ اُس سے الگ کر لیا گیا - اگرچہ بنگالیون نے سردست خموشی اختیار کرلی اور اوپری دل سے فقط دکھانے کیلیے خوش ہوگئے کہ ہماری ضد پوری ہوگئی لیکن اُنھین کیا خاک اطمینان ہو سکتا ہے جب دیکھتے ہین کہ جتنا ملک دیا گیا اُتنا ہی دوسری جانب سے لیلیا گیا - اور اُسپر طرہ یہ کہ بنگالے سے دارالسلطنت بھی چھین لیا گیا - اس سے زیادہ غلط کیا کارروائی ہو سکتی ہے کہ جن لوگون کو خوش کرنا تھا اُنکی خاطر جمعی نہ ہوئی اور نہ حقیقت مین وہ خوش ہوے - اور جو اسوقت تک

خوش تھے وہ گورنمنٹ کا تلوّن دیکھ کے بدظن اور ناراض ہو گئے۔ خلاصہ یہ کہ ہندو پوری طرح خوش نہین ہوے اور مسلمان جو خوش تھے وہ چاہے زبان سے کچھ نہ کہین مگر ناراض کر دیے گئے۔ ہم نہین سمجھ سکتے کہ کسکو کون شخص سیاست دان کا اچھا فیصلہ تسلیم کر سکے گا۔ بہر تقدیر ۱۹۱۱ء کی اس مضرت سے جو مسلمانون تک محدود تھی مسلمانان ہند بھی محفوظ نہ رہ سکے۔

اور جب اسلامی سلطنتون کے لیے یہ سال اچھا نہ تھا تو پھر بھلا اُسکے تیر ستم سے دلگداز کیونکر بچ سکتا تھا؟ جو اسلامی لٹریچر سے خصوصیت رکھتا ہے۔ دلگداز پر اس سال اول سے آخر تک آفتین نازل ہوتی رہین۔ سب سے پہلی مصیبت یہ تھی کہ محمد فاروق جن کے ہاتھ مین سارا انتظامی کام تھا ایسے بیمار پڑے کہ آج تک صاحب فراش ہین۔ اور اس قابل نہین کہ ذرا سا بھی کام کر سکین۔ اُنکی اصلی شکایت اور بیماری جو اسی سال کے آغاز مین شروع ہوئی یہ ہے کہ پیٹ مین ایک بیتاب کرنے والا درد کھانا کھانے کے پانچ چھ گھنٹے کے بعد عین ناف کے مقام پر ہوتا ہے۔ جو رہ رہ کے اُٹھتا ہے اور گھنٹون قائم رہتا ہے۔ جتنا درد بڑھتا جاتا ہے سارے پیٹ کی سختی بھی بڑھتی جاتی ہے۔ اس کا علاج یونانی ڈاکٹری سب ہی طرح کا ہوا۔ مگر کچھ فائدہ نہ ہوا۔ اسی سلسلے مین ایک ڈاکٹر صاحب کی دوا سے بخار اور کھانسی پیدا ہو گئی۔ جس نے لزوم اختیار کر لیا اور یہ حالت ہو گئی کہ ہر گھڑی بخار رہتا جو ۱۰۳ درجے سے کم نہ ہوتا اور بڑھ کے ۱۰۴ یا ۱۰۵ درجے تک پہونچ جاتا۔ اطبا اور احباب کو سل و دق کا یقین ہو گیا۔ اور ضعف اور دُبلاپن بڑھتا جاتا تھا۔ اور غذا ترک ہو گئی تھی۔ یہان تک کہ مجھے یقین ہو گیا کہ اب دو تین دن سے زیادہ کے مہمان نہین ہین۔ اسی حالت مین محض اسی خیال سے کہ شاید کچھ بھوک کھلے اُنھین "کیپلر زمالٹ آف کاڈ لیور آئل" کا استعمال شروع کرا دیا گیا جسے حیدرآباد کے ایک ڈاکٹر صاحب نے اُنکے لیے مرض سے پہلے تجویز کیا تھا۔ اُسکے استعمال سے فوراً وہی نتیجہ ظاہر ہوا جو مین چاہتا تھا۔ یعنی بھوک کھلی۔ غذا ہونے لگی۔ اور وقت آنے کے ساتھ ذرا دُبلاپن بھی کم ہوا۔ بہر حال یہ دوا اُنکے حق مین اکسیر ثابت ہوئی جس کے استعمال کے ساتھ ہی علاج مطلقاً ترک کر دیا گیا۔ اور صرف اُسی کی پابندی کی گئی۔ اُسنے اتنا سنبھال دیا کہ آج تک زندہ ہین۔ مگر اصلی درد کسی طرح نہین جاتا۔ یون تو روز ہی ہر غذا کے پانچ چھ گھنٹے بعد درد شروع ہو کے دو چار گھنٹے تک قائم رہتا ہے مگر چندرہ

بیس روز بعد اُس کا ایک دورہ سا پڑتا ہے جس مین درد زیادہ شدید ہوتا ہے - بہت دیر تک رہتا ہے اور اُسکا سلسلہ کئی دن تک قائم رہتا ہے - مین نے فاروق سلمہٗ کی بیماری کی کیفیت اسلیے زیادہ وضاحت سے عرض کردی کہ اکثر احباب خطوط مین کیفیت پوچھا کرتے ہین اور مجھے اتنی فرصت نہین کہ سب صاحبون کو جدا جدا تفصیل سے لکھا کرون اور اس بیان کر دینے مین یہ بھی غرض ہے کہ اگر کسی صاحب کو اس مرض کا کوئی مجرب علاج معلوم ہو تو اُس سے مجھے مطلع فرمائین -

بہر حال فاروق سلمہٗ کی بیماری دراصل دلگداز کی بیماری تھی - مجھے بہت سا وقت اُنکی تیمارداری مین بھی صرف کرنا پڑا - اور دل و دماغ اس قابل نہین رہے کہ پبلک کی پوری پوری خدمت کر سکون - اُدھر آخر سال مین مجھے بے وقت اور بےموقع اپنے بڑے لڑکے صدیق سلمہٗ اور اپنی ایک لڑکی کی شادیان کرنی پڑین - جن سے آخر ذی الحجہ سنہ [illegible]ھ مین مجھے نجات ملی - یہی اسباب ہین جن کی وجہ سے دلگداز کی اشاعت مین بدنظمی رہی -

دلگداز کی زندگی کا آیندہ سال امید ہے کہ بہت اچھا ہوگا - مگر ہم کو اپنے کرم فرما قدردانون کی محبت اور بیحد عنایتون سے اکثر ایسی چھٹیان لینے کا موقع مل جاتا ہے - سچ یہ ہے کہ ع کرم ہائے تو مارا کرد گستاخ - آپ ایسے مہربان نہ ہوتے تو ہم ایسے بےپروا بھی نہ ہوتے - اب دلگداز مین تاریخی مضامین زیادہ ہوتے ہین جن کی ضرورت بھی ہے - اور یہی مذاق ہے جسکی طرف ابنائے عصر اور ہمارے تعلیم یافتہ نوجوانون کو زمانہ متوجہ کر رہا ہے - تاریخ ہی کے مذاق سے اس سال "حسن کی کرشمہ سازیون" کا ایک دلچسپ سلسلہ جاری ہوا - اور آخر تک کچھ نہ کچھ چلتا ہی رہا - بعض وقت خیال آتا ہے کہ ایک ہی عنوان کو پڑھتے پڑھتے لوگ اُکتا جائینگے - مگر یہ سلسلہ ہے ایسا پُرلطف اور دلچسپ کہ چھوڑے نہین چھوٹتا - اس سلسلے کے ذریعے سے ہم نے دنیا کی بڑی بڑی خاتونون کے حالات اُردو دان پبلک کے سامنے پیش کر دیے ہین جن سے ملک کے زن و مرد بہت کچھ فائدہ اُٹھا سکتے ہین - اور اگر اسی طرح بہت سی تالیفین جدا جدا مرتب ہو جائین تو ہمین یقین ہے کہ اُردو مین بہت اچھا اور دلچسپ تاریخی ذخیرہ فراہم ہو جائیگا -

جو حضرات شروع سنہ ۱۹۱۱ع سے خریدار ہین اُنکی خدمت مین اس سال ایک نیا

ناول ہدیۃً پیش کیا جائیگا - ابکی ہم نے تاریخی ناول لکھا ہے - اور اُس کا مقصد یہ ہے کہ مسلمانون کے دونون فرقون سُنّی اور شیعہ کے باہمی اختلاف کے بُرے نتائج اُنکی آنکھون کے سامنے پیش کردیے جائین - یہ ایسا نازک مسئلہ ہے جسپر قلم اُٹھانے کی جرأت نہ ہوتی تھی کیونکہ کوئی ایسا مشورہ صلح دینا جس سے کوئی ایک فریق راضی ہو جائے دشوار معلوم ہوتا ہے اور ہر قدم پر دھڑکا لگا رہتا ہے کہ شیعہ یا سُنّی خفا نہ ہو جائین - مگر مین نے ان سب اندیشون کو دل سے دُور کرکے یہ ناول مرتب کر دیا - جو غالباً مارچ یا اپریل سنہ ۱۲ء مین چندۂ دلگداز اور اپنے محصول عہ یا عہ پر وی پی حاضر ہوگا -

سنہ ۱۹۱۲ء اور سنہ ۱۳۳۰ھ

دو نئے مہمان ہین اور دونون ایک ہی ساتھ چند روز کے فصل سے آگے پیچھے آئے ہین - پہلے کا آغاز حسب معمول اور مغربی اقوام کے رواج کے مطابق سالِ نو کی خوشیون اور مبارکبادیون سے ہوا - اور دوسرے کا ایران و ہند کے رواج قدیم کے مطابق رنج والم اور غم وہم سے - سنہ عیسوی کے شروع ہونے پر اگرچہ سبھی دنیا مین عموماً مسرت و شادمانی کا اظہار کیا جاتا ہے لیکن اس مرتبہ سچ پوچھیے تو یہ سبھی برس بھی ہمارے لیے بعوض خوشی کے کسی قدر اندوہ و ملال ہی کا برس تھا - کیونکہ مرحوم سنہ ۱۹۱۱ء اپنے خاتمے پر ہمارے قیصر معظم شہنشاہ جارج پنجم کو یہان لے آیا تھا - جن کی رونق افروزی کی خوشی مین ہم سارے افکار و آلام کو بھول گئے تھے - ہر جگہ خوشی کے چہچہے اور جوش شادمانی کے ولولے تھے - مگر سنہ ۱۹۱۲ء کے آتے ہی ہمین اپنے عزیز شہنشاہ کو (ہنسی خوشی سے سہی مگر) رخصت کرنا پڑا -

مرور ایام کوئی خوشی کی چیز نہین - ہر برس بتاتا جاتا ہے کہ زندگی کا ایک سال کم ہوا - بچے بیشک خوش ہوتے ہین کہ ہم بڑون سے زیادہ قریب ہو گئے - مگر تغیر زمانہ کے ان یادگار موقعون پر سوا اسکے کہ ہم موت سے زیادہ قریب ہوتے جاتے ہین اور کوئی خیال نہین آسکتا - لہذا سن رسیدہ لوگون اور سمجھ والون کا ایسی نازک اور عبرت دلانے والی گھڑیون پر خوش ہونا طفلانہ مزاجی سے زیادہ وقعت نہین رکھتا -

زمانہ وعدون کی دلچسپ اور پُر اُمید دنیا ہے - کسی کو خوشی ہے کہ فراق کی راتین

مصیبت کی گھڑیاں کاٹ کاٹ کے کٹیں اور اب کسی کے آنے کا وقت ہے - کوئی بیمار خوش ہو رہا ہے کہ حکیم صاحب نے اتنے دنوں میں اچھے ہو جانے کا وعدہ کیا تھا اور اب اُس مدت کے پورے ہونے کو دو ہی چار دن باقی رہے ہیں - کسی ستم زدہ ماں نے دن گن گن کے اتنی مدت بسر کی اور اب کہہ رہی ہے کہ میرے بچے نے اتنے دنوں کے بعد سفر سے واپس آنے کا وعدہ کیا تھا وہ زمانہ خدا خدا کرکے ختم ہو گیا اور اب وہ آتا ہی ہوگا - اُدھر غریب الوطن دل میں خوش ہو رہا ہے کہ چند ہی روز رہ گئے ہیں کہ میں اپنی غربت کی مدت ختم کرکے گھر چلوں - عزیزوں اور دوستوں سے ملوں - اور اپنے اُن پیاروں کو دیکھوں جو میرے لیے حیران تھے - اور جن کی یاد میں مجھے کبھی کسی مسرت میں لطف نہ آتا تھا - اسی طرح دنیا کے جس شخص کے دل کو ٹٹولیے - چاہے وہ کوئی ہو - چھوٹا ہو یا بڑا - بوڑھا ہو یا بچہ - امیر ہو یا غریب - ادنیٰ ہو یا اعلیٰ اسی قسم کی کی آرزوؤں سے دل بہلاتا نظر آئے گا - مگر آہ! ان میں سے کتنے وعدے ہیں جو پورے ہوے؟ اکثر تو دل کے دل ہی میں رہے اور وعدہ آکے برابر ہو گیا -

اے ہمارے نئے مہمانو! اور اے قضا و قدر کے احکام و مقاصد کے حاملو! تم آئے اور زمانے کے دستور کے مطابق ہم تم سے مل کے خوش بھی ہو گئے - تم پر کیا موقوف ہے جو کوئی نیا شخص آتا ہے اُسکا خیر مقدم اظہار مسرت کے ساتھ کرنا ہی پڑتا ہے - اسی طرح ہم نے بھی تمہارا خیر مقدم کر لیا - تمہارے ورود کے مروجہ رسوم بھی ادا کر لیے - نئے عیسوی سال کے پہلے دن خوشی منائی - اور نئے ہجری برس کے آغاز میں برابر دس دن تک مصائب شہید کربلا پر آنسو بہاتے رہے - الغرض ہمیں جو کچھ کرنا چاہیے تھا کر لیا - مگر اے دونوں ناخواندہ مہمانو! تم بھی تو بتاؤ کہ ہمارے لیے کیا کیا لائے ہو؟ ہماری کون کون سی آرزوئیں تم نے پوری کیں؟ تمھیں بھی خیال ہے کہ ہماری کون کون سی اُمیدیں اور کیسی کیسی تمنائیں تمھارے ساتھ وابستہ تھیں؟ افسوس تم تو آ گئے مگر وہ وعدہ فراموش ظالم نہ آیا جس نے تمھارے ساتھ ہی آنے کا وعدہ کیا تھا؟ کمبخت نجومی نے کہہ دیا تھا کہ تمھارے آغاز کے ساتھ ہی ہماری مصیبت کٹ جائیگی اور کامیابی و خوشحالی کے دن شروع ہوں گے - کیا بتائیں کہ کیسی کڑی جھیل کے تمھارا انتظار کیا - اب تو تم آدھمکے مگر بتاؤ کہ ہماری اس خوشحالی اور قبال‌مندی

تو کہاں چھوڑ دیا۔ جس کا اُس ظالم ستارہ شناس نے وعدہ کیا تھا؟ وہی پریشانی وہی تباہی وہی فکرین اور وہی تردداتٍ جو پہلے تھے آج بھی ہین۔

ہم ہی پر منحصر نہین۔ ساری دنیا تمھین اُمید و آرزو کی نگاہ سے دیکھ رہی ہے۔ اہل عالم کی قسمتون کی زنبیل تمھاری بغل مین ہے اُسپر کس کی نگاہ نہین لگی ہوئی ہے؟ سب کی آنکھین تمھاری طرف ہین۔ مگر تم ایسے خاموش ہو کہ گویا ہمارے لیے کچھ لائے ہی نہین اور بالکل خالی ہاتھ آئے ہو۔

ہمارے یہان تو معمول ہے کہ جب کوئی نیا شخص آتا ہے تو لوگون کے لیے حسب حیثیت و مرتبہ سوغاتین لایا کرتا ہے۔ ہم بھی کہین دُور کے سفر پر جاتے ہین تو واپسی پر اپنے ملنے جُلنے والون اور احباب کے لیے جو کچھ بنتا ہے لے آتے ہین۔ مگر تم کو اسکا خیال نہین! ایک عالم تم سے آرزوئین رکھتا ہے اور تم کو پروا نہین۔ ساری دنیا تم سے اپنی مرادین مانگتی ہے اور تم کچھ نہین دیتے۔ تم سے اپنی آنکھون پر یہ بیمروتی کی ٹھیکری کیونکر رکھی گئی؟ تم پر تو اسکا اثر نہین ہوتا مگر سچ یہ ہے کہ تمھاری یہ حالت دیکھ دیکھ کے ہماری آنکھین کھُلی جاتی ہین۔

اچھا مانا کہ تم ایک ایسے بیمروتی و بے تعلقی کے عالم سے آئے ہو جہان سے جو کوئی آتا ہے خالی ہاتھ ہی آتا ہے۔ دنیا مین جتنے آئے خالی ہاتھ آئے۔ لیکن تم تغیرات و انقلابات اور دنیوی حالت کے بنانے بگاڑنے کا چارج لے کے آئے ہو کچھ تو بتاؤ کہ تم یہان کیا کروگے؟ تمھاری پالیسی کیا ہے؟ اور ہمارے ساتھ کیسا سلوک ہوگا؟ مگر نہین۔ تم کچھ کہتے نہین صرف کرتے ہو۔ خدا نے تمھین ہاتھ دیے ہین مُنہ نہین دیا۔ تمھارے تیور اور تمھارے چشم و ابرو کو دیکھ کے نجومیون نے پیشین گوئیان کردی ہین مگر خدا جانے وہ پوری بھی ہونگی یا نہین۔ ظاہر مین تو ہمین تم سے کسی فلاح و بہبود کی اُمید نہین۔ کیونکہ بجاے سکوت و خاموشی اور سکون و قرار کے تم دنیا مین ہل چل ڈالتے ہوے آئے ہو۔ اور ہم جدھر دیکھتے ہین جدھر ہنگامہ مچا ہوا ہے۔

مشرق مین جدھر سے تمھاری پہلی صبح کا طلوع ہوا تھا یعنی ممالک چین مین جنھین ہم مشرق اقصیٰ کہتے ہین بغاوت و خونریزی کا بازار گرم ہے۔ سلطنت کی بنیاد مین لرزہ پڑا ہوا ہے۔ اور ساری خلقت پریشان ہے۔ اسکے بعد ہمارا درجہ ہے۔ ہمین

اگرچہ شہنشاہ جارج پنجم کے اقبال نے تباہی سے بچا لیا مگر پھر بھی طاعون کی دستبرد سے موت کا بازار گرم ہے۔ ہمارے بعد ایران ہے وہاں کہرام مچا ہوا ہے۔ قدیم سلطنت اور ہزارہا سال کی آزادی خاک میں ملی جاتی ہے۔ منتخب روزگار علما و مجتہدین۔ سچے جان نثاران ملک فدائی قتل ہو رہے ہیں۔ اور ظالم و ناخداترس روسی سارے ملک کو تباہ کیے ڈالتے ہیں۔ اور آگے بڑھیے تو دولت عثمانیہ روم ہے۔ وہاں ایطالیہ کی قزاقانہ دست بُرد نے ساری ترکی دنیا میں برہمی پیدا کر دی ہے۔ طرابلس میں تو خونریزی ہو رہی ہے مگر سارا مشرق جوش و خروش کی وجہ سے بیقرار ہو رہا ہے۔ اور آگے قدم بڑھا کے مراکو میں جا کے دیکھیے تو اسپین کے ہاتھوں سے وہ تباہ ہو رہا ہے۔ خون کے دریا بہہ رہے ہیں۔ اور بنی نوع انسان ملک گیری کی ہوس اور اپنی آزادی بچانے کے شریفانہ جوش پر قربان ہو رہی ہے۔

ان تمام آثار کے دیکھنے سے پتہ چل جاتا ہے کہ ہمارے نو وارد مہمان کیسے ہیں؟ کس منش کے ہیں؟ اور کیا کرنا چاہتے ہیں؟

اے اُنیسویں صدی کے نئے برسو! اگلی صدیوں میں بیشک اس سے زیادہ خرابیاں پیدا ہو چکی ہیں۔ کبھی ایک ایسا برس بھی آیا تھا جس نے ساری دنیا کو غرقاب اور نذر طوفان کر دیا۔ ایسے برس بھی گذر چکے ہیں جن میں کسی ایک وبا نے آناً فاناً میں لاکھوں آدمیوں کو ہلاک کر ڈالا۔ اور ایسے برس بھی جن کے ہاتھوں پوری قومیں کی قومیں قتل و غارت اور فنا ہو گئیں۔ مگر وہ گذری باتیں ہیں جو موجودہ عہد میں بدتمیزی اور بدتہذیبی کی جانب منسوب کی جاتی ہیں۔ آج کل کی مہذب دنیا اُن باتوں کو یاد کر کے غصہ کرتی اور اپنے آپ کو اُس قدیم دَور کے واقعات سے بہت دُور تصور کرتی ہے۔ مگر کیا یہ حیرت کی بات نہیں ہے کہ اس تہذیب و شائستگی اور اس تعلیم و ترقی کے دَور میں بھی دنیا کی وہ قومیں جو مہذب ہونے کی دعویدار ہیں ہوس ملک گیری اور دوسری قوموں کے مغلوب اور تابع فرمان بنانے کے شوق میں ویسی ہی ظالمانہ کارروائیاں کریں؟ ویسی ہی خون کی ندیاں بہائیں؟ اور اسی قسم کی خود غرضیاں ظاہر کریں؟ اور نوع انسان کے حق میں وہ بھی ویسی ہی سنگدل ہو جائیں جیسی کہ وہ اگلی وحشی قومیں تھیں۔ تاتاری وحشی درندے تھے۔

اور خونریزی کے سوا اُنھیں کسی بات مین لطف نہ آتا تھا - بربر والے جنگل کے بھیڑیے
یا بالو کے دریا کے نہنگ تھے اور اپنے زمانے مین اُنھون نے بڑے بڑے مظالم کیے -
مگر اس صدی کے مہذب لوگون کو کیا ہو گیا ہے کہ تعلیم و تہذیب کے بعد بھی ویسے ہی
مردم خوار بھیڑیے اور اُسی طرح کے انسان کُش درندے بنے ہوے ہین -

نہین - ہرگز نہین - اے اس مدعی تہذیب دور کے تازہ وارد مہمان! ہم ہرگز
نہ مانین گے کہ یہ دُنیا مہذب ہو گئی ہے یا تم اگلے برسون کے خلاف کوئی تہذیب کا
کام کرنے کو آئے ہو - یا تم سے دنیا کو کچھ فائدہ پہونچے گا - دنیا مین وہی ہو گا جو
ہوتا رہا ہے - اور تم بھی وہی کروگے جو اگلے برسون نے کیا -

لہذا اے نئے برس! اسوقت ہم اور ہمارے ساتھ ساری دنیا والے جو تمھین
گھیرے ہوے ہین اور تم سے اپنی مرادین اور آرزوئین مانگ رہے ہین اُن سے پیچھا
چھڑانے کے لیے تم بھی وہی تدبیر کرو جو تم سے پہلے برس کرتے رہے ہین - سردست تم
آئندہ پر ٹال دو - اور ایک برس کا پھر وعدہ کر دو - وعدہ وفائی کا جب ہر وقت
آئے گا اُسوقت تم نہ ہوگے کوئی دوسرا ہوگا - وہ اہل عالم کے تقاضون کا حالت
مناسب معلوم ہوگا کرے گا - تم اس جھگڑے سے چھوٹ جاؤ گے -

ختم سال اور ہم

ہمین اُمید تھی اور اس کوشش مین لگے ہوے تھے کہ اب دلگداز کی
کسی قسم کی بدنظمی نہ ہونے پائے - مگر افسوس ہمارا کچھ زور نہ چلا - بدنظمی
اور سارے انتظامات درہم و برہم ہو گئے - ایک صاحب نے ہمارے چ
بر انگیختہ ہو کے مسلم گزٹ کے مضمون پر ہماری تنبیہ و تادیب فرمائی تھی - اُنکی
گو بے محل ہو مگر اشاعت دلگداز کی ابتری کے متعلق یہ خیال ظاہر فرمایا تھا کہ
تین پرچے ایک ساتھ آتے ہین - کیا عجب کہ آئندہ سال کے بارھون پرچے ایک سا
آجایا کرین" خدا جانے کس گھڑی اُنکے قلم سے یہ خیال ظاہر ہوا تھا کہ پورا ہی ہو کے
رہا - چنانچہ آج چھ سات مہینے بعد ہمین اپنے احباب سے ملنا نصیب ہوا ہے - اور
سات مہینون کے پرچے ایک ساتھ حاضر ہوتے ہین - اور وہ حضرت ہمارا قصور معاف

ہم ہمین کے نہ رہین گے ۔

پر کرنے سے اخبار ہمدرد کی حیثیت ایڈیٹری قبول کر لی تھی اور دہلی چلے گئے تھے ۔ دفتر دلگداز منشی حکیم سراج الحق صاحب منیجر دلگداز کے ہاتھ مین چھوڑ دیا گیا تھا ۔ مگر ہمارے جانے کے دس ہی پندرہ روز بعد سراج الحق صاحب کے والد یکایک ایسے بیمار ہوے کہ اُنھین مجبورًا اُنکی تیمارداری کے لیے چلا جانا پڑا ۔ آخر اُنکے پدر بزرگوار نے مسلسل دو مہینے بیمار رہ کے سفر آخرت کیا ۔ اور سراج الحق کے چلے جانے سے دفتر دلگداز مین کوئی اتنا بھی نہ رہا کہ معمولی خطون کا جواب دے سکے ۔

ادھر ہم جو دہلی مین گئے تو آفات و حوادثِ زمانہ کے ایسے شکار رہے کہ خدا یاد آگیا ۔ بندہ زادہ محمد صدیق حسن سلمہٗ جو علیگڈھ کالج مین پڑھتا تھا یکایک بیمار ہو کے ہمارے پاس دہلی مین آیا اور ایسا بیمار ہوا کہ اگر ڈاکٹر انصاری صاحب جو مسلمانانِ ہند کی طرف سے ایک طبی مشن لے کے قسطنطنیہ تشریف لے گئے ہین اُنکا سا حاذق طبیب اور بے نظیر سرجن نہ مل جاتا تو بہ اسباب ظاہر اُسکے جانبر ہونے کی کوئی اُمید نہ تھی ۔ ڈاکٹر انصاری نے اُسپر ایک نہایت ہی اعلیٰ درجے کا اور بہت نازک اپریشن کیا جس مین داہنی جانب ناف کے نیچے سات آٹھ پردون اور طبقون کو چاک کر کے اور آنتون کو درمیان سے ہٹا کے اُنکے پیچھے سے تقریبًا آدھ سیر مواد نکالا ۔ یہ اپریشن معجز نما طریقے سے کامیاب ہوا ۔ کیونکہ اسکے ساتھ ہی تمام شکایتین جاتی رہین ۔ اور جو کچھ شکایت باقی تھی صرف زخم کے اندمال کی تھی ۔ جس مین ڈیڑھ مہینے کے قریب زمانہ صرف ہوا ۔ لیکن خدا نے ہم پر بڑا فضل کیا اور ڈھائی مہینے کے بعد ہم صدیق کو لے کے گھر آئے ۔

الحاصل ہمین دہلی مین چین سے بیٹھنا نہ نصیب ہوا ۔ اور جتنے دنون رہے مایوسیون اور طرح طرح کی آفتون مین مبتلا رہے ۔ اِدھر ہمدرد اخبار جسکے لیے ہم گئے تھے وہ بھی بیروت سے ٹائپ کے غیر مکمل آنے اور مہینون تک اُس کا تکملہ نہ ہو سکنے کے باعث جاری نہ ہو سکا ۔ مسٹر محمد علی نے کوئی کوشش اور کسی قسم کی تگ و دو اُٹھا نہین رکھی لیکن معاملہ ایسا تھا کہ کسی قسم کا زور نہ چل سکتا تھا اور کوئی تدبیر بنائے نہ بنتی تھی ۔ آخر یہ دیکھ کے کہ وہان ہماری موجودگی سے کوئی کام نہین نکلتا اور دلگداز کا کام

بگڑتا چلا جاتا ہے۔ ۳۱ دسمبر ۱۹۱۲ء کو ہم صدیق سلمہٗ کے ساتھ لکھنؤ مین واپس آئے۔ اور بعض ایسی باتین پیش آئین کہ ہم نے دہلی جانے کا ارادہ ہی فسخ کر دیا۔ گو کہ اب حکیم سراج الحق صاحب بھی اپنے والد کے مرض موت مین حق سعادتمندی ادا کر کے واپس آ گئے اور دلگداز کا کام کر رہے ہین۔ اُنکے علاوہ صدیق حسن سلمہٗ نے بھی اب یہ ارادہ کر لیا ہے کہ لکھنؤ ہی مین ٹھہر کے جس طرح بنے دلگداز کو پورے انتظام سے چلائین۔ چنانچہ عام نگرانی و مراسلت کا کام اُنھون نے اپنے ہاتھ مین لے لیا ہے۔ باوجود اسکے ہم نے بھی ارادہ کر لیا ہے کہ لکھنؤ ہی مین رہین۔ اور آیندہ سوا تصنیف و تالیف کے کوئی کام اپنے ہاتھ مین نہ رکھین۔

اس طریقے سے اُمید ہے کہ ہم بہت جلد جلد عمدہ کتابین اپنے احباب اور اپنے معزز قدر افزاؤن کے ملاحظے مین پیش کر سکین گے۔ دلگداز کی تلافی مافات کی اسکے سوا اور کوئی تدبیر نہ تھی کہ ۱۹۱۲ء کے چھئون نمبر ایک ٹائٹیل مین اور اُنکے ساتھ ہی جنوری ۱۹۱۳ء کا دلگداز علحدہ ٹائٹیل مین مکمل کر کے ایک ساتھ قدردانان دلگداز کی خدمت مین روانہ کر دیے جائین۔ اور بعد سے اشاعت کا سلسلہ برابر قائم رہے۔ چنانچہ دلگداز کے ساتون نمبر پبلک کے پُرشوق ہاتھون مین دیے جاتے ہین۔ اور اُمید ہے کہ اسکے بعد انشاء اللہ سلسلہ اشاعت قائم رکھا جائیگا۔

۱۹۱۳ء مین جو ناول دلگداز کے خریداران ۱۹۱۳ء کی نذر کیا جائیگا وہ بھی چھپنا شروع ہو گیا ہے اور امید ہے کہ فروری کے پرچے کے بعد مارچ ۱۹۱۳ء مین وی۔ پی حاضر کیا جا سکے گا۔ اب کی جو ناول ہم اپنے کرم فرماؤن کی نذر کرین گے وہ تاریخی نہین ہے بلکہ اس کو زیادہ تر زمانۂ موجودہ کی حالت سے تعلق ہے۔ اس مین آج کل کے نالائق رئیسون اور والیان ملک کا شرمناک کیرکٹر دکھایا گیا ہے جس سے زیادہ عبرتناک تصویر ہمارے ناعاقبت اندیش اور ناخداترس رئیسون کے کیرکٹر کی نہین ہو سکتی۔

۱۹۱۳ء کا آغاز

دوستو! ۱۹۱۳ء گذر گیا اور ہم زندہ ہین۔ فاروق مرحوم جن کی زندگی سے ہمین

کو نہین دلگداز کو بڑی بڑی امیدین تھین سال مذکور کے ماہ فروری مین دنیا سے رخصت
ہو گئے مگر ہم اُنکی مفارقت کا صدمہ برداشت کرنے کے لیے عالم مین موجود ہین اور سلہ۱۹۱۳ع
کا خیر مقدم ادا کر رہے ہین مرنا جینا کوئی غیر معمولی چیز نہین۔ سب ہی کے لیے ہے۔ دنیا کا
کارخانہ ہی یہ ہے کہ ہستی کے ساتھ موت اور موت کے ساتھ ہستی ہے" "تولج الحی من
المیت و تولج المیت من الحی" مگر افسوس اس بات کا ہے کہ ہم دنیا کی اور تمام چیزون
کی طرح بےحس کیون نہین ہین۔ سارا غم والم اسی ظالم حس کی وجہ سے ہے۔ نہ ہمین
رنج و غم کی حس ہوتی نہ حرفِ شکایت زبان پر آتا۔ نہ چوٹ سے دکھ معلوم ہوتا اور
نہ فریاد بپا ہوتی۔ شجر و حجر اور دنیا کی لاکھون کرورون چیزین محض ایک بےحسی
کی برکت سے کس لطف اور آرام اور کیسی بےفکری کے ساتھ زندگی بسر کر رہی ہین؟
آفات و حوادث سے اُنھین بھی سابقہ پڑتا ہے۔ فنا و بقا اُنکے لیے بھی ہے۔ زمانہ
اُنھین بھی پیستا اور مٹاتا ہے۔ بجلیان اُنپر بھی گرتی ہین۔ پتھر اُن پر بھی پڑتے ہین۔
بادِ مخالف اُنھین بھی اُٹھا اُٹھا کے پھینکتی ہے۔ اور سیلِ حوادث اُنھین بھی بہا
لیجاتی ہے۔ غرض کون آفت ہے جو اُنکے سر پر نہین آتی؟ اور کون سی مصیبت ہے
جس سے اُنھین سابقہ نہین پڑتا؟ مگر بےحسی ایک ایسی نعمت عظمیٰ مل گئی ہے جس کے
باعث اُنھین خبر بھی نہین ہوتی کہ دنیا مین کیا ہو رہا ہے اور کوئی ہمارے ساتھ کیا
سلوک کرتا ہے۔ یہان سے اُٹھا کے وہان پھینکدو اُنھین خبر بھی نہین۔ پاؤن
سے ٹھوکر مارو اُنھین پروا نہین۔ خدا بھلا کرے بےحسی کا کہ یہ تمام آفتین جھیل جاتی
ہین اور زبان سے آہ نہین نکلتی۔ اور ایک ہم ہین کہ کمبخت حس کی بدولت ادنے
ادنیٰ چوٹ پر روتے اور ذرا ذرا سی تکلیفون پر واویلا و وامصیبتا کا شور مچا دیتے
ہین۔ خداوندا! اگر غم ہی دنیا ہے تو بےحس بنا۔ اگر قسمت مین یہی لکھ دیا ہے کہ ستائے
جائین تو پتھر کا دل بھی دے جسپر کسی بات کا اثر ہی نہ ہو۔ کیا فائدہ کہ تونے اپنی
کسی مصلحت سے ہمین مبتلائے آلام کیا اور ہماری زبان سے شکایت نکل گئی۔ ایذا
پہونچی اور ہم صبر نہ کر سکے؟

مگر نہین۔ یہ حس جسکا ہم دکھڑا رو رہے ہین بالکل بُری ہی نہین۔ دل صدچاک
پر جو سخت سے سخت چوٹین کھائین ہین اُن سے متاثر ہو کے ہم شکایت کرنے لگے

ورنہ یہی ایک بڑی بھاری رحمت و نعمت بھی ہے - اس حس سے جس طرح تکلیفین پہونچتی ہین اُسی طرح اس سے راحت مین مزہ بھی آتا ہے - کیسی کیسی لذتون سے ہم بہرہ یاب ہوتے ہین ؟ اور عالم کی دلچسپیون سے کیسے کیسے لطف اُٹھاتے ہین ؟ مانا کہ بعض غم ایسے ہوتے ہین جو ساری لذتون اور مسرتون کو خاک مین ملا دیتے ہین - مگر اُن کے مقابل بعض مسرتین بھی ایسی ہین جو سارے المون کو دم بھر مین نسیاً منسیاً کردیا کرتی ہین -

بیشک ہم فاروق مرحوم کے غم مین مبتلا ہوکے ایسے مغموم ہوے کہ اپنے فرائض کو بھول گئے - یہان تک کہ دلگداز کو بھی نہ سنبھال سکے - اُنکی بیماری و صحت کی فکر اور تگ و دو سے جو بدنظمی دلگداز کی اشاعت مین پیدا ہوئی تھی اُنکی وفات سے اور بڑھ گئی - چند پرچے نہایت مُردہ دلی سے ستم زدہ دل کو اُبھار اُبھار کے نکالے بھی تو بیمزہ تھے - یہان تک کہ سنہ ۱۹۱۲ع کے چھ نمبر نکلنے کے بعد دلگداز کی اشاعت کا سلسلہ ایسا رُکا کہ زمانے کو خیال ہوا کہ شاید دلگداز نے بھی اُن مرحوم کا ساتھ دیا - اور وہ بھی وہین گیا جہان وہ گئے ہین -

لیکن نہین - دلگداز اُنکی زندگی کے ساتھ نہ تھا ہماری زندگی کے ساتھ ہے بلکہ امید ہے کہ ہمارے بعد بھی باقی رہے - ہماری قسمت مین تھا کہ وہ ہمارے لیے سامان غم فراہم کرے - اور اُن تمام آلام و حوادث اور آفات و مصائب کے بعد ہمارے لیے اُن سچے دوستون اور عزیز ترین احباب سے دوبارہ ملنے کا ذریعہ بنے جنسے ملنا سچ یہ ہے کہ ہمین اپنے اُس مرحوم لخت جگر کی زندگی سے زیادہ عزیز ہے - اور جن سے مصاحبت ہونے اور بذریعۂ تحریر ملاقات کرنے کی مسرت ہماری تمام کلفتون کو دُور کر کے ہمین بہت ہی مسرور کردیتی ہے -

لہٰذا اے ہماری حس - اے اعلیٰ ترین نعمت ربّانی - ہم تیرے شاکی نہین بلکہ نہایت شکر گذار ہین - تیری وجہ سے ہمین کیسے کیسے مزے ملتے ہین!! اور کیسی کیسی شادکامیون کی دولت نصیب ہوتی ہے ؟ تو نہ ہوتی تو یہ پُرانے احباب سے ملنے کی مسرت اور سخن سنج قدردانون کی عنایتون سے بہرہ اندوز ہونے کی نعمت کیونکر حاصل ہوتی ؟ اور ان رحمتون سے ہم کیونکر لطف اُٹھا سکتے ؟ یہ ہماری پیاری اور ہماری مایۂ ناز زندگی

حسن ہی کا فیض ہے کہ آج ختم سال پر ہمین گذشتہ کے غم والم اور منحوس ۱۹۱۲ء کے مصائب وافکار بھول گئے۔ اسی سینے کو جو کل تک آتش الم کا تنور بنا ہوا تھا آج ٹٹولتے ہین تو حسرت کا کہین نام و نشان نہین۔ اور اُن گذشتہ افکار و آلام کی جگہ نئے ولولے اور حوصلے آکے بسے ہین۔ اور اُمید نے اپنا چراغ روشن کر دیا ہے اُنہین مزید ادا اور پُرلطف اُمیدون کے ہجوم سے جوش مین آکے ہم اپنے تمام احباب تمام قدردانون اور سارے خریداران دلگداز کو سال نو کی مبارک باد دے رہے ہین اور وہ نہایت ہی ذوق وشوق سے ہمین مبارک باد دیتے ہین۔ پیاری حسن - تو نہ ہوتی توبھلا یہ مبارکباد یان ہوتین؟ اور ان حوصلون اور ولولون مین مزہ آتا؟

جن کی زندگیان عیش وتنعم اور آرزومندی وبامرادی مین گذرتی ہین اُنھین بیشک انقلاب سال کے موقع پر غم کرنا چاہیے۔ اسلیے کہ افسوس راحت وآرام کا ایک سال گذر گیا اور شادکامی کی زندگی کا ایک برس کم ہوا - جن کا شباب جوش جوانی کے مزے دکھا رہا ہے - اُنھین صدمہ ہونا چاہیے کہ جوانی کے محدود قیمتی برسون مین سے ایک گیا اور پھر نہ آئے گا - جن کی راتین اس سال کسی وفاکیش نازآفرین کے پہلو مین جام پیتے گذرین وہ خوف زدہ ہو سکتے ہین کہ دیکھیے آیندہ سال بھی ایسی ہی لطف ومسرت کی راتین نصیب ہوتی ہین یا نہین -

مگر جنھین سارا برس غم ہی مین گذر گیا - جو سال گذشتہ کو اپنی زندگی کا منحوس ترین برس خیال کرتے ہون اُنھین غم کس بات کا؟ اُنھین تو خوش ہونا چاہیے کہ بڑے موذی سے پیچھا چھوٹا - اور یہ نیا سال شاید ہمارے حق مین مبارک ہو - لیکن یہ خیال کیون اور کس وجہ سے ہے؟ صرف حسن کے صدقے مین - حسن ہی ہے جسکے آغوش مین یہ امید وآرزو کی خوشیان اور حوصلہ مندی کی مسرتین پلتی اور نشو ونما پاتی ہین -

لہذا ناظرین! اس امیدون کی گھڑی اور نئے دور ارضی کے آغاز مین ہم اپنے آنسو پونچھ کے اور غم ایام پر خاک ڈال کے آپ سے خوشی خوشی ملتے ہین - اور آپ کی محبت وعنایت کے سہارے پر پھر ویسے ہی تازہ دم اور مستعد ہو کے لٹریری دلچسپیون کا سلسلہ چھیڑتے ہین - مانا کہ جوانی وشباب کے دل ودماغ رخصت ہو گئے اور جس قدر

وہ چوروں کی طرح دبے پاؤں آیا اور عجب معشوقانہ شوخی کے ساتھ ہمیں چھو کے نکل گیا۔ اور ہنوز خبر بھی نہ ہونے پائی تھی کہ ہم سے دُور اور گذشتہ کی لپیٹ میں آچکا تھا۔

لیکن خدا کی قدرت کا تماشا جیسا اس مختصر "اب" کی معجز نمائیوں میں نظر آتا ہے کسی چیز میں نہیں نظر آسکتا۔ باوجود اس اختصار موہومیت بلکہ لاعدمیت کے دنیا میں جو کچھ ہوا ہے اسی "اب" میں ہوا ہے۔ اور ہمیں اور ساری دنیا بلکہ سارے عالم مخلوقات کو جو کچھ ملا ہے "اب" ہی کی معرفت ملا ہے۔ غور سے دیکھو تو تخلیق کا نقش طلسمی اور عالم ہستی کی کنجی یہی "اب" ہے۔ جو کچھ ہے "اب" ہے۔ اور جو "اب" نہیں وہ دراصل نہیں ہے۔ غیر ممکن ہے کہ کوئی چیز ہو اور "اب" نہ ہو۔ اے سراپا اعجاز "اب"! تو ہی تو خدا کا وہ کلمۂ "کن" نہیں جسنے سارے عالم ہستی کو پیدا کیا ہے؟

آہ! "اب"! اُمید کو یاس اور یاس کو اُمید بنانے والی مہیب و دلچسپ "اب" تجھ میں بُری بھلی سب طرح کی باتیں ہیں۔ تو ہی مراد بر لاتی ہے۔ تو ہی نامراد کرتی ہے۔ تو ہی خوشی دیتی ہے۔ تو ہی رنج دیتی ہے۔ تو ہی ہنساتی ہے اور تو ہی رُلاتی ہے۔ کاش تجھے قیام ہوتا۔ کبھی تیرا دامن ہمارے ہاتھ میں آجاتا۔ اور ہم ایک گھڑی کے لیے روک کے دیکھ لیتے کہ تیری صورت کیسی ہے؟ تیرے طلسمی چہرے میں کیا بات ہے کہ اُس پر کسی کی نظر نہیں ٹھہرتی؟ اور تجھ میں کون سا جادو کوٹ کوٹ کے بھر دیا گیا ہے کہ تیری نیرنگیاں سارے عالم تخلیق کو حیران کیے ہوئے ہیں۔ تو ہمیں شاہد آرزو سے ہمکنار کراتی ہے مگر مدتوں تک ستا ستا کے اور ڈھکا ڈھکا کے۔ تو ہمیں ہموم و غموم میں مبتلا کرتی ہے مگر برسوں تک اُمید کے جھپارے دیدیکے اور خوشی کے خواب دکھا دکھا کے۔

لیکن "اب" میں جب رنج و راحت کے یہ دونوں متساوی اور متضاد پہلو موجود ہیں تو پھر یہ ہمیں اچھی اور دلچسپ کیوں معلوم ہوتی ہے؟ ہمارے دل میں اسکا اشتیاق کیوں ہے؟ اسکے شوق میں آیندہ کے تیرہ و تار عالم ظلمات کی طرف ہماری نظر کیوں لگی رہتی ہے؟ اور جب یہ آنکھ بچا کے گذر جاتی ہے تو اسکے پانے یا کم سے کم چھو لینے کی دھن میں ہم کمال از خود رفتگی کے ساتھ گذشتہ کی قلمرو کی طرف

کیون رُخ کرکے کھڑے ہو جاتے ہین؟ جدھر اگر ذرا بھی قدم بڑھایا تو کارخانۂ قدرت
کے پہرے والے ڈپٹ کے کہتے ہین "تا ب!" اگرچہ یہ شوخ اور چلبلی "اب"
ایک معشوقۂ طرار کی طرح سامنے سے نکل گئی ہے مگر اصل مین یہ کوئی محبوبۂ شیرین ادا
نہین کہ عشاق دلدادہ کی طرح ہمین اُسکے وصال کا انتظار ہو۔ یا شاعرون کے مثل
اپنا ہاتھ سے کھویا ہوا دل اُسکی زلف سے چھڑانے کے لیے ہم اُسکے پیچھے دوڑین؟ پھر آخر
ہم اُسکے لیے کیون بیقرار ہین؟ کیونکہ مستقبل کے پھاٹک کے سامنے اُسکے شوق مین آغوش
کھولے کھولے کھڑے ہین اور کیون اسکے گذرتے ہی ہستی کے دروازے کی طرف حسرت سے دیکھتے اور ہاتھ
ملکے پچھتاتے ہین۔ صرف اسلیے کہ "امید" "اب" کے آغوش مین پلتی اور "اب" ہی کے ہاتھ
سے ہمین ملتی ہے۔ وہ اُمید کہ جس کی نسبت لوگ کہتے ہین کہ "دنیا بامید قائم" مگر ہم
کہتے ہین کہ "ہماری دنیا ہی اُمید ہے"۔ بس یہی شوق ہے جو ہر حال مین اور ہر طرح
کی مصیبتین جھیلنے پر بھی اس بے وفا "اب" کی طرف سے بدظن نہین ہوتے دنیا۔
یہ "اب" ہمارے ساتھ جو چاہے کرے ہم اُسکے شیدا ہی بنے رہتے ہین اور نہین
چاہتے کہ اسکے ایسے پُرامید رفیق سے ہمارا ساتھ چھوٹے۔

اسی قدر نہین۔ ہمین نظر آرہا ہے کہ ہماری زندگی اور ہستی بھی "اب" ہی کے
ساتھ ہے۔ ہم اُسی وقت تک ہین جب تک "اب" ہے۔ اور جب "اب" نہ ہوگی
ہم بھی نہ ہون گے۔ اگرچہ یہ معمہ نہین سمجھ مین آتا کہ "اب" کے اس عجلت کے
ساتھ گذر جانے کے بعد ہم زندہ کیون ہین؟ لیکن بے سمجھے بھی اگر اپنی زندگی کو
"اب" سے اس قدر وابستہ دیکھکے ہم اس بات کی کوشش کرین کہ "اب" کو روک
کے اپنی عمر بڑھائین۔ اور اُسکے تنگ اور نہایت محدود دامن سے اپنی آرزوؤن
کو زبردستی چھین لین تو ہمین معذور خیال کرنا چاہیے۔ گو کہ غیر ممکن تھا کہ بے وفا
"اب" کو وفاداری و قیام کا سبق دیا جا سکے لیکن ہماری ہوس نے یہ خیال پیدا
کرلیا۔ اگرچہ "اب" کا دامن فی الحقیقت وسیع نہ ہو سکے گا مگر ہمین تو اُس مین اپنے
مذاق و مقاصد کے مطابق وسعت نظر آجائیگی۔

اسی پہلو کو پیش نظر رکھ کے ہم نے زمانے کو دنون۔ ہفتون۔ مہینون۔ برسون۔
اور صدیون پر تقسیم کرلیا۔ اور اُن مین سے ہر ایک کو جس مین "اب" کی موہوم گھڑی

واقع میں موجودہ برس کے لفظ سے تعبیر کرتے ہین - غور سے دیکھو تو اس مین ایک نہایت ہی خفیف سا موجودہ گھڑی تو شامل ہے - باقی جو کچھ ہے گذشتہ اور آیندہ کی لپیٹ مین آیا ہوا ہے - مگر چونکہ وہ مبارک گھڑی انکے آغوش مین ہے اور انکے سبب سے ہمین "اب" کا پر امید اس زیادہ وسیع اور پھیلا ہوا نظر آتا ہے اس لیے ہم ان سب کو موجودہ کے لفظ سے تعبیر کرکے اپنا دل خوش کر لیا کرتے ہین -

رخصت ہونے والا ۱۹۱۳ء بھی انھین برسون مین سے ہے جنھین اُنکے گذرنے کے زمانے تک ہم "موجودہ برس" یا "اب کا سال" کہتے رہے - اور اُنکے ذریعے سے اپنی بے ثبات زندگی کو بارہ مہینون تک کی وسعت دے لی - یا یون کہیے کہ اپنے دل کے بہلانے کو اسے ایک دھوکے کی ٹٹی بنا لیا - مگر افسوس زمانے کو ہماری اتنی تسلی بھی منظور نہین - اور یہ ۱۹۱۳ء کی ٹٹی بھی ہم سے چھینی جاتی ہے -

ہم نے کیا - خود دنیا نے اپنی ساری زندگی مین کوئی ایسا سال نہ دیکھا ہوگا جو سرتاپا مسرت بھلا ہو - ہر برس اپنے ساتھ خوشیان بھی لاتا ہے اور رنج بھی لاتا ہے - اور اُسکے دور مین ہماری حالت ہر روز نئی ہوتی ہے - کبھی نہایت ہی مسرور و شادکام ہوتے ہین اور کبھی بہت ہی مغموم و مبتلائے آلام - ختم سال پر پہونچ کے پیچھے کی طرف دیکھنے اور یاد کرنے سے اس بات کا البتہ فیصلہ کیا جا سکتا ہے کہ اگلی سال ہمین صدمے زیادہ پہونچے یا خوشیان زیادہ نصیب ہوئین - اور اسی پر برسون کے اچھے یا بُرے ہونے کا دارومدار سمجھا جاتا ہے -

اسی اصول کے مطابق اگر ہم اس وقت توجہ سے دیکھ کے اس قریب الختم ۱۹۱۳ء کے حالات پر غور کرین تو ماننا پڑے گا کہ بعض شکایات کی وجہ سے ہمارا جوش و خروش اس سال چاہے ہمیشہ سے بڑھ گیا ہو مگر قریب ہی کے گذرے ہوے ماقبل برسون کے دیکھتے یہ سال اچھا تھا - ۱۹۱۳ء جب شروع ہوا ہے مشرق و مغرب کی زمینین ہنگامون سے بھری ہوئی تھین اور دنیا نہایت ہی خطرناک حالت مین نظر آتی تھی - مشرق اقصیٰ مین چین بناوتون اور ہنگامون کا مرکز بنا ہوا تھا - اور مغرب مین دولت عثمانیہ کی انتہا سے زیادہ نازک حالت تھی - ۱۹۱۲ء ٹرکی کو اس طرح ذبح کر کے گیا تھا کہ اس اسلامی بسمل کے جانبر ہونے کی کوئی امید نہ نظر

آتی تھی۔ جیسے کہ ہم مین مشرق سے مغرب تک اور شمال سے جنوب تک ساری اسلامی دنیا سوگوار تھی۔ اور سچ یہ ہے کہ مسلمانون کی نظر مین دنیا تیرہ و تار اور زندگی دشوار تھی۔ قدرتاً منتظر تھے کہ دیکھیے نیا سال کونسی آفتین اور مصیبتین اپنے ساتھ لاتا ہے۔ مگر تجربے سے معلوم ہوگیا کہ ہمارے حکمران وائسرائون اور گورنرون کی طرح قضا و قدر کے دربار سے برس بھی کبھی گرم بھیجے جاتے ہین اور کبھی سرد۔ چنانچہ اسی ۱۹۱۳ع نے تجربہ کرا دیا کہ ۱۹۱۲ع جو فسانہ و ہنگامے پیدا کر گیا تھا اُنکو ۱۹۱۳ع نے بہت کچھ رفع کیا۔ اس صدی کے اندر قسمت کے ہاتھ سے نفع اُٹھانا ترکی کیا معنی شاید کسی ایشیائی مملکت کی قسمت مین نہین ہے۔ اور اس زنجیر مین جبکہ آفتابِ (وہ تہذیب و علم و فضل ہی کیون نہو) مغرب سے طلوع کیا اور اہلِ مشرق کیلیے در توبہ بند ہوچکا تھا۔ ایشیا والون کو کسی فلاح کی اُمید رکھنا بالکل بے سود ہے۔ مگر گر پڑکے سنبھل جانا اور دست بُردِ زمانہ سے بچ جانا بھی موجودہ حالات کے دیکھتے ہم اہلِ مشرق کے حق مین نعمت غیر مترقبہ ہے۔ اور یہی نعمت اس سال کی برکتون سے ٹرکی کو نصیب ہوئی۔ یا تو اندیشہ تھا کہ قسطنطنیہ بھی علمِ توحید کے نیچے سے جاتا ہے۔ اور سینٹ صوفیا کے گنبد پر پھر تثلیث کی صلیب نصب ہوا چاہتی ہے۔ ایشیائی مقبوضات کی آزادی مین بھی فرق پڑ جانے کا اندیشہ ہے اور حرمین کی آزادی کا بچنا بھی دشوار ہے۔ کیونکہ کامل پاشا کی وزارت ذلت کے ساتھ سلطنت کو ہاتھ سے دے رہی تھی۔ اور اڈریانوپل کو اگرچہ ساری دنیا کے مسلمان نہین دینا چاہتے تھے مگر خود ترکی کیبنٹ دینے کو تیار تھی۔ یا تو یہ مایوسانہ حالت تھی یا یکایک چند بہادر حامیانِ وطن نے اُٹھ کے ایک دم مین کچھ سے کچھ کر دیا۔ نہ وہ ذلیل وزارتِ عثمانی تھی اور نہ وہ پستی و حقارت۔ اگرچہ بگڑی ہوئی حالت کا سنبھالنا دشوار نہ تھا مگر یہ بھی کم نہین کہ چند نوخیز بہادرون نے قومی تاریخ کی آبرو رکھ لی اور دولتِ عثمانیہ اُس سخت ذلت کی صلح سے بچ گئی۔ ابتداءً اگرچہ اڈریانوپل کو حریف کے حملون سے نہ بچا سکے۔ مگر اُسپر دوبارہ قبضہ کر لیا۔ اور گو ملک کا بہت بڑا حصہ نکل گیا مگر اڈریانوپل کے بچ جانے سے ایک بات رہ گئی۔

بیشک جزیرہ نمائے بلقان مین اس سال سالِ گذشتہ سے زیادہ خونریزی ہوئی اور لاکھون بندگانِ خدا قتل ہوگئے۔ مگر سچ پوچھیے تو ۱۹۱۲ع کی کارستانیون کا

نتیجہ تھا۔ سنہ حال نے ابتدا ہی سے اصلاح کی بنیاد ڈالنا شروع کی۔ اور اُمید
مین اس قدر کامیاب ہوا کہ جاتے وقت دولت عثمانیہ کو نہایت ہی امن و خاموشی
کی حالت مین چھوڑے جاتا ہے۔ وہین نہین۔ آج چین مین بھی امن ہے۔ اور
اُن دونون مشرقی و مغربی دول ایشیا کو سنہ ۱۹۱۳ع موقع دیے جاتا ہے کہ اگر
اگر سچے قومی جوش اور حقیقی ایثار نفس سے کوشش کرین تو اپنے آپ کو سنبھال لیجا سکین
ٹرکی پر سب سے بڑا احسان اس سال کا یہ ہے کہ کامل پاشا کے ایسے ملک و ملت
فروش کو اپنے ساتھ لیے جاتا ہے۔ جس سے بڑھ خطرناک دشمن ٹرکی کے لیے کوئی نہ
ہو سکتا تھا۔ کامل پاشا کی موت پر ٹرکی کو سنہ ۱۹۱۳ع کا نہایت ہی شکرگزار ہونا چاہیے
مگر اصلی شکرگزاری یہ ہے کہ ترکان آل عثمان مین پھر ایسے قومی نمک حرام نہ پیدا ہون
ٹرکی مین ہمین جو چیز سب سے زیادہ خطرناک نظر آتی ہے وہ یہی ہے کہ اُن مین اور
اُنھین پر موقوف نہین سارے ایشیا مین ایسے ایسے بہت سے کامل پاشا پیدا
ہو سکتے ہین۔

مسلمانان ہند کو سنہ ۱۹۱۳ع مین کانپور کی مسجد کا ایک نہایت ہی ناگوار واقعہ
پیش آگیا تھا۔ جس نے اُنھین ایک مدت تک انتہا سے زیادہ مشتعل رکھا۔ مگر اسی سال
نے اس جھگڑے کو نہایت ہی کامیابی و خوش اسلوبی کے ساتھ رفع دفع بھی کردیا اور
اب جاتے وقت ہمین ہر طرف سے نہایت ہی مطمئن چھوڑے جاتا ہے۔

دلگداز کے ساتھ بھی اس کا سلوک قابل شکرگزاری رہا۔ جس کی انتظامی حالت
اب بفضلہ تعالیٰ اچھی ہے۔ اور امید ہے کہ آیندہ سال مین وہ بہت نمایان ترقی کریگا۔
ناول "حسن کا ڈاکو" جو سنہ ۱۹۱۲ع کے خریداروں کی نذر کیا گیا تھا اُسکا دوسرا حصہ بھی
خریداران کی خدمات مین پہونچ گیا۔ اور پسند کیا گیا۔ چونکہ اس ناول سے اکثر بے حمیت
والیان ملک کی اچھی تادیب ہوئی ہے اسی لیے اکثر حضرات مُصر ہین کہ اس ناول کا
سلسلہ "اسرار دربار حرام پور" کے نام سے جاری رکھا جائے۔ مگر سردست ایسے
بے حمیت ذمہ داران بنی نوع انسان کے لیے اسی قدر سزا کافی ہے۔ تاہم اپنے احباب
کے اصرار سے ہم نے اُن صدہا واقعات کو جو مختلف مقامات سے روز بتائے جاتے
ہین اور ہمارے پاس کثرت سے پہونچ رہے ہین ترتیب سے جمع کرنا شروع کردیا ہے

اگر ضرورت پیش آئی اور مناسب معلوم ہوا تو انھین زیادہ خوبی و تفصیل کے ساتھ بیدہ شایع کرتے رہین گے - مگر دلگداز کے خریدارون کو آیندہ اس ناول کا کوئی جز نہ دیا جائیگا۔ بلکہ علٰحدہ شایع ہو گا -

سنہ ۱۹۱۳ء کے خریدارون کے لیے ایک نیا اور بہت اہم تاریخی ناول جس کا نام "رومتہ الکبریٰ" ہے زیر طبع ہے - اس مین تاریخ روم کے ساتھ رومیون کی معاشرت اور انکی وہ زوال پذیری کی حالت نہایت دلچسپی کے ساتھ دکھائی گئی ہے۔ جبکہ رومیون نے پرانا مذہب بت پرستی چھوڑ کے دین مسیحی اختیار کیا تھا - اور قوم "گوتھ" کے فرمانروا "الارق" نے رومتہ الکبریٰ کو تباہ کیا تھا - تاریخ روم کے شایق اس ناول مین رومی عہد کی جیتی جاگتی تصویرین دیکھ لین گے - اور چودہ پندرہ صدی پیشتر کا رومتہ الکبریٰ انکی متحیر آنکھون کے سامنے پیش ہو جائیگا -

اس ناول کے متعلق کوشش ہو رہی ہے کہ جنوری سنہ ۱۹۱۴ء ہی مین تیار کرلیا جائے۔ اگر نہ ہو سکا تو فروری کے آخر تک اُسکے فی عہ یا عہ کے وی پی جن کے ذریعے سے سنہ ۱۹۱۴ء کی قیمت وصول کی جائیگی قدردانان و حوصلہ افزا ناظرین دلگداز کی خدمات مین حاضر ہو جائین گے -

نیا سال اور نیا خیال

دوستو! اب ہم سنہ ۱۹۱۴ء مین ہین - اور سنہ ۱۹۱۳ء اُسی عدم آباد مین پہونچ گیا جہان اُسکے سے ہزارہا سنین ماضیہ جا چکے ہین - سنہ ۱۹۱۳ء کے خاتمے سے ذرا پہلے ہم نے آپ کو متنبہ بھی کر دیا تھا کہ یہ برس رخصت ہوا چاہتا ہے - اپنی منازل دوازدہ گانہ پورے کر چکا اور اب جانے ہی کو ہے - مگر اس تنبیہ پر بھی جس وقت یہ راتون رات منہ چھپا کے ہماری دنیا سے بھاگا ہے شاید آپ کو خبر نہ ہوئی ہو گی -

آپ نے دیکھ لیا کہ یہ کس طرح خاموشی و سہولت سے اور ہم سب کی آنکھ بچا کے چورون کی طرح بھاگا ہے .. اور کیسے دبے پانون گیا ہے کہ ۳۱ - دسمبر کی رات کو آپ آرام اور بیفکری سے سوئے اور یکم جنوری کی صبح کو اُٹھے تو معلوم ہوا کہ سنہ ۱۹۱۳ء گیا اور ہم سنہ ۱۹۱۴ء کے آغوش مین ہین -

برس آتے تو خوشیوں اور اُمید و آرزو کے ساتھ ہیں مگر جاتے اس طرح نصیب کیے
ہیں کہ اُنھیں رخصت کرتے وقت دو آنسو بہانے کا بھی موقع نہیں ملتا۔ اور یہی
وجہ ہے کہ ہم سال کے پہلے دن خوشیاں مناتے مسرت و شادمانی پر ایک دوسرے
کو مبارکباد دیتے ہیں۔ مگر جانے والے سنین کو گرمجوشی سے الوداع کہنے کا ارادہ
ہی کرتے رہ جاتے ہیں اسکی نوبت نہیں آتی۔ اور اسی اندیشے سے ہم نے رخصت
کی گھڑی آنے سے پہلے ہی اُسے رخصت کر دیا۔ اور چند کلمات حسرت زبان سے
ادا کرکے دل کی حسرت نکال لی۔

یہ اُس کامیابی ہی کی برکت ہے کہ اب فارغ البالی کے ساتھ ہم اپنے نئے
دوست سنہ ۱۹۱۴ء سے معانقہ کرتے ہیں۔ یہ نیا سال اپنے آغاز ہی میں ہمارے شہر
کے لیے ایک غیر معمولی خوشی و خوش نصیبی لایا ہے۔ وہ یہ کہ حضور وائسرائے لارڈ
ہارڈنگ گورنر جنرل بہادر اوائل جنوری میں ہمارے شہر میں رونق افروز اور ہمارے
مہمان ہوے۔ اور قبل اسکے کہ ہمیں کسی فکر و تردد یا کسی رنج و الم سے سابقہ پڑے
سب کے پہلے ہم نے اپنے مہربان وائسرائے کے ورود مسعود پر جشن طرب منائے۔
سچ یہ ہے کہ ہماری اس سال کی زندگی کی بنیاد اچھی پڑ گئی۔ اور سنہ ۱۹۱۴ء کے واقعات
کا مسرت و کامرانی سے آغاز ہو گیا۔ جس پر لکھنؤ جس قدر فخر کرے بجا ہے۔

لہذا جس طرح دُکاندار صبح صبح کوئی اچھا سودا ہو جانے پر خوش ہو کے کہتا ہے
"بھئی اچھی ہوئی ہے دن بھی اچھا کٹے گا" ویسے ہی ہم بھی آغاز سال کی اس اعلیٰ
مسرت پر مارے خوشی کے جامے سے باہر ہو کے کہتے ہیں کہ سنہ ۱۹۱۴ء کا آغاز لطف و
مسرت سے ہوا ہے تو بارہوں مہینے انشاءاللہ شادکامی و لطف میں گذریں گے۔

نیک فالی کے اس سے زیادہ نمایاں کیا آثار ہوں گے کہ پالٹیکس کے افق سے
قتل و خونریزی اور تاخت و تاراج کا ابر چھنٹ گیا اور مطلع صاف نظر آ رہا ہے جتنے
فتنے فساد تھے اور جو کچھ شور و شر تھا سنہ گذشتہ کے ساتھ گیا۔ اور سنہ حال کی
پہلی صبح صبحِ اقبال اور امن و امان کی سحر بنکے نمودار ہوئی ہے۔

بس۔ اب کچھ اور کہنے کی ضرورت نہیں۔ کیا ضرور ہے کہ اس عیش کو افکار زمانہ
سے مکدر اور اس لطف کو کل کی فکروں سے منغص کرکے ہم خود بھی پریشان ہوں

اور اپنے احباب اور قدر افزایان دلگداز کے اطمینان مین بھی خلل ڈالین - لہذا اس مسرت و شادکامی کے موقع پر ہم خوشی خوشی اپنے احباب سے بغلگیر ہوتے اور نہایت ہی گرمجوشی سے ہاتھ ملاتے ہین - خدا ہمین بھی مبارک کرے اور ہمارے سارے دوستون کو بھی -

رخصت پارسائیل

ناظرین متحیر ہونگے کہ یہ پارسائیل کون بزرگ ہین ؟ جی یہ بہت بڑے بزرگ اور بڑے ذات شریف ہین - نام تو پارساؤن کا سا ہے مگر مزاج ایسا فتنہ جو پایا ہے کہ خدا بچائے - یہ بروایت نامی جنتری سنہ ۱۹۱۴ء ہمارے رخصت ہونیوالے مہربان میان سنہ ۱۹۱۴ء ہین - آپ کی مہذب آمد اور آپ کے پارسایانہ نام سے ہمین بھی دھوکا ہوا - اور ایسا دھوکا کہ آپ کی آمد کے وقت ہم نے جنوری [illegible] دلگداز مین آپ کی نسبت لکھا تھا "سنہ ۱۹۱۴ء کا آغاز لطف و مسرت سے ہوا ہے تو بارہون مہینے انشاءاللہ شادکامی و لطف مین گذرین گے - نیک فالی کے اس سے زیادہ نمایان آثار کیا ہونگے کہ پالٹیکس کے افق سے قتل و خونریزی اور تاخت و تاراج کا ابر ہٹ گیا - اور مطلع صاف نظر آرہا ہے - جتنے فساد تھے اور جو کچھ شور و شر تھا سنہ گذشتہ کے ساتھ گیا اور سنہ حال کی پہلی صبح صبح اقبال اور امن و امان کی سحر بن کے نمودار ہوئی ہے"

اور دھوکا کیون نہ ہوتا ؟ آل اندیش سلف سعدی شیرازی نے ہمین یہ سبق پڑھا رکھا تھا کہ

هر کرا جامہ پارسا بینی   پارسادان و نیک مرد انگار

یہ کیا خبر تھی کہ حضرت پارسائیل کی فقط صورت پارساؤن کی سی ہے -

آپ ابتدا مین نہایت خاموشی کے ساتھ تشریف لائے - چونکہ ہر جگہ فتنہ و فساد کا بازار سرد پڑ گیا تھا اس لیے گمان ہوا کہ یہ آپ ہی کی نیک نفسی کی برکت ہے جس کا گہرا نقش ہمارے دلون پر بٹھانے کے لیے اول ششماہی بھر آپ خاموش رہے اور ہر طرف آپ کی واہ واہ ہو رہی تھی کہ کیسے پاک طینت و نیک نفس

بزرگ ہین کہ جھگڑے فساد کو جانتے ہی نہین - مگر دوسری ششماہی شروع ہوتے
ہی آپ نے پیٹ سے پاؤن نکالنا شروع کیے - چپکے سے اور بہت ہی چھپا کے
ایک ننھی سی چنگاری مملکت آسٹریا مین ڈالی - اور آسٹریا و سرویا مین تناتنی ہونے لگی
جسکو دنیا ایک معمولی بات سمجھی اور کسی نے اُدھر کا خیال بھی نہ کیا - مگر وہ چنگاری یک
بیک بھڑکی - آگ چارون طرف پھیلنا شروع ہوئی - اور آپ نے دھونک دھونک
کے اُسے شمال و مغرب کی طرف بڑھایا - جہان بڑے بڑے دم و خم کے لوگ رہتے
ہین اور قوت و شوکت کے ساتھ امن پسندی کے مدعی ہین - اور پھر ایسے روشن
خیال اور دانائی و فطرت مین عدیم المثال واقع ہوے ہین کہ ساری دنیا کو یقین
تھا نہ وہ اپنے ہی گھر مین آگ لگنے دین گے اور نہ دنیا مین کہین اور - لوگ کہتے
تھے کہ جہنم سے بھی آگ لاکے ڈالی جائے تو ان حلیم الطبع بزرگان مغرب کی متانت
و سلامت روی کا پانی اور انکی امن پسندی کی پالیسی کی برف باری اُسے بجھا ہی
کے رہے گی - کیونکہ انکو بے لڑے بھڑے کامیابی حاصل کر لینے کے ایسے اچھے اچھے
مجرب و آزمودہ تیر بہدف نسخے معلوم تھے کہ اگر کوئی وحشی قوم لڑنے کا ارادہ بھی
کرتی تو اُسپر بجاے آگ برسانے کے یہ ایسی خوبی سے صلح جوئی کی برف باری شروع
کر دیتے کہ دم بھر مین اُسکے ہاتھ پاؤن ٹھٹھر کے رہ جاتے اور یہ کمال آسانی کے ساتھ
اُسے رسیون مین جکڑ کے بٹھا دیتے اور وہ ایسا مفلوج و ازکار رفتہ ہو جاتا کہ زندگی بھر
سر اُٹھانے کی جرأت نہ ہوتی -

مگر ہمارے کرم فرما حضرت پارسائیل کی گرمجوشیون نے اُس مغربی برف کو گھلا
کے پانی کر دیا - آپ کے بہت سے اخوان الشیاطین اس سے پہلے بھی بارہا دنیا مین
آگ لگا دینے کی کوشش کر چکے تھے - مگر کسی کی نہ چلی تھی اور سب ہمت ہار کے ناکام
واپس گئے تھے - مگر آپ نے چند روز کی خاموشی کے بعد اس قیامت کی آگ
لگائی کہ کسی کے بجھائے نہ بجھی - آناً فاناً مین ایک معمولی چنگی سے انگارا - انگارے
سے شعلہ ہو گئی - اور دیکھتے ہی دیکھتے اس قدر بھڑکی اور پھیلی کہ بلقان سے آسٹریا -
آسٹریا سے روس - روس سے جرمنی - جرمنی سے فرانس مین جا پہونچی - اور ساری
مغربی دنیا مین جہان دیکھیے شعلے بلند تھے - اسی اثنا مین دو شیرون کی لڑائی

جس طرح ایک لومڑی کا بھرکس نکل گیا تھا ویسے ہی بلجیم جو بیچ مین [illegible] کے بیچ
مین پڑ کے بے موت مارا گیا۔ دنیا کے انتہائی مغربی پھاٹک پر صلح جو انگلستان پیپے
کا دہانہ ہاتھ مین لیے کھڑا تھا کہ دنیا بھر مین کہین آگ لگے اور وہ اپنے سمندر کا سیلاب
بہا کے بجھا دے۔ اور گویا دنیا مین اسی لیے ہے کہ ہر جگہ سکون و اعتدال کو قائم رکھے
اور کسی کو کسی کے گھر مین آگ نہ لگانے دے۔ سمندر کے بیچ مین ہونے کی وجہ سے
پانی کی کمی تھی نہین۔ اُس نے جو بلجیم مین یہ آگ لگتے دیکھی تو پمپ کا رُخ اسی طرف
کر دیا۔ مگر ہمارے مہربان بزرگ حضرت پارسائیل کی عنایت سے وہ پانی بھی شعلے
بن گیا۔ اور بلجیم مین بجائے آگ بجھنے کے اور زیادہ شعلے بلند ہوے۔ ان شعلون
نے بڑھ کے اپنی شرر انگیزیون سے خود سمندر مین آگ لگا دی۔ اور مغربی سمندر کی
لہرون سے چنگاریان اُڑ اُڑ کے خاص انگلستان مین بھی گرنا شروع ہوئین۔

مگر وہ جو مثل مشہور ہے کہ "اعوذ باللہ من غضب الحلیم" (بُردبار کے غصہ سے خدا
کی پناہ) انگلستان نے اپنے حرم کدۂ امن مین آگ برستے دیکھی تو پھر اُسے کہان
تاب تھی؟ اُسکی شعلہ بار آنکھون سے بھی چنگاریان نکلنے لگین۔ جنھون نے ہفت
اقلیم اور ساتون سمندرون مین آگ لگا دی۔ اور سارا کرۂ ارض کرۂ نار بن گیا۔ آخر کار
اس عالمگیر آگ کے شعلے ساری دنیا کو مشتعل کرتے ہوے ترکی تک پہونچے اور آخر آخر
مین وہان بھی شعلے بھڑکنے لگے۔ غرض حضرت پارسائیل کی لگائی ہوئی آگ نے
جو جزیرہ نمائے بلقان سے شروع ہوئی تھی ساری دنیا مین آگ لگا کے پھر بلقان
ہی مین آ کے دم لیا۔

اور اب ختم سال پر جبکہ حضرت پارسائیل ہم سے رخصت ہو رہے ہین آپ
کی گرمی محبت سے سارا صفحۂ زمین مشتعل ہے۔ اور جدھر دیکھیے بازار قتل گرم ہے
عمرون کے سلسلے منقطع ہو رہے ہین۔ اور دنیا کی آبادی گھٹتی جاتی ہے۔ کاش آپ
کو اُتنا ہی ترس آتا کہ جو آگ لگائی ہے اُسے بجھا کے جاتے۔ مگر نہین اس کار خیر کو
اپنے سر سے ٹال کے آپ اپنے قائم مقام سال آئندہ پر چھوڑے جاتے ہین۔ دیکھیے
اُس نئے مہمان کا جس نے دنیا مین آتے ہی جلتے توے پر قدم رکھا ہے کچھ زور بھی
چلتا ہے یا نہین۔

دنیا والے سخت بے چینی سے منتظر ہیں ... رہا ہے کہ یہ آگ کب تک لگی رہے گی - کوئی کہتا ہے ایک سال - کوئی دو سال بتاتا ہے - کسی کی رائے ہے کہ یہ فتنہ تین سال میں بھی ختم ہو جائے گا [illegible] - سچ یہ ہے کہ آگ لگانے اور بجھانے والوں کی دونوں قوتیں اتنی زبردست ہیں کہ کوئی شخص قطعی رائے نہیں قائم کر سکتا - آتش حرب جس شدت اور جیسے زور و شور سے بھڑک رہی ہے اُسکے لحاظ سے ایسی آگ کا چند مہینے بھی قائم رہنا دنیا کی آبادی کو آدھا کر دے گا - مگر جن زبردست پہاڑوں کے ٹکرانے سے آگ کے شعلے نکل رہے ہین وہ بھی ایسے سخت اور ہیبتناک ہین کہ اُنکی نسبت کوئی نہین کہ سکتا کہ اُن مین سے کوئی اتنی جلد یا تھوڑے زمانے مین ٹوٹ کے ریزہ ریزہ ہو جائے گا - آتش حرب کی شدت اس آگ کے جلد بجھنے کا یقین دلاتی ہے - اور آگ برسانے والوں کی عظمت کہ رہی ہے کہ یہ شعلہ بایان مدت تک قائم رہین گے - ان دونوں پہلوؤں کو نظر کے سامنے رکھ کے غالباً یہ رائے دی جا سکے کہ لڑائی کا زور تو جلدی ٹوٹ جائے گا مگر لڑنے والے برسوں تک لڑتے اور حضرت پارسائیل کی خوفناک پارسائی کو یاد کرتے رہین گے۔

اس لیے اپنے سال بھر کے فتنہ جو مہمان پارسائیل کے جاتے وقت کہنے کو تو ہم کہ رہے ہین کہ خدا انھین لیجائے اور پھر کبھی ایسی ذاتِ بابرکات سے سابقہ نہ پڑے مگر دل کو اطمینان نہین ہوتا - کیونکہ اطمینان تو جب ہوتا کہ جب آپ کے جانے سے امن و امان قائم ہونے کی امید ہوتی -

سالِ حال

۱۹۱۵ء صاحب آگئے - اور اس شان سے آئے کہ کرسمس کیک اور کرسمس پڈنگ کا ... شمار ... کو خون ہے - غالباً اسی رعایت سے آپ کا اسم گرامی منشی رحمت اللہ صاحب رعد کی ... جنتری مین "خونی قاتل" بتایا گیا ہے - آپ نے دنیا مین اپنے ... کہا کہ کسی کو پارسائی حضرت پارسائیل (۱۹۱۴ء) سے کچھ کہنے سننے کا موقع ... آپ کا خیر مقدم ادا کرنے کا - آپ کی صورت دیکھتے ہی دنیا نے ایک حسرت کے ساتھ "صورت مبین حالم مپرس" کہا اور کمال بے جگری

سے اپنا لہو پیش کرنے میں مشغول ہو گئے۔

یا حضرت "نوش فائیل" آپ نے عجب معنی خیز دوسرے الفاظ میں یوں کہو
جائے کہ دو رُخا نام پایا ہے۔ اگر نوش کے معنی شیرینی کے ہیں تو چاہیے کہ آپ کا
زمانہ عیش و طرب کا عہد ہو۔ اور آپ کی صبح جو نئے برس کہلاتی ہے سب لوگ جام
عیش نوش فرمائیں۔ مگر زمانے کا رنگ دیکھتے یہ معنی بے معنی اور الفاظ بے معنی معلوم
ہوتے ہیں۔ کیونکہ آپ کے پارسا منش بزرگ ایسا معمولی شربت پلانے سے بھی گئے
کہ آسانی سے دور ہو سکے۔ مجبوراً خیال آپ کے اسم گرامی کے دوسرے خطرناک شق
پر قائم ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ آپ خون کے جام نوش فرماتے آتے ہیں۔ لیکن اس صورت
میں گستاخی معاف آپ کا اسم شریف "نوش فرمائیل" ہونا چاہیے تھا۔ خیر یہی سہی۔
شوق سے اپنا شوق پورا کیجیے اور اپنی پیاس بجھائیے۔ کیونکہ ساری دنیا جانیں
دینے اور اپنا خون بہانے پر تلی ہوئی ہے۔ سنتے ہیں کہ آپ کا لباس زرد ہے اور
چہرۂ زعفرانی سر پر باندھ کے آتے ہیں۔ یہ رنگ بھی چوکھا رہے گا۔ اور آتش حرب
کے شعلوں میں حدت پیدا کرے گا۔ مگر خدا کرے آپ کو اپنی پیاس بھر خون کے
جام مل جائیں۔

کرسمس ڈے کے عیش و طرب کو آپ کے دوست "پارسائیل" وہ مہیب ہولی
ثابت کر گئے۔ جس میں خون کی پچکاریاں چل رہی تھیں۔ اس مہیب ہولی کی خوں نابہ
افشانی سے دنیا کا کوئی حصہ نہیں بچا ہوا تھا۔ اور بچارے گھر میں بیٹھ کے "بوائے ہن"
کے پڑاخے چھوڑنے کے لوگ توپیں اور بندوقیں داغ رہے تھے۔ اب نیو ایرس ڈے
(سال کے روز اولین) کے موقع پر آپ اور آپ کے ہم مشرب احباب لہو کے جام
درکنار خون کے خم لنڈھا رہے ہیں۔ بہتر ہے۔ پیجیے اور پلائیے۔ مگر ہمیں بھی خدا
کے لیے کوئی جام مدہوشی پلا کے ایسا بدمست بنا دیجیے کہ قیامت تک اپنی جگہ سے
نہ ہل سکیں۔

اگر نوش فائیل کے یہی معنی ہیں۔ آپ اپنا اور اپنے احباب کا جام لہو سے بھرنا
چاہتے ہیں اور آپ کا یہی مذاق واقع ہوا ہے تو ہمیں اندیشہ ہے کہ دیکھیے آخر تک
ہم آپ کی ضیافت کر بھی سکتے ہیں یا نہیں۔ اول تو قحط نے ہماری رگوں میں اتنا خون

ہی نہیں باقی رکھا ہے - گو برٹش تاج کی وفاداری کا جوش اسے ہیجان میں لا لا کے چھلکا ... اور ہم میں سے ہر ایک شخص کے جسم میں جتنا خون ہے اُس سے زیادہ ہم گلوے خنجرہ سے بہانے کو تیار ہیں - اور جیسی زور دار پچکاریوں یا اُبلنے والی بوتلوں کا کام ہمارے گلے دے رہے ہیں اوروں کے گلے نہ دیں گے - مگر آخر کب تک؟ اور کہاں تک؟ آپ کی محفل عیش پورے بارہ مہینے گرم رہا چاہے اور یہاں گو ہم نے ظاہر نہیں ہونے دیا مگر خون ابھی سے کمی کر رہا ہے - ہمیں نظر آ رہا ہے کہ جس بیدردی اور جس دریا دلی سے اِن چند روزوں کے اندر خون کے جام لنڈھائے گئے ہیں اگر یہی رنگ آخر تک قائم رہ گیا تو بارہ مہینے درکنار ہم چھ مہینے بھی آپ کی ضیافت کو نہ نباہ سکیں گے -

خدا کے لیے ان جاموں کو ذرا رُک رُک کے نوش فرمائیے - اور یاران ہم مشرب کی مدارات جس سیر چشمی سے ہو رہی ہے اُس میں ذرا کفایت شعاری اور عاقبت اندیشی کا بھی لحاظ رہے - ع تھم تھم کے چھُری پھیریے رُک رُک کے جفا ہو" - آپ کے احباب اور آپ ہمارے خون کے جام شوق سے پئیں اس میں ہمیں عذر نہیں - مگر کچھ تو مزہ لے کے پیجیے کہ ہمیں بھی مزہ آئے اور آپ کو بھی - اور یوں ایک ہی سانس میں سارا خُم چڑھا جانے میں تو میخانہ خالی ہو جائیگا اور لطف کسی کو نہ آئیگا - اور اگر بالفرض آپ کو اس دریا نوشی ہی میں مزہ آتا ہے تو چند روز بعد کیا کیجیے گا جب یہ جانثار میخانہ خالی ہو جائیگا؟ خم و سبو اوندھے اور ٹوٹے پڑے ہونگے - آپ کو نصیب دشمنان شدت عطش سے کانٹا لگنے کا اندیشہ ہوگا - اور جس طرح ہم آج غلے کو ترس رہے ہیں آپ ایک قطرۂ خون کو ترسنے لگیں گے -

آہ یہ خون کس قدر قیمتی ہے! اس کا ایک ایک قطرہ کروڑ کروڑ روپے کا مول رکھتا ہے - بلکہ جو خون اپنے تاج اور اپنے وطن کی حمایت میں بہایا جائے انمول ہے - ہمارا جوش وفاداری چاہے ہمیں اُس کی قدر نہ کرنے دے مگر آپ کو تو ہماری عالمگیر سلطنت کے ساتھ نباہنا ہے - آپ تو قدر کیجیے - یہ خون پُرانے تعلقات کو قطع کر کے - اگلی محبتوں کی تہ نشینیں توڑ کے - مذہبی جذبات و خواہشات کو قربان کر کے - اور قدیم دوستوں ... کی طرف سے لہو سفید کر کے آپ کے جام میں بھرا گیا ہے - آپ ہی

اس کی قدر نہ کرین گے تو کون کرے گا؟

لیکن ہمین اسکی بھی چندان پروا نہین - ہم نے اپنا خون بہانے مین موافقت
زمانہ کا حق ادا کر دیا - اور اپنے حق سے سبکدوش ہوگئے - قدر کرنا یا نہ کرنا آپ
کے ہاتھ کا ہے - مرنے والون کو ایسی چیزون کی خواہش ہی کیا؟ فتح کی مبارکباد وہ
سنین گے جو بچ رہین گے - اور انعام و اکرام سے وہ سرفراز ہون گے جو اس سر
فروشی کے میدان سے اپنا خون بچا لائین گے - ہمین کیا؟ ہماری طرح جنھون نے
اپنا خون حضرت نوش فرمائیں کے جام مین بھر دیا اُنکے دلون مین کوئی ہوس نہین
باقی رہ سکتی - اور دم واپسین کے وقت اُنکی زبان پر اسکے سوا کچھ نہین ہوسکتا
کہ ع "بعد از سر من کُن فیکون شد شدہ باشد" ہان آپ اپنی ضرورتون اور اپنی
مجبوریون کا البتہ خیال کیجیے - آپ کو یہ خون باری کی ہولی ابھی مدتون کھیلنا ہے
آپ کے تیورون سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی فتنہ جو فطرت اتنے ہی پر بس نہ کریگی
بلکہ آتش قتال کے شعلون کو آپ اور بھڑکائین گے - کوئی تعجب نہین کہ اُن گھرون
مین بھی آگ لگ جائے جو ابھی تک بچے رہے ہین - خدانخواستہ اگر شعلے اس سے
زیادہ بھڑکے اور اس آگ کی گرمی نے زیادہ شدت پکڑی تو آپ کی پیاس بھی زور
پکڑے گی - پھر اُسوقت اگر ہم سے سر بکف وفادارون کا خون کمی کر گیا تو کیا کیجیے گا؟
کہان سے لائیے گا؟ اپنا خالی گلاس ہاتھ مین لیے کِن کِن ملکون کی خاک چھانئیے گا؟
اور کن کن دروازون پر جا کے دستک دیجیے گا؟

ہم ہر سال سے امن و امان کے طالب ہوتے آئے ہین - گذشتہ سال تک
باوجودیکہ [illegible] کے فتنہ نے بے انتہا جوش و خروش پیدا کر رکھا تھا - مگر ہم نے
خوشامد و لجاجت سے یہی درخواست کی کہ اب جھگڑا ختم کیجیے اور دنیا والون
کو ذرا امن و امان سے جینے دیجیے - مگر اب کی برس اے حضرت نوش فرمائیں!
آپ کی گرم مزاجیان دیکھ کے ہم کچھ نہین کہتے - بلکہ ہم مین جوش وفاداری کا ایسا
ہیجان پیدا ہوگیا ہے کہ آپ کا جام لبریز کرنے کے لیے ہمارا خون رگون سے خود ہی
اُبلنے لگا ہے اور جسمون سے چھلکا پڑتا ہے - لہذا ہمارے اس جوش کے ساتھ آپ نے
جام خالی کرنے مین بھی بے احتیاطی کی تو انجام مین ہمین سخت اندیشہ ہے کہ ایسا نہ ہو

ہم نہ ہون اور آپ کو شوق سے تماشائی کی پیاس بجھائے۔

اور اب چونکہ آپ کی عنایت سے فردائے قیامت آج کے حدود مین آگئی ہے۔ اس لیے ہم آیندہ کے بارے مین اسکے سوا اور کچھ کہنا بھی نہین چاہتے۔ ہمین یہ بھی نہین معلوم کہ آیندہ بارہ مہینون مین کیا ہوگا؟ کون ہوگا اور کون نہ ہوگا؟ اور آپ کی مقررہ زندگی پورے ہونے کے وقت ہم آپ کو رخصت کرین گے یا آپ ہمین اس سے پہلے ہی رخصت کر چلین گے؟

سنہ ۱۹۱۵ء کا چل چلاؤ

لوگو! جان طلب سال حال دنیا سے رخصت ہو رہا ہے اور اُس عدم آباد کو جا رہا ہے جہان سے جا کے کبھی کوئی واپس نہین آیا۔ ہم مسلمان ہمیشہ سے عادی ہین کہ ہر سال اپنے ۳۶۵ دن یا بارہ مہینے کے اُنسِ صحبت کو رو دھو کے اور آنسو بہا کے رخصت کیا کرین۔ ماہ مبارک رمضان کو ہر برس ہم جس سوز و گداز سے ”الوداع“ کہا کرتے ہین کوئی کسی مہینے کو رخصت نہین کرتا۔ ختم سال کے بعد ہم ہر سال ماہ محرم مین غم حسینؓ ہی کے بہانے سہی خوب جی کھول کے رو لیا کرتے ہین۔ مگر اس سال مین یہ خاص بات ہے کہ اسکے جانے کے وقت ہر قوم اور ہر شخص کا دل بھرا آتا ہے۔

کیا یہ اس لیے ہے کہ یہ سال اپنی چند روزہ زندگی مین جان بازان وطن اور دلدادگان وفا کو جو جام مرگ اور شربت شہادت پلاتا رہا تھا آج خود پینے کو ہے؟ بیشک یہی معلوم ہوتا ہے۔ جو سر فروشان وطن اور حامیان دولت اس گذشتہ مدت مین اسکے ہاتھ سے زخمی اور نذر اجل ہوے تھے اُنکی آہون کے تیر سے آج یہ خود زخمی ہوا اور جن شہیدان وفا کو یہ سال مسلسل بارہ ماہ تک آغوش فنا مین سُلاتا رہا تھا اُب انھین کے پاس لیٹ کے یہ خود اُس ابدی آغوش کا مزہ لینے والا ہے۔

سنہ ۱۹۱۵ء کا خیر مقدم اور استقبال کرتے وقت ہم نے کہا تھا کہ یہ سال انسانی خون کے جام نوش کرتا ہوا آیا ہے۔ اور اسے سمجھایا تھا کہ ابھی آپ بہت پیاسے معلوم ہوتے ہین۔ اور خرابی یہ ہے کہ جتنی پیاس آپ کو ہے اُتنا لہو ہماری رگون مین نہین اس لیے ذرا رُک رُک کے پیجیے اور مستی کی طرح خُم کے خُم نہ لنڈھاتے چلے جائیے۔ ایسا نہ ہو کہ آپ

العطش پکارتے رہ جائیں اور ہم اپنا خون پیش کرتے ہین حق مہمانداری نہ ادا کر سکیں - مگر افسوس اس دریا نوش نے ایک نہ سنی اور خونخواری کی پیاس بجھانے مین بے اعتدالی ہی کرتا رہا -

خیر - ہم نے تو جس طرح بنا نباہ دی - کبھی اس کی نوبت نہ آنے پائی کہ اس نے لہو کا جام مانگا ہو اور ہماری طرف سے کمی ہوئی ہو - جوش اطاعت و وفاداری مین اور حق مہمانداری ادا کرنے کی دھن مین ہماری سوکھی رگون سے خون اُبلنے لگا - اور ہم نے اس طرح جی کھول کے پلایا کہ چاہیے یہ زبان حسرت نہ قبول کرے مگر اسکے معدے مین گنجایش نہین باقی رہی تھی - اُسپر بھی یہ برابر پیتا چلا گیا - اور انجام یہ ہوا کہ خود جان دی - بہر تقدیر آج ہم مسرت و اطمینان سے کہہ سکتے ہین کہ ہم سے اپنا خون پیش کرنے مین ایسی خلافِ اُمید بے جگری ظاہر ہوئی کہ ہم جام خون پیش کرتے مین نہ تھکے اور اسکی خون آشامی کی ہوس نے جواب دیدیا -

سنہ ۱۹۱۵ء کے ان مظالم - اس خون آشامی - اس بے رحمی - اور اس بدسلوکی کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ بہت بری موت مرتا ہے - مگر افسوس اسکے خونین کارنامے بھولنے والے نہین ہین - دنیا کو یہ سال ہمیشہ یاد رہیگا - اور ابتدائے تخلیق عالم سے اس وقت تک شاید کوئی برس ایسا نہ گذرا ہوگا جو خونریزی مین اس کا مقابلہ کر سکے -

دنیا مین بڑی بڑی لڑائیان ہوئی ہین - وحشی سے وحشی قومون نے متمدن ملکون پر یورشین کی ہین - اور انتہا درجے کی سنگدلی و بے رحمی سے اُنھین لوٹا مارا ہے - مگر جیسا سیلاب خون اب آیا ہے کبھی نہ آیا تھا - سنہ ۱۹۱۴ء نے چل چلاؤ کے وقت دنیا مین یہ آگ لگائی تھی جسے اپنے سامنے ہی ٹرکی تک پہونچا دیا - سنہ ۱۹۱۵ء نے آکے اس خوفناک آگ کو اور بھڑکایا - تمام ریاست ہاے بلقان کی خموشی کی وجہ سے مشرقی یورپ تباہی سے بچا ہوا تھا - مگر اس سال نے بلغاریہ والون کو بہکا کے مہذب اتحادیین کی مخالفت پر آمادہ کر دیا - اور جو آگ مغربی یورپ مین لگی تھی جزیرہ نماے بلقان کے قلب مین منتقل ہو گئی - یونان کی بیوفائی سے ہمین کچھ کرتے دھرتے نہ بنی - اور سرویا کو شمال سے جرمن اور مشرق سے بلغاریہ اور ترکون نے اس طرح کچلا کہ اگر سنہ ۱۴ کی شہید کی ہوئی سلطنت بلجیم تھی تو سنہ ۱۵

کے ہاتھ کی شہید ہم سر دیا ہے - اور جیسے سال گذشتہ نے شاد ولیم کو شاہ دیے مملکت بنایا تھا - اس سال نے سر دیا کو بنا دیا -

اس سال کے آغاز میں جرمن کی تحت البحر کشتیون نے بہت کچھ اودھم مچا رکھا تھا مگر انگلستان کی تیز تر قوت آخر غالب آئی - برٹش تحت البحر کشتیان بالٹک یعنی خاص جرمن کے سمندر مین جا پہونچین اور اُس فتنہ جو سلطنت کی تجارت کو کلیتہً مسدود کرکے دنیا اُس پر تنگ کر دی - اور امید تھی کہ بہت جلد وہ پناہ مانگنے لگے گا - مگر بلغاریہ و یونان کی بیوفائی اور ترکون کی بے مروتی نے اُسکے لیے خشکی ہی مین سے تجارت کا راستہ کھول دیا - اور مشرق کے ایک ایسے میدان مین پہونچا دیا جہان اُس کی تجارت ہی کو کافی فروغ نہ ہوگا بلکہ بہت سی جنگجو قومین بھی اُسکے جھنڈے کے نیچے لڑنے کو مل جائینگی - افسوس اتحادیین کی اس ناکامی نے اس خون بار لڑائی کی عمر بڑھا دی - اور مشکل سے اُمید کی جا سکتی ہے کہ آنے والے برس کو اس آگ کے بجھانے کا موقع ملے -

بہر حال سنہ ۱۹۱۵ء بھی سب سے بڑا جنگ پسند - فتنہ خیز - اور امن و امان کا دشمن تھا - ہم مشرق کے ایک ایسے کاشانۂ امن مین بیٹھے ہوے ہین کہ سوا لڑائی کے کارنامے سُن لینے یا بعض تجارت کی دشواریون مین مبتلا ہو جانے کے اور کسی مصیبت سے ہمین سابقہ نہین پڑا ہے - اگر ہمین فکر ہے تو اتنی کہ اپنی پر شکوہ سلطنت اور اپنی جہانگیر دولت برطانیہ کے ساتھ ہمدردی کرین - اور روپیہ اور سپاہیون سے اُسے مدد دین - اسکے سوا اور کوئی اندیشہ ہمارے لیے نہین ہے - مگر اس سال نے ہماری تشویش بھی بڑھا دی - لڑائی کی آگ روز بروز ہم سے قریب ہوتی جاتی ہے - اور گو ہمین امیر کابل کی وفاداری پر پورا بھروسا ہے مگر اس دار و گیر کے وسیع ہونے کا یہ رنگ ہے کہ جو آگ اگست سنہ ۱۹۱۴ء مین فرانس اور جرمن کی سرحد تک محدود تھی سنہ مذکور کے دسمبر مین قسطنطنیہ تک پہونچ گئی - سنہ ۱۹۱۵ء کے آغاز ہی مین مملکت عراق مین مشتعل ہوئی بعض سواحل عرب مین اُس کی چنگاریان نظر آئین - چند روز بعد ایران و ٹرکی کی سرحد پر اُسکے لوکے دکھائی دیے - اور جس کوہ سینا پر کبھی حضرت موسیٰؑ کو تجلی الٰہی نظر آئی تھی اُسے تازہ جنگ نے ایک سخت کوہ آتش فشان بنا دیا - لیکن اب

اس سال کے خاتمے پر ہم ایران کی حالت بھی اچھی نہین دیکھتے - وہان کی سلطنت بیشک ہمارے
ساتھ ہے مگر رعایا کو عثمانی یا جرمنی اثر نے ایسا برافروختہ کر دیا ہے کہ ساسانیون کا یہ قدیم
ملک بجائے اسکے کہ ہماری طرح خاموشی سے بیٹھ کے امن وامان کی لذت سے آشنا ہو
خود ہی بدامنی مول لے لیتا ہے -

اسکے ساتھ بدنصیبی سے ہندوستان مین ایک ایسا شامت زدہ گروہ پیدا ہو گیا ہے جو
چاہے کچھ بھی نہ کر سکے مگر دنیا بھر مین ہندوستان کو بدنام کر رہا ہے - لاہور اور بنارس
کے مقدمات سازش کاش آج کل نہ ابھارے جاتے کہ دشمنون کو ہندوستان کے بدنام
کرنے کا موقع ملتا - مگر ضرورت اور مجبوری نے گورنمنٹ کو آمادہ کر دیا - اور وہ مقدمات
اگرچہ باقاعدہ سول عدالتون کے سامنے پیش کیے گئے - مگر ہمارے دشمنون کو کہنے کو
ہو گیا کہ ہندوستان مین بھی بغاوت کی چنگاری خاک کے نیچے دبی ہوئی ہے -

اے بے رحم سنہ ۱۹۱۵ع تو اور جو چاہتا کرتا مگر ہم سے خاموش صلح جو لوگون کو بدنام
نہ کرتا؟ افسوس تو نے ہماری وفاداری مین بھی داغ لگا دیا - اگرچہ ہماری عدالت پناہ
سلطنت ہم سے اچھی طرح مطمئن ہے - جانتی ہے کہ ہمارے لاکھون ابنائے وطن برٹش
علم کے سائے مین جانین دے رہے ہین - ہمارے والیان ملک تاج کی حمایت مین جان
ومال قربان کرنے کو تیار رہین - مگر پھر بھی یہ اچھا نہین معلوم ہوتا کہ ہندوستان کی خاک
کا ایک پتلا بھی اپنی سلطنت سے بیوفائی کرے -

آ! سنہ ۱۹۱۶ع آ!

مغرب والو! جو برس کے پہلے دن خوشیان مناتے اور ایک دوسرے کو مبارکباد
دیتے رہے ہو ذرا نگاہ اٹھا کے دیکھو اور کان لگا کے سنو کہ زمانہ زبان حال سے کہہ رہا ہے
"آ نئے سال آ" اور ایک نیا مہمان اپنی مہیب صورت کو شگفتہ بنا کے ایک زہرخند کے
ساتھ نعرے لگا رہا ہے کہ "میرا آنا مبارک!" جانتا ہے کہ سنہ ۱۹۱۵ع کے ستائے ہوؤن مین سے
کسی میں بھی خیر مقدم ادا کرنے کا دم نہین ہے - اسلیے آپ ہی اپنا مدح خوان ہے - خود ہی
مرحبا کہے لیتا ہے - اور آغاز سال پر جنوری کی پہلی صبح کو آیا ہے کہ تمھین مبارکباد دے -
لڑائی کی طرف سے منہ پھیر کے خوب پہچان لو کہ یہ کون ہے؟ یہ سنہ ۱۹۱۶ع ہے - لڑنے کو

تو عمر پڑی ہے - لڑنا اور لڑتے رہنا - لیکن آج تو ذرا اس خونریزی سے ہاتھ روک کے اس سردی کے موسم مین صحبت عیش کو گرما دو -

یہ تو بغیر تمھارے کہے ہم جانتے ہین کہ تمھین لڑنے سے فرصت نہین - اور فرصت بھی ہو تو آجکل تم ہزارون فکرون اور سینکڑون اَلمون مین مبتلا ہو - خدا جانے کیسے کیسے محبوب عزیز اور کس کس درجے کے پیارے دوست رخصت ہوگئے - اور تم اُنکے سوگ مین ہو - ہم تو ہر سال ہی اپنے برس کے آغاز مین غمگین ہوتے ہین ابکی تم بھی رنج و الم مین مبتلا ہو - مگر دنیا مین رنج کے ساتھ ملی جلی خوشیان بھی چلی جاتی ہین - لوگ ہنستے ہنستے روتے اور روتے روتے ہنس پڑتے ہین - یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ تم اپنی ہمیشہ کی عادت بدل کے آج کی خوشیون کو ملتوی رکھو؟ نہین! اس برس کے دن صبح سے شام تک نہین تو دو ہی گھڑی کو خوشی منا لو - خون بھرے ہاتھون کو دھوؤ - اور اپنے اُن پیارون اور دوستون کی یاد مین جو تمھین گھرون مین بیٹھے یاد کر رہے ہین ایک جام صحت پی لو - اور اتنی بھی فرصت نہین تو اپنے اس نئے مہمان سے ذرا ہاتھ ملا کے پوچھ لو کہ "کیا ارادہ ہے؟ زمانے کی اب کیا پالسی ہے؟ خون کی ندیان بہتی ہی رہین گی یا جی بھر گیا؟"

مگر آہ! یہ ہمارے اسٹیٹسمینون اور پالٹیشنون سے زیادہ گہرا اور خاموش ہے - قدرت کا سنسر ہمارے سنسر سے بھی سخت اور بیمروت ہے - دنیا چاہے ادھر سے اُدھر ہو جائے مگر مجال کیا کہ اسکی زبان سے کوئی لفظ نکلے - نہ اپنے دل کی کہتا ہے اور نہ سچی بات بتاتا ہے - تاہم اے جانبازان مغرب! یہ نہین بتاتا تو اسکے تیور ہی دیکھ کے پہچانو - ہم تو اُس زمین کے رہنے والے ہین جہان ہزارہا سال پہلے چاہے کیسے ہی عقلمند اور دقیقہ رس پیدا ہوے ہون اب تو فقط بے عقل نیم وحشی جاہل بستے ہین - جن کو نہ عقل ہے نہ تمیز - نہ اُنکی رائے رائے ہے اور نہ اُنکا کہنا سننے کے قابل ہے - قدرت نے ساری عقل ہر طرف اور ہر ملک سے سمیٹ کے تمھاری ہی سرزمین پر اکٹھا کر دی ہے - اسلیے تمھارے سوا زمانے کے تیور اور کون پہچان سکتا ہے؟

قطع نظر اسکے جرمنی و آسٹریا کے مال کی طرح آج کل بھروسے کی قابل وثوق خبرون کا بھی کال ہو گیا ہے - تم پھر بھی موقع واردات سے قریب ہو یا عرصہ کارزار کے

کسی حصے پر اڑتے ہوئے ہو۔ مجھے نہ کچھ سن گن پا ہی جاتے ہوگے۔ ہم تک تو کچھ بھی خبر نہیں کہ ایسی ہفتون ان کا راستہ طے کرنا پڑتا ہے کہ بتا دیا کیا کسی قسم کی تجویزین معلوم ہو سکے اور ہم اس قابل ہون کہ کسی امر مین رائے قائم کر سکین۔

اس لیے تم ہی اپنے تازہ بیان سے دل کے دھڑکے کھو۔ اچھا تو جس انجام کے لیے ساری دنیا بیقرار ہے اُس کا کچھ پتہ لگاؤ۔ ورنہ اتنا بتاؤ کہ جس شخص زمانے سے سابقہ پڑتا ہے کیسا ہے اور کیا کرنے والا ہے۔

تم نے نہ بتایا تو پھر ہم ہی غلط سلط رائے قائم کر لین گے اور وہ ہمین ڈر ہے کہ اچھی نہ ہوگی۔ لڑائی جسے خونریز ۱۹۱۴ء نے چھیڑا اور جسے ستمگار ۱۹۱۵ء نے بڑھایا تھا۔ مغرب مین شروع ہوئی اور مشرق کی طرف بڑھتی چلی آتی ہے۔ پہلے اطمینان یہ تھا کہ درمیان مین بیسیون ملک اور خدا جانے کتنی سلطنتین ہین۔ جن کو طے کر کے کوئی ہم تک پہونچ ہی نہین سکتا۔ مگر اُس اطمینان کو ۱۹۱۵ء نے خاک مین ملا دیا۔ جرمنی کی فتنہ انگیزی سے جو تلوار بلجیم اور فرانس۔ یا روس اور سرویا کی سرحد تک محدود تھی اُس نے پہلے تو اٹلی کے شمالی پہاڑون مین چمک کے اپنا درمیانی سلسلہ ملا لیا۔ مصر مین بھی یہ چنگاری اوائل سال مین چمکی تھی مگر دولت برطانیہ کی عظمت نے ہمارے اطمینان کے لیے اسپر خاک ڈال دی۔

اُس آگ کے دبتے ہی جزیرہ نماے بلقان مین خونریزی و آتش باری ہونے لگی۔ اور جرمنی و آسٹریا کی فوجین جو جو مشرق کی طرف بڑھتی آتی ہین ہمارا خون خشک ہوتا جاتا ہے۔ رومانیہ اور یونان کا اعتبار نہین رہا۔ اُنکی بدعہدی و بیوفائی نے خطرناک صورت اختیار کر لی ہے۔ اور برلن و قسطنطنیہ کے درمیان سڑک کھل جانے کے یہ معنی ہین کہ مشرق مین عراق و بغداد تک اور جنوب مین بحر ہند تک اِن خون آشام فتنہ انگیزون کے لیے راستہ صاف ہو گیا۔ عساکر برطانیہ دریا کنارے کنارے بغداد تک بڑھتے چلے گئے ہین۔ مگر درمیان کے صحرا خطرناک ہین۔ اور اندیشہ ہوتا ہے کہ ریگستان عرب سے کوئی دشمن فوج ناگہان نمودار ہو کے ہمارا واپسی کا راستہ نہ روک دے۔ جس کا امید ہے کہ ہمارے حملہ آورون نے کافی انتظام کر لیا ہوگا۔

مگر ہمین تو اس سے بھی زیادہ اندیشے نظر آتے ہین۔ اور ہر ہفتے کی ولایتی ڈاک

ایک نیا خطرہ ہمارے سہتے ہوے دل کے سامنے پیش کر دیتی ہے کبھی یہ سنتے ہین کہ ملک شام عظیم الشان فوجکشی کا مرکز بنا ہوا ہے۔ جہان سے بڑی بڑی زبردست جرمنی توپین بے اندازہ سامان جنگ اور لاکھون سپاہی مصر کی طرف گزرتے چلے جاتے ہین کبھی یہ بتایا جاتا ہے کہ ایران پر جرمنی اور ترکون نے اپنا پورا پورا اثر ڈال دیا ہے۔ وہان کے وحشی قبائل ہمارے حسن سلوک کو بھول کے فتنہ پردازون کے کہنے مین آگئے ہین۔ اور ساری قلمرو ایران مین ہنگامہ مچا ہوا ہے۔

یہ واقعات خوف دلا رہے ہین کہ لڑائی سارے مرحلے طے کر کے ہماری سرحد کے پاس آ پہونچی۔ اور اس کے ساتھ جب یہ سن لیتے ہین کہ جرمنی کی سازش خاص ہندوستان کے اندر بھی اپنا کام کر رہی ہے تو ہمارے حواس جاتے رہتے ہین۔ آخر یہ ہونا کیا ہے؟ اور اے خاموش و مکار سنہ ۱۹۱۶ء تو کیا کرنے والا ہے؟ ہمین بھی چین سے بیٹھنے دے گا یا نہین؟ بیشک تیرے تیور اچھے نہین ہین۔ یہ ہمین یقین ہے کہ تو نہ ہماری عالمگیر سلطنت برطانیہ کا کچھ بگاڑ سکتا ہے اور نہ ہمارے ملک کی عام وفاداری و اطاعت مین خلل ڈال سکتا ہے۔

لیکن یہ ممکن ہے کہ تو ہمارے آرام و اطمینان مین فرق ڈال دے۔ بس اسی دھڑکے سے ہمارا لہو خشک [illegible]

ان دنون صلح کی گفتگو چھڑی تھی اور موہوم سی امید پیدا ہونے لگی [illegible] سنہ ۱۹۱۵ء اپنے جانے سے پہلے ہی اس ہنگامے کو موقوف کرا دے گا۔ ا[illegible] جو مطلع صاف ہوگا تو دنیا کو صدیون تک کے لیے خونریزی سے فراغت مل جائیگی۔ مگر افسوس کچھ نہ ہوا اور عرصۂ جنگ اسی طرح گرم ہے۔ یہ نیا سال چونکہ اس تحریک صلح کو مٹاتا ہوا آیا ہے اس سے کھلتا ہے کہ یہ بھی شورش پسند ہے اور نہین چاہتا کہ دنیا والون کو چین سے بیٹھنا نصیب ہو۔

یہ تو دنیا کی عام حالت تھی۔ مگر اسکے بعد تخصیص بعد از تعمیم یہ ہے کہ ہم خاص دلگداز کے متعلق کچھ عرض کرین اور خود اپنی سرگذشت سنائین۔ مطابع اور اخبارون کے لیے یہ گذشتہ چند سال نہایت ہی منحوس اور خطرناک تھے۔ جن مین یہ بات کرنے پر لوگون کی زبان پکڑی جاتی تھی۔ اور خفیف سے خفیف لغزش کا بھی انجام نہایت سخت ہوتا

تھا - دلگداز اگرچہ ایک ادبی اور تاریخی پرچہ ہے مگر پھر بھی موجودہ حالات زمانہ پر کچھ
کہنا ہی پڑتا ہے - الحمدللہ کہ ہم سے کوئی ایسی لغزش نہین ہوئی جو کوئی مضر نتیجہ پیدا کرے

دلگداز مین جب تاریخی مضامین پڑھتے چلتے ہین جن کی نسبت اہل الرائے حضرات
اپنی عنایت سے اکثر اچھی ہی رائے قائم کیا کرتے ہین - "ہندوستان مین مشرقی تمدن
کا آخری نمونہ" کے عنوان سے جو تمدن لکھنؤ کی تاریخ کا سلسلہ جاری کیا گیا ہے اسے
دو سال ہو گئے - دو چار حضرات اس سلسلے سے اکتا بھی گئے ہین مگر عام رائے اسکی
مؤید ہے - یہان تک کہ بعض تعلیم یافتہ و شایستہ صاحب الرائے بزرگون نے اس قدر
حوصلہ افزائی فرمائی کہ لکھتے ہین" یہ مضامین ایک جداگانہ کتاب کی حیثیت سے مرتب
کرکے شایع کیے جائین" اور بہت سے احباب اُسکی بہت سی جلدین خریدنے کا وعدہ
فرماتے ہین - انشاءاللہ ایسا ہی ہوگا مگر پہلے یہ سلسلہ پورا تو ہولے - اسکو شروع
ہوے دو سال ہو گئے - اور ہمارا خیال ہے کہ تکمیل کے لیے دو ہی سال اور چاہیے
اس لیے کہ سوسائٹی کی اہم ترقیون کا تذکرہ ابھی بہت زیادہ باقی ہے - اور جب یہ سلسلہ
پورا ہو جائیگا تو اُمید ہے کہ معلومات کا ایک بہت اچھا اور یاد رکھنے کے قابل ذخیرہ
جمع ہو جائے گا -

"حسن کی کرشمہ سازیون" کا سلسلہ بھی کچھ نہ کچھ چلے ہی جاتا ہے - اس سلسلے کے ذریعہ
سے دلگداز نے نامور خاتونان سلف کے حالات کا ایسا اچھا سرمایہ فراہم کردیا ہے جو
اور کہین کم نظر آئے گا - اس مین شک نہین کہ "تذکرۃ النسا" اور "تذکرۃ الخواتین"
کے نام سے کئی کتابین فارسی و اُردو مین موجود ہین - مگر جس تفصیل و توضیح سے عورتون
کے حالات دلگداز کے صفحون پر بیان کیے گئے ہین کسی کتاب مین نہین نظر آسکتے -

دلگداز کی خصوصیت ہے کہ اُس مین جو کچھ ہوتا ہے خاص اڈیٹر کے دماغ و قلم کا
نتیجہ ہوتا ہے - اِس مین اور کسی کے مضامین نہین ہوتے - یہ شرط بجائے خود سخت ہی
بہت آسان تھا کہ ایک دس پانچ جُز کا رسالہ نکال دیا جاتا جس مین ملک کے بہت
سے انشاپردازون کے مضامین جمع کر دیے جاتے - لیکن دلگداز کو اپنی اس یکرنگی
ہی پر ناز ہے - اور دست بہ دعا ہے کہ خدا اسکو آخر تک نباہ دے - لیکن ناظرین سے
امید ہے کہ اگر کبھی اسکے کسی مضمون کو اپنے مذاق مین پھیکا پائین تو اُس سخت

ذمہ داری کا خیال کرکے جو دلگداز نے اپنے سر لی ہے رعایت فرمائیں۔

بلحاظ انتظام دلگداز نے اس سال بہت ترقی کی۔ یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ ماہانہ پرچون کی اشاعت مین تاخیر نہین ہوئی۔ لیکن غالباً یہ بھی غلط نہ ہوگا کہ نسبت سنین گذشتہ کے بہت تھوڑی تاخیر سے پرچے شایع ہوا کیے۔ ہر ماہ کا پرچہ دوسرے مہینے مین ضرور شایع ہو جایا کیا۔ اور چونکہ تاریخ اشاعت آخر ماہ ہے اس لیے اُسے زیادہ تاخیر نہ کہنا چاہیے۔ لیکن ہمین اُمید ہے کہ اس سال اتنی بھی تاخیر نہ ہوگی۔ اور اب وہ صاحب اپنی ہمدردی و سعی خیر پوری کرنے کے لیے تیار ہو جائین جو فرمایا کرتے ہین کہ اگر پرچہ ٹھیک وقت پر نکلا کرے تو ہم ہزارون خریدار پیدا کر دین"۔

ناولون کے نذر کرنے کا سلسلہ جب سے شروع ہوا اب تک جاری ہے۔ "غیب دان دولھن۔ زوال بغداد۔ حسن کا ڈاکو حصہ اول۔ رومۃ الکبریٰ۔ خوفناک محبت۔ اور الفانسو کل چھ ناول خریدارون کی نذر ہو چکے ہین۔ سال گذشتہ تک نذرانے کے ناولون کی تیاری مین دیر ہو جاتی تھی اور بعض مرتبہ آخر سال تک نوبت پہونچگئی لیکن اب ہم نے اس کا انتظام بھی درست کر لیا ہے۔ چنانچہ ۱۹۱۵ء کے خریدارون کو ناول الفانسو جنوری ۱۹۱۶ء کے آغاز ہی مین نذر کر دیا گیا۔ جو بہت کچھ اطمینان بخش اور ہمارے قدر افزاؤن کو خوش کرنے والا ہے۔

پبلک مین ناولون کا شوق اس قدر بڑھا ہوا ہے کہ اس پر بھی بہت سے احباب تقاضا کیا کرتے تھے کہ دلگداز مین کسی ناول کا سلسلہ جاری کیا جائے۔ اور ہر پرچے کے ساتھ اُسکا ایک جُز شایع ہوا کرے۔ اُنکی یہ خواہش تو ہم اسلیے نہین پوری کر سکے کہ اب ہم دلگداز کی قیمت بڑھانا نہین چاہتے۔ یہ ایک روپیہ سال کا ڈیڑھ روپیہ جو کر دیا گیا یہ بھی ہم نے بڑی مجبوری سے کیا ہے۔ لیکن اُن کا شوق پورا کرنے کے لیے ہم نے **دل افروز** نام ایک رسالہ اپریل ۱۵ء یعنی آغاز ۱۳۳۴ محمدی سے جاری کر دیا۔ جس کا سالانہ چندہ دو روپیہ ہے۔ اور اس کا حساب اپریل سے شروع ہوا کرتا ہے۔ اس مین دو ناول ہوتے ہین۔ جو مارچ ۱۶ء مین پوری جلدون مین مرتب ہو جایا کرین گے۔ یہ بڑی خوشی کی بات ہے کہ دل افروز جب سے نکلا برابر ماہ بماہ ٹھیک وقت پر شایع ہوتا رہا۔ اور اُسکے ناول پسند کیے گئے۔

بہر حال ہمین پوری اُمید ہے کہ سنہ ۱۹۱۶ء مین ہمارے دونون رسالے وقت پر اور پابندی سے نکلتے رہین گے۔ مگر خریداروں کو اتنا خیال رکھنا چاہیے کہ دلگداز یا دل افروز دونون ہمیشہ اپنے سال کے آغاز ہی سے جاری کیے جاتے ہین۔ ورنہ خریدار چاہے جس مہینے اور سال کے جس حصے مین آئے پرچے شروع سال ہی سے بھیجے جائین گے۔ یہ نہین ہو سکتا کہ سال کے کسی درمیانی مہینے سے حساب شروع کیا جائے دلگداز کا سال جنوری سے شروع ہوتا ہے۔ اور دل افروز کا اپریل سے۔ اور جس طرح خریداران دلگداز کی خدمت مین ناول نذرانہ سالانہ چندے پر وی۔ پی بھیجدیا جاتا ہے اُسی طرح اپریل کا دل افروز اُسکے تمام قدردانون کی خدمت مین وی پی جایا کرتا ہے۔

سنہ ۱۹۱۶ء کا کوچ

او ظالم جانے والے! او سال بھر تک جامِ خونین پینے پلانے والے!! اس قدر ہنگامے مچا کے۔ ایسی عظیم الشان خونریزی کرا کے۔ لاکھون نوجوانون کو آغوشِ مرگ مین سُلا کے۔ لاکھون عورتون کو بیوہ اور لاکھون بچون کو یتیم کرا کے۔ اور لاکھون میل زمین کو انسانی خون سے سیراب کر کے تو یون چپ چپاتے چلا جاتا ہے کہ گویا تو نے کچھ کیا ہی نہین؟

اے بزم ماتم والو! اور اے اسکے ستاتے ہوؤ۔ دیکھو یہ ساری دنیا کو ستا کے اور بڑی بڑی سلطنتون کو زیر و زبر کر کے چُپکے سے بھاگا جاتا ہے۔ آہ نہ پوچھو کہ یہ کمبخت کیا کر کے اور دنیا کو کس جنجال مین پھنسا ہوا چھوڑ کے جاتا ہے؟ یہ دنیا والون کو لڑاتا اور خون کی چھینٹین اُڑاتا آیا تھا اور سب کو اُسی طرح لڑاتا اور ایک دوسرے کے خون مین ہاتھ رنگتا چھوڑے جاتا ہے۔

اگرچہ اس سے پہلا سال سنہ ۱۹۱۵ء بھی ایسا ہی ظالم اور اتنا ہی متفنّی و فتنہ انگیز تھا مگر اس نے تو اور بھی زیادہ قیامت ڈھا دی۔ سچ یہ ہے کہ جتنی خون کی ندیان اس نے بہائین۔ اور جس قدر خونریزی اس نے کی ابتدائے تخلیق عالم سے آج تک شاید کوئی برس نہ کر سکا ہوگا۔

قرون اولیٰ کی وحشی و ظالم قومون کے ہاتھون کبھی کبھی ایسے برس نہ آفتین جاتی رہی نازل ہوتی تھی - جیسی اس زمانہ میں دست ۱۹۱۴ء آشنا مہذب و شائستہ لوگون اور ترقی یافتہ قومون کے ہاتھون سے ہیں - موجودہ تہذیب نے ایک مدت سے دنیا میں امن و امان قائم کرکے لوگون کو فارغ البالی کے ساتھ ترقی کرنے کا موقع دیدیا تھا - اتفاقاً سپ پسند طبیعتون اور جنگ و پیکار کا مذاق رکھنے والون کو شکایت پیدا ہوگئی تھی کہ اب سپہ گری بالکل بیکار چیز ہے - اور مہذب ممالک ان فکرون مین تھے کہ کوئی ایسی تدبیر کرین کہ دنیا کو ہمیشہ کے لیے لڑنے بھڑنے سے فرصت مل جائے -

اسی خیال مین دولت برطانیہ عظمیٰ نے جو امن و امان کی سب سے بڑی حامی ہے فوجی ضرورت کو غیر ضروری تصور کرکے اپنے ملک مین بجائے جبری تعلیم جنگ کے تطوع (والینٹری) کا طریقہ اختیار کیا - اور ہم سے وفاداروں سے ہتھیار رکھوا لیے - اس لیے کہ کبھی ہمین لڑنے بھڑنے کا بڑا شوق تھا - اور ذرا سی شورش مین ہم اول درجے کے شورہ پشت بن جایا کرتے تھے - مگر ۱۹۱۴ء نے چلتے چلاتے اُس عجیب و غریب آتشبازی مین جو جہانگیری کثرتون کے عوض یورپ مین بڑے بڑے صناعون اور چابکدست آتشبازون کے ہاتھون سے تیار ہو ہو کے جمع ہوتی جاتی تھی آگ بتا دی - پھر کیا تھا؟ وہ آتشبازی زور و شور سے چھوٹنا شروع ہوئی اور ایسی چھوٹی کہ شعلے دُور دور تک پہونچے - اور دھوان ساری دنیا مین پھیل گیا - بجھانے مین جب اور کوئی تدبیر کامیاب نہ ہوئی تو نظر آیا کہ سوا آبِ شمشیر کے اور کوئی پانی اس آگ کو نہین بجھا سکتا - لیکن اس پانی کو لا لا کے ڈالنے والے بہشتی سوا سپاہیون کے اور کون ہو سکتے تھے؟ اور ان کو ہم نے غلطی سے غیر ضروری سمجھ رکھا تھا -

افسوس بہشتیون کی کمی کے باعث یہ آگ ہمارے بجھائے نہین بجھ سکتی - اگر اس ضرورت کا پہلے سے خیال ہوتا تو اکیلا ہندوستان لاکھون نہین کروڑون بہشتی مہیا کر دیتا جو دم بھر مین اس جہان سوز آگ کو بجھا کے رکھ دیتے - لیکن نہین - ہمین پھر بھی دولت برطانیہ کی بیدار مغزی اور مستعدی کی تعریف کرنا چاہیے - کہ جس قدر جلد ہو سکا ہ تشکیر حصۂ زمین مین اتنے جفاکش و جانباز بہشتی پہونچا دیے جو آگ کو جہان تھی وہین روکے ہوئے ہین آگے نہین بڑھنے دیتے -

لیکن اس روک تھام کے تو ہم قائل ہیں اور اپنے وطن کے امن و امان کی وجہ سے بخوشی تسلیم کرتے ہین - لیکن یہ ساری دنیا کو نظر آ گیا کہ گذشتہ صدی کے مسلسل امن و امان سے جتنی جانین بچائی گئی تھین اُن سے بدرجہا زیادہ اس ایک قیامت زا آتش فساد کی نذر ہو گئین - اور ثابت ہو گیا کہ دنیا والے چاہے کتنے ہی شائستہ ہو جائین - لکھ پڑھ کے فرشتے بن جائین مگر اس قابل ہرگز نہین ہین کہ انھین امن و امان کے ساتھ خاموش بیٹھنے دیا جائے -

یہ لڑائے جانے ہی کے لیے پیدا ہوے ہین - اور سچ یہ ہے کہ آزادی و تہذیب کا انھین چاہے کیسا ہی دعویٰ ہو مگر اصل حقیقت مین مہتمان قضا و قدر نے انھین اپنی دلچسپی کے لیے گلے ڈی اے ٹر بنا کے تیار کیا ہے - قدیم دولتمندان روم کا دلچسپ مشغلہ یہ تھا کہ غیر قومون کے لوگون کو غلام بنا کے اس لیے تیار کرتے کہ اُنکی تفریح کے اکھاڑون مین اُتر کے ایک دوسرے کو قتل کرین - یعنی جس طرح کوئی مرغ لڑاتا ہے - بٹیر لڑاتا ہے - مینڈھے لڑاتا ہے - اُسی طرح رومی آدمیون کو لڑا کے اُنکی باہمی خونریزی کا تماشا دیکھا کرتے - جو پٹھے اس خونین اکھاڑے مین اُترنے کے لیے تیار کیے جاتے وہ "گلے ڈی اے ٹر" کہلاتے - مورخ کہتے ہین کہ بعد کی تہذیب نے اس جانستانی کے ظالمانہ مذاق کو موقوف کر دیا - لیکن اصل یہ ہے کہ وہ مذاق بعینہ ویسا ہی بلکہ اُس سے بدرجہا زیادہ بڑھا ہوا خود کارکنان قضا و قدر کا ہے جنھون نے سارے آدمیون کو "گلے ڈی اے ٹر" بنا دیا ہے - اور اُن خونین پٹھون کا صرف مشغلہ یہ ہے کہ ایک دوسرے کو قتل کر کے اپنے ناظرین کو خوش کرین -

لیکن ان قدرت کے تیار کیے ہوے گلے ڈی اے ٹرون نے کبھی ایسا اچھا اور اس قدر سخت تماشا نہین دکھایا تھا جیسا ان آخری دو برسون مین دکھایا - اور اپنے فعل سے ثابت کر دیا کہ انکے لڑانے کی بہ نسبت ان کا خاموش بیٹھنا زیادہ خطرناک ہے - کیونکہ ہمیشہ لڑتے بھڑتے رہنے سے اُن کا غصہ فرو ہوتا رہتا ہے - لیکن جس طرح شکاری کُتون کو باندھ رکھنے سے اُنکی جھلاہٹ بڑھتی ہے اُسی طرح ان کو بٹھا رکھا جائے تو چند روز بعد یہ بھی ایسے جوش سے لڑتے ہین کہ چند روز کے سکون و خاموشی کا نہایت ہی خونخوار انجام ظاہر ہوتا ہے -

مگر اس اصول کے پیش کرنے سے یہ خطرناک نتیجہ نکلتا ہے کہ گورنمنٹ نے ہم سے اسلحہ لے کے کوئی اچھا کام نہین کیا - کیونکہ لڑائی سے رُکے ہوے ہندوستانی جب کبھی موقع پاجائین گے ایسی سخت لڑائی لڑین گے جو یورپ کی موجودہ جنگ سے بھی زیادہ خون ریز ہوگی - لیکن یہ تو ایک پولٹیکل مسئلہ ہوگیا اور ہم پالٹکس مین بحث کرنا۔ خصوصًا ایسے مباحث چھیڑنا جو ہمارے حاکمون کے دلون مین بدگمانی پیدا کرین - ہرگز نہین پسند کرتے - خیر ہندوستان والون مین امن و امان کا انجام بدامنی و خون ریزی ہو یا نہ ہو مگر یورپ مین تو یہی ہوا - اور اُس مین سے جو کچھ گذشتہ بارہ مہینون کے اندر پیش آیا سب اسی جور پسند سنہ ۱۹۱۶ء کے نامۂ اعمال مین لکھا گیا -

اس سال کے ابتدائی واقعات مین قلعہ ہاے وردون پر اہل جرمن کا حملہ اور اُسکی حیرت انگیز روک تھام تھی جو اتحادیین کی طرف سے عمل مین آئی - اس لڑائی نے جو آدھے سال سے زیادہ زور و شور پر رہی ثابت کر دیا کہ جرمنی نے سائنس اور آلات جنگ کے ایجاد و اختراع مین لاکھ ترقی کی ہو مگر فرانس و انگلستان کی تعمیر کی ہوئی دیوار آہن کو نہین توڑ سکتا - لاکھون جانون کے وارے نیارے کے بعد بھی وہ سوا اِسکے کہ اس آہنی حصار مین سر ٹکراتے ٹکراتے اپنا سر توڑ لے اور ناکامی کے انداز سے سر پکڑ کے بیٹھ جائے اور کچھ نہ کر سکا - اتحادیین کے لیے یہ نہایت ہی قابلِ اطمینان واقعہ ہے - اور اسی نے ہمین یہ کہنے کا موقع دیا کہ گو جرمنی بہت سے ملک دبائے ہوئے ہے - مشرق و مغرب مین دونون طرف بہت بڑھ آیا ہے - لیکن اصل مین ابھی تک جیتنے والا وہ نہین ہم ہین - اور اسی بنیاد پر ہمین موقع ملا کہ اُسکے شرائطِ صلح کو جو اصرار کے ساتھ اور خدا ترسی کے لہجے مین پیش کیے گئے تھے ہم نفرت و حقارت کے ساتھ پھیر دین -

لیکن سنہ ۱۹۱۶ء کے خاتمے پر یہ نہایت ہی اندوہناک اور قابلِ افسوس واقعہ پیش آیا کہ رومانیہ اپنی حماقت پر قربان ہوگیا - ہم نے اُسکی فوجی قوت اور اسکے سامانِ جنگ کو دیکھ کے خیال کیا کہ وہ کمزور و ناتوان آسٹریا کا خاتمہ کر دے گا - اُس نے ہمین اپنی قوت و حالت کا اندازہ بتایا - اور اس دھوکے مین آکے روس نے اسے مشورہ دیا اور اُس نے بے تکلف تاؤ مین آکے اشتہار جنگ دے دیا - نتیجہ یہ ہوا کہ جب تک ہماری کمک سلونیکا سے پہونچے پہونچے اور قبل اسکے کہ روس اُس کی اعانت کا کافی

بند و بست کر سکے حریف نے اُس کا خاتمہ کر دیا۔ چاہے دنیا کی کوئی قوت مانے یا نہ مانے ہم رومانیہ کو بلقان کے نقشے میں سے مٹانے نہ دیں گے۔ کیونکہ یہ سچ ہے "دشمن اگر قوی است نگہبان قوی تر است"۔ مگر دشمن کی آرزو کے مطابق چند روز کے لیے عارضی طور پر رومانیہ کی سلطنت غائب ہو گئی۔

اگرچہ مغربی میدان جنگ میں ہم کامیاب ہیں پھر بھی ہمیں دشمن کی اُن کامیابیوں کو دیکھ کے بہت تکلیف ہوتی ہے جو بلقان میں پیش آئیں۔ مہذب و زبردست دول یورپ نے جدید و نوخیز دول بلقان ہی کی فلاح کے لیے یہ جھگڑا مول لیا تھا۔ کوشش کی تھی کہ جنوبی و مشرقی یورپ میں جو سلطنتیں قائم کی گئی ہیں مضبوط ہو جائیں۔ اور اپنی حفاظت کر سکیں۔ باہم مل کے امن و امان قائم رہیں۔ اور مشرقی یورپ کا مسئلہ ہمیشہ کے لیے طے ہو جائے۔ اس کوشش کا انجام ناگوار پلٹے کھاتے کھاتے اس نتیجے کو پہونچا کہ زبردست دول یورپ خود لڑ پڑیں۔ لہٰذا اس دارو گیر میں اتنا جھگڑا مول لینے اور دنیا کے امن و امان میں خلل ڈالنے کے بعد خاص بلقان کے اندر اگر کوئی واقعہ ہم اپنی مرضی کے خلاف پاتے ہیں تو ہمیں بڑا صدمہ ہوتا ہے۔ اور بدنصیبی سے بلقان ہی کی حالت اس جھگڑے میں روز بروز خراب ہوتی جاتی ہے مانٹی نگرو اور سرویا جو ہمارے دوست تھے فنا ہو گئے۔ رومانیہ جس نے سب کے بعد ہم سے عہد وفا باندھا آنکھوں کے دیکھتے ہی دیکھتے چند روز کے اندر مٹ گیا۔ بلغاریہ ہے۔ مگر وہ ہمارے دشمنوں کا دوست بنا ہوا ہے۔ یونان کو ہم چاہتے ہیں کہ موقع کو ہاتھ سے نہ دے۔ اس کا خیال کرے کہ ہمارا ہی ساختہ و پرداختہ ہے۔ اور اُٹھ کھڑا ہوتا کہ ہم کافی مدد دے کے اُسے بلقان کی سب سے زبردست سلطنت بنا دیں۔ مگر اپنی شامت و حماقت سے وہ ایک نہیں سُنتا۔ جرمنی کے نام سے اس قدر لرزان و ترسان ہے کہ اُدھر نظر اُٹھاتے ہی اسکے بدن میں لرزہ پڑ جاتا ہے اور بظاہر یہ نظر آتا ہے کہ اُسکے سارے جسم اور تمام اعضا و جوارح پر چاہے ہم حاوی ہوں مگر اس کا دل ہمارے دشمنوں کے ہاتھ میں ہے۔

مگر عموماً ان جھگڑوں سے زیادہ تعلق اہل یورپ کو ہے۔ ہم نے تو ۱۹۱۶ء کے آغاز ہی میں کہہ دیا تھا کہ ہمیں زیادہ تر اپنی فکر ہے۔ ہم کو اُسی وقت نظر آیا تھا کہ جو

آگ مغرب مین لگی تھی مشرق کی طرف بڑھتی چلی آتی ہے - اس کا تو باوثوق اطمینان ہوگیا کہ ترک جزیرہ نماے سینا کو قطع کر کے مصر پر جو حملہ کرنا چاہتے ہین اس مین ہرگز کامیاب نہ ہوسکین گے - بنی اسرائیل تو اس وادی تیہ مین چالیس سال کی دشت نوردی کے بعد ارض یہودا مین پہونچ گئے تھے مگر ترک چالیس کیا اسّی برس تک خاک چھانین گے تو بھی اپنی منزل مقصود کو نہ پہونچین گے - لیکن پھر بھی اس لڑائی نے مشرقی ممالک کی جو حالت کر رکھی ہے وہ راز سربستہ ہے - نہ ہمین پتہ چلتا ہے کہ شمالی ایشیا مائنر اور ایران مین روس کی کیا حالت ہے - نہ اسکی خبر ہے کہ اہل عجم کیا کر رہے ہین ؟

اتحادیون نے اس لڑائی مین دو زبردست منصوبے سوچے تھے - اول یہ کہ جنوبی بلقان سے بڑھ کے روس کی فوجون سے مل جائین - اور یورپ کی سرگرم پیکار دول وسطیٰ کا تعلق ٹرکی سے قطع کر دین - دوسرے یہ کہ عراق سے بڑھ کے کوہ قاف کے دامن تک پہونچ جائین تاکہ ایران دشمنون کے زہریلے اثر سے محفوظ رہے - اور جرمنی نے جو نئی سڑک برلن سے بغداد تک بنالی ہے وہ مشرق مین وہان سے آگے نہ بڑھنے پائے - ان دونون مقاصد مین آج تک کامیابی نہین ہوئی ہے - اور قیامت یہ کہ یہ بھی خبر نہین کہ ان دونون مقامات مین کیا ہو رہا ہے - ولایت کی ڈاک سے کبھی کبھی یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ ترکی و جرمنی اثر ایران مین بڑھ رہا ہے - جس سے ہماری پریشانی بڑھ جاتی ہے - اور اپنے وطن کی سرحد تک فتنون کے آ پہونچنے کا دھڑکا ہمارے سارے اطمینان کو خاک مین ملا دیتا ہے -

ان دنون عام طور پر مشہور ہے - اور جو واقعات سُنے جاتے ہین اُن سے ظاہر ہوتا ہے کہ مغربی سرحد پر ہماری فوجین کثرت سے جمع ہو رہی ہین - سامان جنگ اور ہر قسم کا فوجی ساز و سامان مغرب کی طرف ڈھلا چلا جاتا ہے مگر خاک نہین معلوم کہ کیون اور کس لیے ؟ ادھر کمبخت کونسا حریف اُٹھ کھڑا ہوا جو ایسی تیاریان ہو رہی ہین - امیر افغانستان ہمارا جانی دوست ہے - اگرچہ وہان کا اخبار ایک ترک کے ہاتھ مین ہونے کی وجہ سے جرمنی کا جامہ پہنے ہوے ہے - مگر خود امیر کے افعال بالکل دوستانہ اور ہماری مرضی کے مطابق ہین - اُس نے عثمانی و جرمنی وفد کے لوگون کو جو مسلمانان افغانستان کے بہکانے کو آئے تھے گرفتار کرا دیا - اور دوستی کا ایسا صاف اور نمایان ثبوت دیا جو

ہرطرح قابل اطمینان ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ جب امیر بھی موافق ہے۔ سرحدی جرگون مین سے ایک آدھ نے اپنی معمولی عادت کے موافق سرکشی بھی کی تو ہم نے بھی اُسے پوری سزا دے دی۔ باقی تمام جرگے ہمارے وفادار دوست ہین۔ پھر اور کون سی آفت اُٹھ کھڑی ہوئی کہ ادھر فوجین جمع ہو رہی ہین؟ یورپ کی اس جنگ کا کوئی شعبہ ہماری سرحد پہ پیدا ہوا تو قیامت ہو جائے گی۔

ہندوستان یون ہی قیامت کی ہولون سے ہیجان ہو رہا ہے۔ جہلا اور عوام کے دلون مین تو یہ دھڑکا ہے کہ ہندوستان کی دولت و زرخیزی عہد تاریخ سے پہلے بھی مشہور تھی اور آج بھی مشہور ہے۔ ممکن نہین کہ جو ہوس سکندر کو مشرق مین لائی تھی وہی قیصر کے دل مین بھی نہ ہو۔ اور اُسے ہندوستان کی تمنا نہ ہو۔ تعلیم یافتہ لوگ جو ان اندیشون کو اوہام باطلہ تصور کرتے تھے سرحد کی فوجی نقل و حرکت سُن سُن کے اُن کے پاے ثبات کو بھی لغزش ہوئی جاتی ہے۔ مگر جو کچھ ہو یہ سمجھ مین آنے کی بات نہین ہے۔

ہندوستان کی تو یہ حالت ہے کہ ہر وقت لہو لگا کے شہیدون مین ملنے کو تیار رہا کرتا ہے۔ اگرچہ اُسکی سرحد اور اُسکی سرزمین سے یہ ہنگامے ہزارون کوس کے فاصلے پر ہین مگر وہ لڑائی مین حصہ اُتنا ہی لے رہا ہے اور لینے کو تیار ہے جتنا کہ خود فرانس و انگلستان کو لینا پڑا۔ اسکے سپاہی تمام خونین میدانون مین جلتے اور کٹتے مرتے ہین۔ اسکے بھی بہت سے بچے یتیم اور بہت سی عورتین بیوہ ہو چکی ہین۔ اُس نے دولت اور قوت دونون باتون مین تاج کے ساتھ پوری شرکت کی۔ اور غذا کی دشواری مین بھی وہ انگلستان کا ساتھ دے رہا ہے۔ گیہون یہان بھی مہنگا ہو گیا۔ شکر یہان بھی دونے بھاؤ کو پہونچ گئی۔ مگر سب سے زیادہ اُن چیزون کے فنا ہونے نے تباہ کر رکھا ہے جن کو آج تک ہم اپنی سلطنت اور خاص انگلستان کی سمجھ کے آنکھون پر رکھتے تھے۔ مگر لڑائی چھڑتے ہی کھلا کہ وہ جرمن اور آسٹریا کی ہین۔ خود انگلستان کے مسئلہ فری ٹریڈ نے ہمین اُن چیزون کا عادی بنایا۔ اور عادت پڑ جانے کے بعد جو وہ ہم سے چھینی گئین تو ہمین سخت دشواریون اور تکلیفون کا سامنا کرنا پڑا۔ اگر ہم پہلے سے یہ جانتے ہوتے کہ ان کو اختیار کر کے ہم غیرون کے دست نگر

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

جس کو ہم بہت ہی نفرت کی نظر سے دیکھتے تھے - اب اس کا غذ کی گرانی بھی اس درجے کو پہونچ گئی ہے کہ ناقابل برداشت ہے - اسپر خرابی یہ کہ اس مجبوری و دشواری کو ہندوستان کی پبلک محسوس نہین کرتی - انگلستان ہی ہے جہان اخبارون اور کتب فروشون نے قیمتون کا نرخ بڑھا دیا - اور سب لوگون نے قبول کرلیا - نہ اخبارون کی اشاعت مین فرق پڑا اور نہ کتابون کی خریداری کم ہوئی - ہندوستان مین اگر کوئی اخبار یا رسالہ کچھ بھی قیمت بڑھا دے تو دوسرے ہی دن اشاعت آدھی سے بھی کم رہ جائے - اور اسی وجہ سے ہمین قیمت بڑھانے کی جرأت نہین ہوتی -

لیکن سچ یہ ہے کہ کاغذ کی گرانی کے باعث سب سے زیادہ نقصان اُٹھانے والا دلگداز ہے - دلگداز کی سالانہ قیمت صرف ڈیڑھ روپیہ بھر ہے - اور پھر ختم سال پر خریدارون کو ایک ناول مفت نذر کیا جاتا ہے - ہماری عادت ہے کہ جہان تک نبتا ہے ناول کے پلاٹ کو نہین بگاڑتے - اور نذرانے کے ناول اکثر بارہ بارہ جز تک پہونچ گئے ہین - لیکن کاغذ کی گرانی نے یہ حالت کردی ہے کہ ایسی بے پروائی خودکشی کا حکم رکھتی ہے -

ابھی ناول "بابک خرمی" جو عہد خلافت عباسیہ مین سے المعتصم باللہ کے زمانے کا ایک تاریخی ناول ہے نذر کیے جانے کے لیے تیار ہوا ہے - لیکن اس کا پلاٹ اتنا بڑا ہے کہ اگر پورا کیا جائے تو اسکو چھاپ کے اسی قیمت مین دینا ہماری قوت و استطاعت سے باہر ہے - لہذا بجاے اسکے کہ کہ اُسے ناتمام طور پر ختم کردیا جائے ہمین مناسب معلوم ہوا کہ دو حصے کردین - ایک حصہ ابھی اور دوسرا حصہ آغاز ۱۹۱۹ء مین نذر کرین لیکن اس خیال سے کہ ناظرین کو تکلیف نہ ہو ہم نے حصۂ اول کو ایسے مقام پر اور اس طرح سے ختم کیا ہے کہ یہ حصہ بجاے خود مکمل سا ہوگیا ہے - گو کہ بہت سی باتین تشنہ معلوم ہوتی ہین - جس کو امید ہے کہ معزز ناظرین ہماری مجبوریون کا خیال کر کے

معاف فرمائیں گے۔

دلگداز بلحاظ مضامین اس سال برا نہیں رہا - مضامین اکثر تاریخی رہے جس چیز کو موجودہ ناظرین کا غالب حصہ پسند کرتا ہے - مضامین ہندوستان میں مشرقی تمدن کا آخری نمونہ" ابھی تک جاری ہیں - غائر نظر سے دیکھنے والا تعلیم یافتہ حصۂ ملک اس سلسلہ کو بہت زیادہ پسند کرتا ہے اور متقاضی ہے کہ یہ سلسلہ ہرگز ناتمام نہ چھوڑا جائے - جن بیقرار طبیعت والوں کا مذاق "کل جدید لذیذ" ہے وہ ایک ہی عنوان پڑھتے پڑھتے اُکتا گئے - اور کہتے ہیں اب تو اس عنوان سے عاجز آ گئے خدا کے لیے کوئی نئی بات چھیڑیے - حالانکہ وہ سمجھ سکتے ہیں کہ فقط عنوان ہی پُرانا ہوتا ہے باتیں ہمیشہ اور ہر نمبر میں نئی ہی ہوا کرتی ہیں - بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اب یہ لکھنؤ کی قصیدہ خوانی موقوف کیجیے - وطن پرستی کی کوئی حد بھی ہے؟

اس میں شک بھی نہیں کہ ہم نے غالباً بہت سے امور میں لکھنؤ کو بیجا فضیلت دی ہوگی - ممکن ہے کہ بعض شہروں کو کسی فن یا کسی چیز میں زیادہ فوقیت حاصل ہو - مگر سچ یہ ہے کہ ہم جو کچھ لکھتے ہیں اپنے علم و ادراک کی بنا پر لکھتے ہیں - جن حضرات کو جن شہروں کے خصوصیات معلوم ہوں ہمیں لکھ بھیجیں - ہم بڑے شوق سے دلگداز میں شایع کریں گے - بشرطیکہ وہ تاریخی تحقیق اور خاندانی روایات کی بنا پر تحریر فرمائیں - ہم بالارادہ لکھنؤ کی بالکل طرفداری نہیں کرتے - جو کچھ حالات دریافت کرنے سے معلوم ہوتے ہیں اُنکو لکھ دیا کرتے ہیں - اس بارے میں ہمیں ابھی بہت کہنا باقی ہے - اور جو حصہ باقی ہے ہمارے خیال میں گذشتہ واقعات سے زیادہ ضروری اور اہم ہے - جہاں تک ہم سے بنے گا اس سلسلے کو پورا کریں گے - اور اگر اس میں ہم سے کچھ غلط بیانیاں یا فروگذاشتیں ہو گئی ہوں تو اچھا ہو کہ ہمارے صاحب ذوق احباب بعوض اعتراض کے اصلاح فرمائیں -

نیا سال اور نئے دھڑکے

کبھی زبان پر تھا "نیا سال اور نئی اُمیدیں" یا زمانے کا رنگ ایسا بدلا کہ اب کہتے ہیں "نیا سال اور نئے دھڑکے" - کاش وہی ہوتا جو ایک اگلا سخن سنج

کہہ گیا ہے کہ

گرما گذشت و این دلِ زار ہمان   سرما گذشت این دل زار ہمان

القصہ ہزار گرم و سرد عالم   برما گذشت این دل زار ہمان

اب تو اسکے لالے پڑ گئے ہین کہ جو پریشانیان کل تھین کاش آج [illegible] رہتین اور کوئی نئی آفت نہ آتی - مگر کسے خبر ہے کہ کل کیا ہوگا؟ ایسی بیخبری مین کبھی کبھی انسان کے لیے کامیابی و کامرانی کی جھلک پیدا ہو جاتی ہے - لیکن بدنصیبی سے ہمین ہر وقت کسی نئی مصیبت اور کسی نئے خطرے ہی کا دھڑکا لگا رہتا ہے - دل مضبوط کرتے ہین - صورت کو زبردستیان کر کرکے بشاش بناتے ہین - تاکہ کوئی یہ گھبراہٹ کی صورت دیکھ کے دشمنون کو خبر نہ کرے کہ پریشان ہین اور گھبرائے ہوے ہین - دشمن کے جاسوس شہر اور گانون گانون موجود ہین - ذرا ذرا سی باتون کی خبر پہونچ جاتی ہے - کسی نے ہماری اس پریشانی و بدحواسی کا حال بتا دیا تو خوش ہوگا کہ ان کا حوصلہ پست ہوگیا - ہمت ٹوٹ گئی - اور اب بتی بولا ہی چاہتی ہین - کوئی کمبخت سے کہے حوصلہ سپاہیون کا دیکھا جاتا ہے - اور ہمت لڑنیوالون کی دیکھنی چاہیے - ہمارے نبرد آزما تو اُسی طرح خوش و خرم ہین - اور جی توڑ توڑ کے تیرے ہوش و حواس بگاڑے دیتے ہین - اُن کا حوصلہ پست ہو تو کوئی بات بھی ہے - ہماری گھبراہٹ سے نہ ہماری فوج کا کچھ بگڑ سکتا ہے نہ ہماری سرکار کی جیتونون پر میل آسکتا ہے - ہم گھرون کے بیٹھنے والے - لکھنے پڑھنے کے عادی اور عہدی - بے چوڑیون کے گھر گرست - بے گھونگھٹ کے پردہ نشین - ہمارا حوصلہ پست ہوا تو کیا اور بلند ہوا تو کیا - مگر نہین - وہ یہی دیکھتا رہتا ہے کہ اسکے تیور کیسے ہین - اور اسکے چشم و ابروے کیا ظاہر ہوتا ہے - اور کبھی خدانخواستہ ذرا بھی کمزوری نظر آگئی تو دنیا بھر مین ڈھنڈورا پیٹ دیتا ہے -

اُدھر تو اس کا ڈر لگا ہے ادھر یہ حال ہے کہ خود اپنے حکام کے تیور دیکھ دیکھ کے دم نکلا جاتا ہے - اُنکی تاکید ہے کہ چاہے دل مین کچھ ہو مگر زبان سے حرف شکایت نہ نکلے - اُف کی اور زبان کاٹ لی گئی - کان ہلائے اور ناک ندارد - خبردار نہ ہراس ظاہر ہو نہ خوف - کسی کو یہ نہ نظر آئے کہ گھبرائے ہوے ہو - کلیجا چاہے

قمیون اُچھلے - دل چاہے دھڑکتے دھڑکتے سینے مین شگاف ڈال دے - مگر پاس والے کو خبر نہ ہو کہ تم بدحواس ہو -

پھر اسکے ساتھ حالت یہ ہے کہ ٹکے ٹکے کی چیز کو ترس رہے ہین - گھر مین بیٹھنے والیون کو کیا چاہیے ؟ روٹی کپڑا - وہی ندارد - مانا کہ ہم گھر مین بیٹھنے والی نہین والے ہین - لیکن آخر پیٹ کا دوزخ تو ہمارے ساتھ بھی لگا ہے ؟ ستر پوشی کی ضرورت تو ہمین بھی ہے ؟ یہ فکر دور ہو تو خیر زبردستی ہی سہی ہنسنے کی صورت بنا لین - تن کو کپڑا ہو تو دل ہزار پسنی دکھائے اکڑ کے بیٹھ جائین - اور خواہ مخواہ کو پرنے لگین - مگر افسوس نہ ہنستے بنتی ہے نہ روتے -

پہلے رنگ ندارد ہو گیا تھا - جسکے ساتھ وہ رنگ برنگ دوپٹے غائب - اور بغیر معتبر نائی کے آئے ہی گھر بسی کے بیوہ ہو جانے کا یقین ہو گیا - سارا سُہاگ چوڑیون سے تھا وہ بھی جرمن کی تھین - ندارد - مدت سے کپڑے بھی نہین بنے ہین آخر کب تک چلین ؟ تقاضا ہوا کہ کپڑے بنواؤ - یہان اپنے ہی تن کو کپڑا نہین اُن کا جوڑا کہان سے بنے ؟

ہماری حالت تو یہ ہو رہی ہے - اور چنگیز خان کے بڑے بھائی میان سنہ سترہ خان بہادر دروازے پر کھڑے پکار رہے ہین کہ ذرا باہر آ کے ہم سے تو بغلگیر ہو لیجیے - اس موقع پر نئے برس سے ملنے اور سال کے پہلے دن صورت دکھانے کے لیے ہر شخص اپنی حیثیت کے موافق بن ٹھن کے نکلتا اور گردش ایام کی مشین کے اس تازہ وارد انجنیر سے اچھے ٹھاٹ سے ملتا ہے - مگر اب کہین تو شکایت ہو گی - جن فتنہ جو اور خون آشام بزرگ سے آپ نے چارج لیا ہے اُنھون نے یہ منحوس صورت ہی اس قابل نہ رکھی کہ کسی کو دکھائین - ایک سوئی تک تو نصیب نہین کہ دھرانی پھٹے پُرانے کپڑون ہی کو گانٹھ کے درست کر دین - اچھا پھٹے ہی کپڑے سہی اتنا تو ہوتا کہ نہاتے دھوتے اور وہی پھٹا پُرانا جوڑا پہن لیتے - مگر خدا بھلا کرے آپ کے پیش رو مہربان سنہ ۱۶ خان کا جنھون نے ہماری میونسپلٹی کے واٹر ورکس کو بھی اس قابل نہ رکھا کہ ہم اپنا پنڈا دھوئین اور جو یہ میلے کپڑے دھوئین -

بہر حال سرکار خوش ہو یا ناخوش ہم تو اس صورت سے باہر نہ نکلین گے -

سنہ ۱۹۱۷ء صاحب جس طرح زبردستی دنیا میں آدھمکے ہیں اُسی طرح بغیر "کھٹکے، آؤ پردہ کرلو" کی صدا لگائے ہمارے گھروں میں بھی گھس پڑے ہیں۔ نئے دوستوں اور نئے تازہ وارد مہمانوں سے مل کے انسان عموماً خوش ہو جاتا ہے۔ اس مہیب ہولناک مہمان کی قہار صورت دیکھ کے سوا اسکے کہ چھاتی کی دھڑکن اور بڑھ جائے اور رہے سہے حواس بھی رفوچکر ہو جائیں اور کیا امید ہو سکتی ہے؟ بہرحال ہم نے تو اس ظالم برس کے استقبال میں گھر سے قدم نہیں نکالا۔ اور ہماری طرح یقیناً ساری دنیا نے بھی یہی کیا ہوگا۔ لیکن اِسے مطلق پروا نہیں۔ یہ آیا اور ہر گھر میں داخل ہو گیا۔ لوگوں نے لاکھ آنکھیں بند کر لیں۔ ہزار منہ پھیرا۔ مگر اسکی خوفناک صورت نظر کے سامنے ہو ہی گئی۔

ہم تو ڈر کے مارے سمٹ گئے۔ اور جس طرح بھیڑیے کے آگے بندر بے حس و حرکت بیٹھ جاتا ہے کہ بھائی جو جی چاہے کرو ہم ہر مصیبت کے برداشت کرنے کو تیار ہیں مگر جن مستقل مزاجوں کو خدا نے مضبوط دل دیے ہیں سنبھل کے بیٹھ گئے۔ سنہ ۱۹۱۶ء نے اپنے عہد میں دنیا پر جو جو مظالم کیے تھے اُن کی مکمل خونیں فہرست چپکے سے پیش کر دی اور کہا "آپ کے بڑے بھائی نے تو یہ کیا۔ اب آپ بھی اپنے دل کی بھڑاس نکال لیں۔ بلکہ آپ کے تیوروں سے آپ کا مزاج پہچان کے صاف صاف کہہ دیتے ہیں کہ ؎

ستم ہی کرنا جفا ہی کرنا نگاہ اُلفت کبھی نہ کرنا
تمھیں قسم ہے ہمارے سر کی ہمارے حق میں کمی نہ کرنا

بادی النظر میں ان تازہ وارد بزرگ سنہ کا رنگ سب سے بڑھا چڑھا معلوم ہوتا ہے۔ ان کے آنے سے پہلے ہی دشمن انسان جرمنی کے بعض سپہ سالاروں اور ذمہ دار افسروں نے کہنا شروع کیا کہ سنہ ۱۷ء میں ایسی لڑائیاں لڑی جائیں گی جن سے کسی نتیجے تک پہونچنے کی جلدی امید کی جا سکے گی۔ اسکے ساتھ ہی ولایت کی ڈاک مکرر وسہ کرر بتاتی ہے کہ فی الحال جرمنی میں غیر معمولی تیاریاں ہو رہی ہیں اور اُنکے بحری کارخانوں میں غیر معمولی سرگرمی اور خطرناک ہنگامہ بپا ہے۔ یہ قطعی ہے اور تمھیں یقین نہ آتا ہو تو اپنی سرکار کی طرح جیسی قسم کہو کھا کے کہہ دیں کہ فتح ہماری ہی ہوگی۔ لیکن اس کا کیا علاج کہ شیطان مانتا نہیں ہلاک کرتا ہے؟ ظالم ہاریگا ضرور

مگر خدا ایسا نہ کرتا کیسے آشتی جوت سکے؟ اور دنیا کو کس دن تک پہونچا سکے؟
کہتے ہین کہ جو روز ظلم اٹھاتے اٹھاتے ظلم برداشت کرنے کی بھی عادت پڑ جاتی ہے
مگر افسوس ہمین تو یہ عادت نہ پڑی۔ اور پڑے کیسے؟ زمانے کا رنگ تو یہ ہے کہ روز
نیا ظلم ہوتا ہے اور ہر گھڑی نئے ظلم ایجاد ہوتے ہین۔ ایک کی اچھی طرح عادت
نہین پڑنے پاتی اور اُس مین مزا آنا نہین شروع ہوتا کہ کوئی نئی ستمگری اُٹھ
کھڑی ہوتی ہے۔ اور پھر وہی پریشانی وہی حیرانی اور وہی گھبراہٹ لاحق
حال ہو جاتی ہے۔

اور سب باتین تو خیر ہئی ہین ہمین اپنے قدر افزا کرم فرماؤن سے جو وقتاً فوقتاً
ملنے کا اتفاق ہو جاتا ہے یہ بھی کمبخت سنہ ۱۶ء سے بمشکل دیکھا گیا۔ اور یہی مذاق
سنہ ۱۷ء کا بھی معلوم ہوتا ہے۔ ہم سپہگر اور جنگجو لوگ نہین ہین کہ تازہ دم گھوڑون
پر سوار ہوکے دشمن پر دھاوا کرین۔ ہم تو فقط کاغذ کے گھوڑے دوڑانا جانتے ہین
مگر ان ظالم و سنگدل ابنائے زمانہ کو یہ بھی گوارا نہین کہ یہ مہینے پیچھے کی مکتوب والی
ادھوری ملاقات ہی ہو جایا کرے۔ کاغذ۔ روشنائی۔ اور چھاپنے کا تمام ضروری
سامان گرانی کی انتہائی درجے کو پہونچ گیا۔ اور اب بھی اطمینان نہین کہ عالم علم و
ادب کی یہ آفت اور تصنیف و تالیف کی یہ عالمگیر مصیبت کب دُور ہوگی؟

دلگداز کو بُرے بھلے ہر طرح کے برسون سے سابقہ پڑ چکا ہے۔ وہ زمانے کی مار
کھا کھا ہی کے سنبھلا ہے۔ انھین نازک زمانون اور اسی قسم کی مضرتون نے اُسے
سخت جان بنا دیا ہے۔ اب اُس مین زمانے سے لڑنے کی قوت آگئی۔ اور ہمین
یقین ہے کہ جس مردانگی و استقلال سے اس نے جفاکار سال گذشتہ کا مقابلہ
کر لیا اس نئے خونخوار برس کا بھی مقابلہ کر لے گا۔

اگلے برس کے آخر مین اُسکی اشاعت ذرا تاخیر سے ہوئی اور محض کاغذ کی
دشواریون کے باعث نومبر و دسمبر کے پرچے اوائل فروری مین شائع ہوے اور
یہ جنوری کا پرچہ بھی فروری ہی مین حاضر ہوتا ہے۔ نیز امید واثق ہے کہ بہت ہی
جلد ہم انتظام درست کر لین گے۔ اس لیے کہ جس طرح ہماری سلطنت کو اپنے
دشمنون پر فتح پانے کا قطعی یقین ہے اُسی طرح ہمین بھی پورا یقین ہے کہ ہم نے

زمانے پر فتح پائی۔ پہلے خوفناک دیوتا ۱۹۱۴ء کو تو لڑ بھڑ کے بھگا دیا اب ذہن نہین انشاء اللہ اس دوسرے دیو بلکہ لڑائی کے دیوتا ۱۹۱۷ء کو بھی دنیا سے نکال باہر کرین گے۔ اور خوشی و خرمی کے ساتھ آئندہ سال فتح و نصرت۔ امن و امان۔ اور مسرت و شادکامی کی زندگی بسر کرین گے۔

حضرت ۱۹۱۷ء کی رحلت

دُنیا کی فطرت قدامت پرستی ہے۔ چند روز کے لیے ہم کو مغربی اوضاع و اطوار اور یورپین مذاق کے اختیار کرنے کا جنون سا ہو گیا تھا۔ مگر اب ہم دیکھتے ہین کہ اکثر تعلیم یافتہ نوجوان اور بہت سے ہیٹ پہننے والے بیرسٹر اور معزز عہدہ دار بھی اپنے وطنی لباس اور پُرانی عادتون اور رسمون کو اختیار کرنے لگے ہین۔ لہذا اگر ہم بھی کوئی بہت پُرانا طریقہ اختیار کر لین تو شاید بیجا نہ ہو گا۔

محقق مورخین کا خیال ہے کہ دنیا کا پہلا مذہب جو اکثر وحشی قومون مین آج بھی موجود ہے یہ تھا کہ اذیت رسان اور خونخوار دیوتاؤن کی پرستش کی جائے تاکہ وہ ہم سے خوش اور راضی ہو کے ہم پر جور و ستم نہ کرین۔ اور ہمین اذیت نہ پہونچائین۔ اُنکے نزدیک ہیضہ۔ طاعون۔ قحط۔ لڑائی اور اسی قسم کی تمام بلائین غیر مجسم دیوتا یا دیویان ہین۔ اور اُنکی پوجا کرنا۔ اُنکی نیازین اور نذرین کرنا۔ اُن پر بھینٹ چڑھانا۔ اُنکے مخصوص و مقررہ ایام مین اُنکے رجھانے کے لیے ناچ کود اور گانے بجانے کی محفلین کرنا انسان کو اُنکے مضرت و آزار سے بچا لیا کرتا ہے۔

چار سال کے تجربے نے ہمین یقین دلانا شروع کر دیا ہے کہ یہ سفاک و خونریز برس بھی اسی قسم کے خونخوار دیوتا ہین جو لڑائی کے ساتھ مین ہر قسم کی مصیبتون مین مبتلا کر رہے ہین۔ اور کسی طرح اپنے جور و ستم سے نہین باز آتے۔ خدا پرستی کے جوش اور اپنے مہذب مذہب کے غرے مین ہم گذشتہ ظالم و ناخدا ترس سالون کو کوستے اور بُرا بھلا کہتے رہے۔ جسپر کلبلا کے اور برافروختہ ہو کے انھون نے اور زیادہ جور و ستم پر کمر باندھ لی۔ اُن کی ایذا رسانی کو روز بروز ترقی ہوتی رہی اور ہم جس درجے کو پہونچ گئے بیان کے قابل نہین۔ مجبور ہو کے اب ہم اپنے

آمادہ ہوئے ہین کہ دنیا کے قدیم مذاق کے مطابق ان خونخوار دیوتاؤن کو بجائے برا بھلا کہنے کے اُن کی خوشامد و پرستش کرین اور اُنکی مدح و ثنا کا راگ گائین۔

اسی خیال سے جناب سنہ ۱۹۱۷ء کو رخصت کرتے وقت بجائے کوسنے اور گالیان دینے کے ہم اُنھین میان بھائی کے خطابون کے ساتھ الوداع کہتے اور اُنکے کارنامون کو مدح و ثنا اور تہنیت و مبارکباد کے انداز سے بیان کرتے ہین۔ تاکہ یہ ہم سے خوش ہو جائین۔ اور اپنے آنے والے فرزند جناب سنہ ۱۹۱۸ء کی خدمت مین چند سفارشی کلمات کے ساتھ ہماری یہ التجا عرض کر دین کہ ع

مرا ز خیر تو امید نیست شر مرسان

لیجیے حضرت سنہ ۱۹۱۷ء صاحب تشریف لیے جاتے ہین۔ حضور دنیا کو جو آپ سے بیحد خوش ہے خوشی خوشی رخصت فرمائین۔ آپ نے جو کچھ کیا خوب کیا۔ ہم شاکی نہین شکرگزار ہین۔ احسانمند ہین۔ اور جب آپ یاد آئین گے آپ کی تعریفون کے گیت گانے لگین گے۔ آپ کے باپ دادا اور پردادا یعنی سنہ ۱۴ء و سنہ ۱۵ء و سنہ ۱۶ء جس جلالی کام کو چھیڑ گئے تھے اُسے آپ نے بڑی خوبی سے انجام دیا۔ اگرچہ وہ بھی بڑے بڑے ناموری کے کام کر گئے ہین مگر آپ نے اپنے اوج و عروج اور جلال و جبروت کے دکھانے مین اُن سب سے زیادہ نام پیدا کیا۔ اس مین شک نہین کہ آپ کی ان زبردست ہنگامہ آرائیون کو دیکھ کے ہم سے بزدل اور ننھے کلیجے والے اکثر سہم گئے۔ دہل گئے۔ اور گھبرا گھبرا کے صلح کی دعائین مانگنے لگے۔ شاید یہ ہماری کمزوری اُنھین یا آپ کو ناگوار گذری ہو۔ اس لیے آپ کے چلتے چلاتے عفو تقصیر کے امیدوار ہین۔ ہم اس بارے مین معافی ہی نہین مانگتے بلکہ حضرت کے شکرگزار ہین۔ اس لیے کہ ہم سے بزدلون کو آپ نے بہادر بنا دیا۔ ہم لڑنا بھول گئے تھے۔ سلاح جنگ کی صورت دیکھ کے لرز جاتے تھے۔ اور اپنے دل مین سمجھنے لگے تھے کہ لڑنا گنوارون۔ جاہلون اور بازاری لوگون کا کام ہے۔ شریفون کو لڑنے بھڑنے سے کیا کام؟ اُن کا کام تو یہ ہے کہ ہر زبردست کے آگے سر جھکا دین۔ اور خوشامد درآمد کر کے اپنی جان بچائین۔ لیکن حضور کی مہربانی سے ہمین نظر آیا کہ بہادری انسانیت کا جوہر ہے۔ اور شریفانہ مقاصد کے لیے یا تہذیب کی حمایت مین

لڑنا اور خونریزی کرنا ہمیں شرافت ہے۔ آپ نے ہمیں بہت بڑی عزت دیدی جسکی واقعی ہمیں اُمید نہ تھی۔ ہمارا خیال تھا کہ اگر ہم لڑ بھی سکتے ہیں تو اپنے ہی ایسے رنگین فام اور سیہ رُو لوگوں سے۔ مغرب کی گوری اُمتوں کے مقابلے میں تلوار کھینچنا ہمارے ظرف۔ ہمارے رُتبے۔ اور ہمارے درجے سے زیادہ ہے۔ مگر حضرت آپ نے ہمیں اُن ملاء اعلیٰ والوں کے مقابلے میں لے جا کے کھڑا کر دیا۔ اور اُن سفید دیوؤں سے لڑا دیا جن کے ہاتھ سے مارے جانے میں بھی ہماری عزت ہے۔ جیسے کبھی اندر دیوتا زمین والوں کو آسمانی بلاؤں کے دفع کرنے کیلئے بُلاتے تھے۔

آپ نے عالم بالا سے آ کے دنیا کا چارج لیتے ہی دو بڑے بھاری کام کیے۔ اور وہ دونوں ہماری اُمید سے باہر تھے۔ اور ہمارے وہم و گمان میں بھی نہ تھے۔ اول تو آپ نے روس میں انقلاب عظیم کر دیا۔ مملکت روس کی رعایا کو کچھ ایسا اشتعال دلایا کہ ایک چشم زدن میں سب نے مل کے زار روس کے سر سے تاج شاہی اُتار کے پھینکدیا۔ اور دوسرا کارنمایان یہ کہ آپنے امریکہ کو تہذیب کی حمایت اور حق کی جانبداری میں اُٹھا کے کھڑا کر دیا۔ آپ کے ان دونوں کاموں سے ہم بہت خوش ہوے۔ زار کے متعلق سُنا تھا کہ وہ دیوزادانِ جرمنی کا دباؤ مان کے خفیہ سازشیں کرنا چاہتا ہے اور دوستوں کو دغا دے کے جداگانہ صلح کر لینے کی فکر میں ہے۔ ایسے دغاباز کا معزول و ذلیل ہونا ہی ٹھیک تھا۔ مگر بعد کو خدا جانے کیا ہوا؟ یا شاید آپ سے کرتے دھرتے نہ بنی کہ روس میں ہمارے جن دوستوں نے آخر تک نباہنے اور ساتھ دینے کا ارادہ کیا تھا۔ وہ قیصر کی پُر شور و شر سازشوں سے بالکل دودھ کی مکھی کی طرح نکال کے پھینک دیے گئے اور عنان حکومت جن دغابازوں کے ہاتھ میں آئی وہ بے اصول تھے اور عہد طوطے کی طرح آنکھیں بدل لیں۔ بلا تامل بے پوچھے کچھے اور بے مشورہ کیے جداگانہ صلح کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ اور افسوس آپ اُنھیں ایسی حالت میں چھوڑے جاتے ہیں کہ دنیا انگشت بدندان ہے۔ تہذیب و شائستگی اُن کی حماقت پر کف افسوس مل رہی ہے۔ اور دیوزاد جرمنی کھڑا بغلیں بجا رہا ہے۔ روس کو ایسی نازک حالت

میں چھوڑ کے آپ کو چلا جانا دنیا کے کسی مہذب و عاقل کو تو اچھا نہیں معلوم ہوا
مگر ہم تو آپ کے ڈر کے مارے یہی کہیں گے کہ اس میں بھی آپ کی کوئی مصلحت ہوگی۔

رہا امریکہ کا ہماری مدد کے لیے اُٹھ کھڑا ہونا۔ یہ بیشک روس کے فتنے کا نعم البدل ہے۔ امریکہ کی دولت و عظمت۔ اُس کی صنعت اور اُسکی فوج کی کثرت۔ اُس کی بحری شوکت۔ اور ہوائی قوت ان تمام چیزوں کی خیالی تصویر اپنی نظر کے سامنے کھینچ کھینچ کے ہم مارے خوشی کے پھولے جاتے ہیں۔ اور زور شور سے کہہ رہے ہیں کہ اگر امریکہ ہمارے ساتھ ہے تو ایک کیا چودہ جرمنیوں کو ہم مار کے گرا دیں گے۔ آپ کی اس عنایت کا شکریہ نہیں ادا ہو سکتا۔ بیشک آپ کی مرحمت سے ہمیں بہت بڑا حامی و مددگار مل گیا جو سارے دشمنوں کو کچل کے رکھ دے گا۔ مگر جہان حضرت نے اُسے لڑنے پر آمادہ کیا ہے وہاں اپنے جانے سے پہلے اتنا شتشکار دیتے کہ جن مردوں کا وعدہ کر رہا ہے اُن سے جانباز حامیانِ تہذیب فائدہ اُٹھائیں۔ فرانس تباہ ہوا جاتا ہے۔ اٹلی کی جان پر بنی ہوئی ہے۔ بلجیم۔ سرویہ۔ مانٹی نگرو۔ رومانیہ از کار رفتہ ہیں۔ جاپان اپنے ہی ساحل پر ڈنڑ پیل رہا ہے۔ اور انگلستان بھی چار سال کی مسلسل زور آزمائیوں کے بعد آخر کچھ تو تھکا ہوگا۔ مگر امریکہ ابھی تک لڑائی کی تیاریاں ہی کر رہا ہے۔ آخر یہ تیاریاں کب تک؟ خالی وعدوں کو لے کے کوئی اوڑھے بچھائے کیا کرے؟ غرض حضرت کی یہ پالیسی کہ روس نے ہاتھ پاؤں ڈال دیے اور امریکہ کے ابھی وعدے ہی وعدے ہیں قابلِ برداشت نہیں۔ اور پھر قیامت یہ کہ بغیر اس کا کچھ انتظام کیے آپ واپس تشریف لیے جاتے ہیں۔

آپ کی ایک کارستانی یہ ہے کہ دنیا میں آ کے لڑائی کا رنگ بدل دیا۔ یا تو خونریزی اور جدال و قتال اُنھیں ملکوں اور سمندروں تک محدود تھا جو حریفوں کے درمیان میں واقع ہوئے ہیں۔ یا آپ نے آتے ہی آتے اپنے حوصلے کی وسعت کے مطابق لڑائی کو ساتوں سمندروں میں پھیلا دیا۔ جرمنی کی تہ آب کشتیاں پہلے فقط ایک محدود رقبۂ بحر میں ستم ڈھا رہی تھیں آپ کا اشارہ پاتے ہی یا آپ کے ورود کے جوش میں اُس نے ساتوں سمندروں کو رزمگاہ بنا دیا اور غوطہ زن جہاز ہر طرف۔ ہر جگہ۔ اور ہر سمندر میں دست تصرف دراز کرنے لگے۔ اگرچہ انگلستان کی بحری عظمت

نے اُس نقشے کو بہت کچھ دبا دیا۔ اور عالم بحری قزاقیوں کا سلسلہ روز بروز کمزور پڑتا جاتا ہے۔ مگر آپ نے ساری دنیا کو اپنے جہازوں کا تماشا دکھانے میں کوئی کمی نہیں کی۔ اور یہ دنیا سے نرالا طرزِ جنگ آپ کی برکت سے نہایت ترقی کر گیا۔

یہ بھی بہت بڑی کارگزاری ہے کہ دولت برطانیہ نے سبقت کر کے عراق کی تاریخی مہم کا خاطر خواہ معاوضہ حاصل کر لیا۔ چنانچہ آپ کے ورود کے آغاز میں سر اسٹینلی ماڈ زبردست لشکر لے کے بڑھے۔ پہلے قط العمارہ پر قبضہ کر کے جنرل ٹاؤنشنڈ کی ناکامی کا انتقام لیا۔ پھر بڑھ کے بغداد اور سامرہ پر قابض ہو گئے۔ اور بیسویں صدی کی سب سے بڑی اسلامی سلطنت برطانیہ خلافتِ اسلامیہ کے قدیم دار الخلافہ کی بھی وارث ہو گئی۔

حجاز میں ایک عربی دولت یونین جیک کے سائے میں پہلے ہی قائم ہو چکی تھی۔ اور اُم البلاد مکۂ معظمہ آلِ عثمان کی قلمرو سے پہلے ہی خارج ہو چکا تھا۔ آپ کے آخر عہد میں ارضِ فلسطین کی طرف اتحادیوں نے برطانی سپہ سالار جنرل النبی کی سرکردگی میں شہر غزہ سے سبقت کی اور چند ہی روز میں یافہ۔ رملہ۔ اور بیت المقدس ترکوں سے خالی اور برطانیہ کے علمِ اقبال کے نیچے تھے۔ بیت المقدس کا فتح کر لینا کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ اگرچہ بیت المقدس اب ہمارے عہد میں وہ رتبہ و حیثیت نہیں رکھتا ہے جو اسے آج سے دو تین صدی پیشتر حاصل تھی۔ مگر پھر بھی یہ شہر یہودیوں، عیسائیوں اور مسلمانوں سب کی نظر میں مقدس و محترم ہے۔ بڑے عظمت و جلال کا شہر ہے۔ انبیا اور حاملانِ وحی الٰہی اسکے بانی اور حکمران رہے ہیں۔ اسکی دیواروں کے نیچے ہزاروں لڑائیاں ہوئیں۔ عہدِ عتیق کے خدا پرست و بُت پرست لڑے۔ بابل نینوا اور مصر والوں نے لوٹا اور تباہ کیا۔ اور بنی اسرائیل کی دینی سرگرمی نے جب دوبارہ آباد کیا تو یونانیوں اور رومیوں نے زبردست حملے کیے۔ یہاں تک کہ حضرت مسیح اس سرزمین میں پیدا ہوکے اور اپنے سچے دین کی تبلیغ فرما کے دنیا سے رخصت ہوگئے۔ جسکے بعد یہود کو اپنی سرکشی و بدکرداری کی سزا وسپیسین قیصر اور ٹائٹس کے ہاتھ سے ملی۔ جبکہ پرانا خانۂ خدا جلا کے خاک سیاہ اور شہر لوٹ مار کے منہدم کر دیا گیا۔

اب اسکے بعد سے مسیحیوں کا عروج شروع ہوا۔ جنھوں نے حضرت مسیح کے مولد

پیدا ہوں اور اُن تمام مقاموں میں جن کو آپ سے کوئی خصوصیت تھی، عالیشان کنیسے اور عمارتیں بنائیں۔ یہودی نکال دیے گئے۔ اور یہ خالص مسیحی شہر ہو گیا۔ پھر جب کوکب اسلام نے طلوع کیا تو پُرجوش عرب، دلدادگانِ توحید علم اسلام کے پہونچے اور اُس مدینۂ انبیا پر مسلط ہو گئے۔ اُنھوں نے حضرت سلیمان کی اگلی ہیکل ربانی اور اور انبیائے سلف کے قدیم معبد کو پھر زندہ کیا اور پرانے منہدم کھنڈروں پر عالیشان اور یادگار زمانہ عمارت بنا کے کھڑی کر دی۔ حضرت رسول آخر الزمان علیہ التحیۃ والثنا نے اس شہر اور اسکے محترم عبادت کدۂ انبیا کو مقدس و متبرک قرار دیا اور مسلمانوں نے اس کی خدمت شروع کی۔ اسکے بعد کئی صدی تک یہ مقدس شہر اسلام کا مرکز اور مسیحیوں کی زیارت گاہ رہا۔ یہاں تک کہ یورپ میں ایک جوش پیدا ہوا کہ چونکہ اس شہر کے آغوش میں مسیحیت کا نشو و نما ہوا ہے۔ لہٰذا یہ خالص مسیحی شہر ہے اور مسیحیوں سے زیادہ اسکی خدمت کرنے کا کوئی مستحق نہیں۔ یورپ کے اس جوش سے صلیبی لڑائیوں کا آغاز ہوا۔ پہلی صلیبی مہم میں لاکھوں جانیں ضایع کر کے مسیحیوں نے اس شہر کو لے لیا۔ اور کہتے ہیں کہ اُس مہم میں مسیحی فاتح گھٹنوں گھٹنوں تک سیلاب خون میں ڈوبے ہوے مرقد مسیح تک پہونچے تھے۔ اُسوقت سے یہاں ایک لاطینی مسیحی سلطنت قائم ہوئی جس کا تقریبًا اسّی برس بعد سلطان صلاح الدین اعظم نے استیصال کیا۔ اُس زمانے سے پھر مسیحی یورشوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ اور کئی صدیوں کی خون ریزیوں کے بعد سب کو تسلیم کر لینا پڑا کہ خدا ہی کو منظور ہے کہ ارض فلسطین اور بیت المقدس پر مسلمانوں کا قبضہ رہے۔ چنانچہ پھر کسی کو ادھر رُخ کرنے کا حوصلہ نہیں ہوا۔ آخر اس سرزمین اور اس کے تمام شہروں کی نگہبانی کا ورثہ ترکان آلِ عثمان کو ملا۔

بہر حال اس شہر کا اس آخری زمانے میں یوں آسانی کے ساتھ مسلمانوں کے قبضے سے نکل کے پھر مسیحیوں کے قبضے میں جانا تاریخ عالم کا اتنا بڑا اہم واقعہ ہے کہ دولت برطانیہ اس پر جس قدر ناز کرے بجا و زیبا ہے۔ اور یا حضرت سنہ ۱۹۱۷ء آپکا اتنا بڑا کارنامہ ہے جس میں آپ اپنے تمام ہم مذاق سنین ماضیہ سے بڑھ گئے اور ترکوں کو ایک ہی سال کے اندر تقریبًا تمام مذہبی مقامات سے نکال باہر کر دیا۔

مگر چلتے چلاتے آپ نے یہ عجیب کارروائی کی - جنرل ماڈ کو جنھوں نے برٹش علم
کو موصل دکھوانے کے قریب تک پہونچا دیا تھا یک بہ یک دنیا سے رخصت کر کے آپ نے
دوستون کو خون کے آنسوؤن سے رُلا دیا - اس کا ملال تو ہمین بھی ہوا مگر ہم قسم
کھا چکے ہین کہ آپ کی شکایت نہ کرین گے - آپ نے جو چاہے کیا ہو - اور ہمین اور
ساری دنیا کو چاہے جس قدر تباہ و برباد کر دیا ہو ہم آپ کی تعریف ہی کیے جائین گے
آپ کا یہ کارنامہ بھی غیر معمولی نہین ہے کہ چلتے چلاتے جرمنیون کے ہاتھ سے اٹلی
کو بڑا بھاری نقصان پہونچا دیا - رومی جاہ و جلال اور لاطینی عظمت و جبروت کو
ساری دنیا جانتی ہے - قطع نظر سکے اٹلی والے آجکل بھی اُن قومون مین نہین جو گئی گزری
کہی جائین - وہ یورپ کے جنوب وسطی مین واقع ہے - آج کل کی زبردست قومون
مین اُس کا شمار ہے - جو ہمیشہ اپنی قوت سے زیادہ حوصلہ دکھانے کو تیار ہو جاتی
ہے - ایسی سلطنت کو اتنا بڑا زبردست دھکا دیدینا کہ پہاڑون کی بلندی سے
لُڑھکتی ہوئی نشیبی میدانون مین جا پڑے - آپ ہی کے ایسے زبردست کا کام تھا -
لاکھون سپاہی پکڑوا دیے - ہزارون توپین چھنوا دین - اور پورے ایک صوبے مین
عجیب و غریب ہلچل ڈال دی - اور دشمن کو جس مقام اور دریا تک بڑھایا تھا وہین
ڈٹا دیا - آپ کی اس حرکت کو ساری دُنیا بُرا سمجھتی اور خدا جانے آپ کی شان مین
کیا کیا سخت و مکروہ الفاظ زبان سے نکال رہی ہے - مگر ہم اس مین بھی آپ کی
مدح ہی کرین گے -

مگر آپ کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ روس کو جو بڑے کروفر سے دیوزادان
شمال یعنی جرمنیون کا مقابلہ کر رہا تھا - اور امید تھی کہ وہ میدان صاف کرتا ہوا برلن
مین جا کے دم لے گا - ایسا غارت کیا کہ کہین کا نہ رکھا - دشمنون کی سازشون اور
فتنہ انگیزیون نے اس بلا کی پھوٹ ڈال دی کہ نہ دوستون کی ہمدردی کارگر ہوتی ہے
اور نہ ہمدردون کی خیر خواہی سے فائدہ پہونچتا ہے - دشمن کا یہ جادو چلتے ہی آپ نے
کچھ اُسے ایسی پٹی پڑھا دی کہ اپنا نیک و بد نہین سمجھتا - دوستون سے جو عہد و پیمان
تھے بلا تکلف توڑ دیے - جن سے قرضہ لیا تھا اُن کا روپیہ ہضم کر گیا - اور دشمن کے
سامنے ہاتھ جوڑے کھڑا صلح کے لیے التجا کر رہا ہے - دشمن نے یہ پٹی پڑھا دی ہے کہ ہم

نہ ہم سے کوئی معاہدۂ جنگ لیں گے اور نہ تحفۃً کوئی حصہ ملک اپنی قلمرو میں شامل کرینگے مگر آپ بہ قوت یہ نہیں دیکھتا کہ جمہوریت نے جن تمام مغربی صوبوں کو آزادی دی ہے وہ خود جرمن کے آغوش میں دوڑے چلے جاتے ہیں جو در اصل موت کا آغوش ہے۔ ہم شکایت تو اس کی بھی نہ کریں گے اور آپ کی تعریف ہی کرتے رہیں گے۔ مگر اتنی التجا ضرور کریں گے کہ جانے سے پہلے اُس کو اُس کا نتیجہ ضرور سمجھا دیجیے۔

حضور سنہ ۱۹۱۸ء کا ورود

آیئے آیئے کرم کیجیے۔ جس ادب سے ہم نے آپ کے پدر بزرگوار سنہ ۱۹۱۷ء کی تجہیز و تکفین کی اُسی کے مناسب تعظیم و تکریم اور شان و شوکت سے آپ کا خیر مقدم ادا کرتے ہیں۔ اور نظام عالم کا چارج لینے پر آپ کو مبارک باد دیتے ہیں۔ آپ کے اسلاف نے ساری دنیا میں لڑائی کی آگ بھڑکا رکھی ہے۔ لہذا یہاں پہونچ کے آپ ٹھنڈی سٹی پر نہیں بلکہ ایک جلتے توے پر قدم رکھیں گے۔ اگر پاؤں جلیں تو اس میں ہماری خطا نہیں۔ یہ آپ کے بزرگوں کا کیا دھرا ہے۔ اور دنیا آپ کی اور آپ کے اسلاف کی ہے۔ قدرت نے جو اقتدارات آپ کو عطا کیے ہیں اُن کے خوف سے ہم نے عہد کر لیا ہے کہ چاہے مر جائیں حرف شکایت زبان پر نہ آئے گا۔ اور آپ کی تعریف ہی کریں گے۔

مگر آپ کے آخری اسلاف کی کمزوری یا رحمدلی سے اب دنیا کی یہ حالت ہے کہ حکومت کی گرفت سے باہر ہوئی جاتی ہے۔ جمہوریت کا زمانہ ہے اور آزادی کا دَور دَورہ بجائے اسکے کہ رعایا بادشاہ کی اطاعت کرے بادشاہوں کو رعایا کی اطاعت کرنا پڑتی ہے۔ اور بعوض اسکے کہ چھوٹے بڑوں کا پاس کریں بزرگ خُردوں کا لحاظ کرنے لگے ہیں۔ ہندوستان کی بیجان سٹی تک میں اتنی حرارت پیدا ہو گئی ہے کہ ہوم رول مانگا جاتا ہے۔ اور نوجوانان وطن بڑھ بڑھ کے گورنمنٹ پر اعتراض کرتے ہیں۔ مگر ہم پُرانے مذاق کے گرویدہ اور پُرانے اصول کے پابند اب تک اُسی اگلی دنیا میں ہیں۔ اور اپنے سے بڑوں اور بزرگوں کا ویسا ہی ادب کرتے ہیں جیسا اگلے زمانے والے کیا کرتے تھے۔ لہذا آپ چاہے جیسے اور جس طبیعت کے ہوں ہم آپ کی

مدح خوانی ہی کرین گے۔ شاید اس خوشامد کا یہ صلہ ملے کہ ہمارے حال پر حضور کی نظر عنایت رہے۔

ہم نے آپ کے والد بزرگوار سے نہایت ادب کے ساتھ آپ کی وزارت مین کچھ سفارش کرنے کو کہا تھا۔ شاید دنیا سے کوچ کرتے وقت انھین ہماری وہ التجا یاد رہی ہو اور ہمارے بارے مین آپ کو کچھ وصیت کر گئے ہون۔ اگر ہماری یہ اُمید صحیح ہے تو آپ کو ہمارا کچھ نہ کچھ خیال ضرور ہوگا۔ ہماری درخواست یہ ہے کہ اب ہم مین زیادہ برداشت کرنے اور معرض امتحان مین ٹھہرنے کی تاب نہین ہے۔ ہم جس قدر اپنا خون بہا چکے ہین وہ اظہار وفاداری اور حق جان نثاری بجا لانے مین کافی سمجھا جائے۔

اس مین شک نہین کہ آپ کے بزرگون نے جنگ و پیکار اور قتل و خون ریزی کے دفع کرنے کی تدبیرین کین اور بعض جنگجو قومون کو بیکار کر دیا۔ مگر یہ سزا دہی کا کوڑا دونون جانب پڑتا رہا۔ جس کی وجہ سے اس کی نوبت نہین آتی کہ ایک جانب کمزوری پیدا ہو اور کمزور فریق صلح کرنے پر مجبور ہو جائے۔ آپ نے اگر ایک طرف ترکون کی ترکی تمام کی اور تمام مقدس و محترم مقامون کو اُنکے قبضے سے نکال لیا تو دوسری طرف روس کے بہت سے صوبے چھنوا کے اُسے بھی بیکار کر دیا۔ ترکون کی کمزوری سے جتنا اچھا اثر لڑائی پر نہین پڑنے پایا تھا اُس سے زیادہ نقصان ہمین روس کے ہمت ہار دینے سے پہونچ گیا۔ جس طرح آپ نے روس کو ہرایا ہے اور دنیا کے زبردست اسٹیم رولر کی کل بگاڑ دی ہے اُسی طرح کیا آپ کے کیے یہ نہ ہو سکتا تھا کہ جرمنی کی توپون مین کیڑے پڑ جاتے؟ مگر نہین۔ آپ ہمارے دشمنون کی جنبہ داری کر رہے ہین۔ اور اس کا خیال نہین کرتے کہ ہم حق پر ہین۔ اور وہ باطل پر۔ ہم تہذیب اور امن و امان کے حامی ہین اور وہ وحشت کی اور قتل و غارت کے۔

یہ تو ہم کو یقین ہے کہ فتح اُسی کی ہوگی جو حق پر ہے۔ لیکن آپ سے فقط اتنی التجا ہے کہ یہ انجام نیک آپ ہی کے دور مین انجام پا جاتا تو ساری دنیا پر احسان ہوتا اور آپ کا نام قیامت تک کے لیے روشن ہو جاتا۔

تو سال ژران تہی ہو روانہ باشد

یا حضرت ۱۹۱۵ء! دور بین نظرون کے دیکھتے آپ بڑے بھلے مانس تھے۔ مگر افسوس
آپ کو بھی بارہ مہینے مین اپنا عہدِ حکومت ختم کر کے جانا ہی پڑا۔ جی چاہتا ہے کہ آپ
کے ایسے صلح جو ناظم کا زمانہ ہمیشہ قائم رہتا۔ اور آپ کے پُرامن دورے زندگی بھر
لطف اُٹھاتے رہتے۔ لیکن کیا کرین قضا سے لاچار ہین۔ کچھ زور نہین چلتا۔ اور
آپ رخصت ہوے جاتے ہین۔ اکثر ایسا ہوا ہے کہ کوئی لاٹ صاحب زیادہ ہر دلعزیز
ہوئے تو دنیا کے شاہِ اعلیٰ مین ہم نے عرضداشتین بھیج کے زیادہ نہین تو چند ہی
روز کے لیے اُن کی مدتِ حکومت مین توسیع کرا لی۔ مگر جس دربارِ اقدس و اعلیٰ نے
آپ کو بھیجا ہے وہ ایسا وضعدار واقع ہوا ہے کہ ایسے معاملون مین کسی کی نہین سُنتا
کہنا سُننا۔ خوشامد و التجا کرنا سب بیکار رہے۔ اور یہ محالِ عقلی سمجھ لیا گیا ہے کہ کوئی
برس بارہ مہینون سے زیادہ کا ہو۔ ہم جہان تک غور کرتے ہین یہ کوئی مشکل بات
نہین معلوم ہوتی کہ دیگر بڑے کواکب کی طرح اگلی مرتبہ آفتاب کے گرد زمین کا دورہ
بجائے بارہ مہینون کے چوبیس مہینون کا ہوتا۔ زمین اتنی بھاگا بھاگ نہ جاتی۔ ایسی
تیز تیز نہ دوڑتی۔ یا وہ بیضاوی دائرہ جو اسکی سڑک ہے وہی پہلے سے بڑا
ہو جاتا۔ مگر نہین یہ وہ نظام ہے جو نہین بدل سکتا۔ اور کیسا ہی اچھا مبارک و
فرخندہ فال سال ہو یہ ممکن نہین کہ تین سو پینسٹھ دن چھ گھنٹے سے ایک دن بلکہ ایک
گھنٹے کی بھی زیادہ عمر پا سکے۔ ہم سب کی طرح آپ کی موت کے لیے بھی کاتبِ قدرت
نے وقت اور گھڑی مقرر کر دی ہے۔ لیکن اتنا فرق ہے کہ آپ کو اپنی عمر بتا دی گئی
ہے کہ اتنی ہوگی۔ اور ہمین لاکھ سر مارین کسی طرح نہین معلوم ہو سکتا کہ کب مرینگے
اور اگر خدانخواستہ یہ معلوم ہو جاتا تو ہمین جینا محال ہو جاتا۔ سہم کے مر جاتے۔ مگر آپ
کو خدا نے ایسا مضبوط دل دیا ہے کہ جانتے ہین اتنے دنون سے ایک منٹ بھی زیادہ
نہ جیین گے۔ مگر مطلق پروا نہین۔ یہ آپ جیتے کیسے ہین؟

آپ کے جاتے وقت جی چاہتا تھا کہ آپ کو دم بھر کے لیے اپنے ہان روکتے۔
آپ کی دعوت نہ کر سکتے تو کبھی ایک ہلکا سا "ایٹ ہوم" ضرور دیتے جس مین آپ کی

سر یا تھوں کا شکریہ ادا کرتے۔ آپ کے احسانات کا اعتراف کرتے۔ اور یقین لاتے
کہ آپ کو خبر ہو یا نہ ہو ہم آپ کے کارناموں کو صفحات ایام میں بڑے فخر کے ساتھ
درج کر رہے ہیں گے۔ اور دنیا اتنی ناحق شناس نہیں ہے کہ آپ کے نام اور آپ کی برکتوں
کو کبھی بھول جائے۔

آپ سے پیشتر متواتر چار ایسے جانستان بزرگ تشریف لائے کہ افسوس آپ نے
آکے دنیا کو آدھا بھی مشکل سے پایا ہوگا۔ روم کے اگلے ظالم تاجدار نیرو کی طرح
انھوں نے آدمیوں ہی کو نہیں قوموں اور نسلوں۔ ملکوں اور مملکتوں کو باہم لڑا کے
تماشا دیکھا۔ اپنی دلچسپی اور اپنے تفنن طبع پر لاکھوں نہیں کروڑوں آدمی کٹوا دیے۔
ایسے تماشے بہت سے اگلے برسوں نے بھی دیکھے اور دکھائے گر وہ کسی ملک کسی
سرزمین اور کسی قوم یا گروہ تک محدود تھے۔ لیکن ان زبردست بزرگان ماضی اور
شگدل ابنائے فلک نے ساری دنیا کو لڑا دیا۔ تمام ملکوں میں خون ز[illegible]
نہ تھا جسے کسی جگہ اطمینان سے بیٹھنے دیا ہو۔ ہم جھوٹ نہ بولیں گے۔ ہم کو انھوں نے
اس آتش قتال سے بہت دور رکھا۔ اور گو اس کا دھڑکا ہر وقت لگا رہتا تھا
مگر بفضلہ تعالیٰ اس کی نوبت نہ آنے پائی کہ ہماری سرزمین میں تلوار چلی ہو۔ مگر اس
سے کیا ہوتا ہے؟ ان خون آشام بزرگوں نے ہمارے وطن کے منتخب لوگوں کو ہزارہا
میل پر کھینچ بلایا۔ اور یہاں نہیں تو وہیں ہم کو لڑا لڑا کے ہمارے لڑنے اور
کٹنے مرنے کا تماشا دیکھ لیا۔

اور ہم جو وہاں نہیں گئے تو کیا مصیبت سے بچ گئے؟ یہاں گھر بیٹھے مصیبت
تھی۔ دانے پانی تک کو ترس گئے۔ ذرا ذرا سی ضروریات زندگی سے محروم ہو گئے۔
اور سب سے بڑی آفت یہ تھی کہ جس طرح کوئی دشمن حریف سپاہیوں کو گرفتار
کر کے زنجیروں میں جکڑ دیتا ہے اسی طرح ہم یہاں اپنے وطن اور اپنے گھر میں ہاتھ
پاؤں باندھ کے ڈال دیے گئے۔ نہ کچھ لکھ سکتے تھے نہ پڑھ سکتے تھے۔ نہ دوستوں
سے آزادانہ گفتگو کر سکتے تھے۔ یہاں تک کہ باہر والوں کی آواز بھی نہ سن سکتے تھے
وہ جو سنا ہوتا ہے "مار کی توبہ" ان بزرگوں کے عہد میں دیکھ لی۔ وہ جو میدان میں
گئے تھے وہ تو خیر مجرم تھے کہ دوسروں پر تلوار اٹھائی۔ بھلا بتائیے ہم نے کیا قصور

کیا تھا کہ چین بیٹھے بیٹھے اور بے کیے دھرے اسیر تھے۔ اور یہ شکل پوری طرح صادق
آگئی کہ "کرے داڑھی والا اور پکڑا جائے مونچھوں والا" بجز اس کے کہ "اندھیر نگری
چوپٹ راجہ" کی کہانی والے چیلے کی طرح ہم کھا کھا کے موٹے خوب ہو گئے تھے اپنی اور
کوئی خطا نہین نظر آتی۔

خیر اب یہ دکھڑا کب تک روئین نہ تو آپ کو سننے کی فرصت ہے اور نہ ہم مین رونے
کی طاقت۔ اور بالفرض آپ کی عدیم الفرصتی کو بھول کر اپنی سرگزشت کہتے بھی رہین
تو آپ دم بھر مین غائب ہو کے عزلت کدۂ فنا مین جا چھپین گے اور ہمین وہ ضروری
باتین کہنا رہ جائین گی جن کا جانے سے پہلے آپ کے گوش گزار کر دینا ضروری ہے۔

آپ جس وقت تشریف لائے ہین (معاف کیجیے گا) ہم لوگ گزشتہ چار برسون
کی خوشامدین کر کر کے اس طرح ناکام و نا اُمید ہو چکے تھے کہ آپ کی ذات سے بھی
ہمین فلاح کی کوئی امید نہ تھی۔ اور گو کہ ہم نے خوف اور دہشت سے خیر مقدم مین
آپ کی تعریف ہی کی تھی اور حضور و جناب کے الفاظ سے خطاب کر کے التجا کی تھی کہ
للہ اب لڑائی کو روکیے۔ اس لیے کہ اب ہم مین لڑنے کا دم نہین رہا۔ مگر دل کے
صاف نہ ہونے اور فلاح و بہبود سے مایوس ہونے کے باعث دو چار طنز آمیز الفاظ
بھی کہہ گزرے تھے۔ اب ہم اُن الفاظ پر پچھتاتے ہین۔ اس لیے کہ آپ نے ہماری سن لی۔
اور آپ ہی کی نیک نفسی تھی کہ فتنۂ دوران کا خاتمہ ہو گیا۔

ہم آپ کے حد سے زیادہ شکر گزار ہین۔ اتنے شکر گزار کہ اس سے پہلے کبھی کسی
کے نہ ہوے تھے۔ آپ نے واقعی کمال کر دیا۔ اور اتنے بڑے جھگڑے کو دنیا سے
مٹا دیا جیسے اس قدر جلد اور آناً فاناً مٹ جانے کی ہرگز اُمید نہ کی جا سکتی تھی۔ جب
تک دنیا قائم ہے اور نوع انسان باقی ہے یہ بھی یادگار رہے گا کہ اتنی بڑی عالمگیر
لڑائی کو آپ نے چٹکی بجاتے مین موقوف کرا دیا۔ جو اور دو تین سال قائم رہتی تو دنیا
مین چند گنتی ہی کے آدمی باقی رہ جاتے۔

تاہم آپ ابھی صلح کو ناتمام چھوڑے جاتے ہین۔ اگرچہ آپ کی عنایت سے
ہماری ابد مدت سلطنت کے حریف اس قدر مغلوب اور زیردست و پا ہو گئے کہ اب
اُن مین اتنی مجال نہین کہ سر اُٹھا سکین۔ پھر بھی ابھی صلح کے شرائط کا طے ہونا باقی ہے

جس کام میں آپکے حریفانِ جنگ ہی نہ ہونگے بلکہ دنیا کے دیگر سلاطین بھی ہونگے۔
اور اس پنچایت کا اونٹ نہیں معلوم کس کل بیٹھتا ہے۔ اس لیے آپ براہِ کرم اپنے
ولیعہد سے کہتے جائیے کہ خیریت کے ساتھ صلح کی تکمیل کرا دیں۔

آپ نے لڑائی تو ختم کرا دی مگر ہم کو ابھی تک آفاتِ جنگ سے نجات نہیں ملی
غلہ ویسا ہی مہنگا ہے۔ ستر پوشی کے لیے کپڑے کے ہم ویسے ہی محتاج ہیں۔ رنگ کے
نہ ملنے سے سہاگنیں بھی اُن بیواؤں کی وضع میں ہیں جن کا سہاگ اس لڑائی کے ہاتھوں
اُجڑ گیا۔ اور قیامت یہ کہ علم جس کی ترقی و اشاعت میں ہر مہذب و شایستہ سلطنت
مصروف رہا کرتی ہے کاغذ اور سامان طبع کی گرانی سے تباہ ہوا جاتا ہے۔ آپ میں
جب اتنا رحم ہے کہ ہماری حالت زار دیکھ کے صلح کے اسباب پیدا کر دیے تو اپنے جانشین
کو اتنی وصیت بھی فرماتے جائیے کہ ان آفتوں اور اس تباہی سے دنیا کو جلدی
نجات دلائیں۔

سال اُنیس سو اُنیس مبارک باشد

وہ زمانہ گیا جب برس میں دو ایک بار غلغلہ بلند ہوا کرتا تھا کہ "عید مبارک باشد"
اب تو ہر سال نئے عیسوی برس کی آمد پر ہر جگہ دھوم مچ جایا کرتی ہے۔ چنانچہ آج ہم
بھی آپے سے باہر ہو کر اور ساری مصیبتوں اور تباہیوں کو بھول کے بیساختہ غل مچا رہے
ہیں کہ "۱۹۱۹ء مبارک باشد" اور وجہ یہ کہ جنگ و پیکار۔ قتل و خون۔ اور تباہی و
بربادی نے چند سال سے اس درجہ پریشان کر رکھا تھا کہ بیان نہیں ہو سکتا۔ عیدیں
بے مزہ تھیں۔ بڑے دن پھیکے تھے۔ سال کے نئے دن بے رونق تھے۔ اور ماہ عید میں
شمشیر بُرّان کی صورت نظر آتی تھی۔ ان پریشانیوں کے بعد یکایک سُنا کہ صلح ہو گئی۔
اور اسکے چند ہی روز بعد نیا سال آ پہونچا۔ اس موقع پر گو کہ ہنوز فلاح کی کوئی صورت
نہیں نظر آتی تھی۔۔ روٹی کپڑے کو اُسی طرح ترس رہے تھے۔ اور ذرا ذرا سی چیز کے لیے محتاج
تھے۔ مگر سال نو کا نام سنتے ہی امید موہوم کا گلزار پُر بہار آنکھوں کے سامنے پھرنے لگا۔
اور خوشی میں آ کے بے سوچے سمجھے اور بغیر غور کیے غل مچانے لگے "سال نو مبارک باشد"۔
اس میں شک نہیں کہ صلح کا سہرا ۱۹۱۸ء کے سر بندھ گیا۔ اور اتنے بڑے جدال و

قتال اور ایسے جنگ عظیم کے بعد یک بیک امن و امان قائم کر دینا قیامت تک کے لیے آپ کے نام لکھ دیا گیا۔ مگر یہ فقط ایک کہنے کی بات تھی اور واقعہ بھی تھا تو ایسا کہ ہوا اور دوسرے روز تقسیم پارینہ ہو گیا۔ اس بات کا فیصلہ کہ دنیا کا آئندہ کیا رنگ رہیگا ملکوں کی تقسیم اور مملکتوں کے حدود کیا رہیں گے؟ دنیا کے قوانین و آئین کیا ہوں گے؟ اور حکمرانی و جہانبانی کی پالیسی و حکمت عملی کیا ہوگی؟ اس کا تصفیہ احضرت سنہ ۱۹۱۹ء آپ کے ذمے ہے۔ فی الحال دنیا کی نگاہیں دو باتوں میں لگی ہوئی ہیں۔ اول یہ کہ اس لڑائی کے بعد دنیا کا نقشہ کیا ہوگا کس مملکت کی وسعت کتنی رہ گئی اور کس سلطنت کے حدود کیا ہو گئے؟ دوسرے یہ کہ آئندہ کیلیے نظام حکمرانی کیا ہوگا۔ حکمرانوں کے اقتدارات کس قدر وسیع ہونگے، اور محکوموں کو سلطنت کے متعلق کیا حقوق ملیں گے؟ ان دونوں کا فیصلہ ہونے کے بعد آئندہ کے لیے جو نقشہ دنیا کا قائم ہوگا وہ ہمیں سال نو کا قائم کیا ہوا ہوگا۔ لہذا سال گذشتہ نے گو ہمیں تباہی سے بچایا مگر ہماری دنیا اور ہمارا معاشرت جو آئندہ صدیوں اور قرنوں تک برقرار رہیگا وہ اسی انقلاب جدید کی یادگار ہوگا۔ اور دراصل ہمارا بننا بگڑنا اور ہماری فلاح و بہبود کا اصلی دارومدار اسی سال کے کارناموں پر ہے یہ بہت بڑا انقلاب ہے جس پر بحث کرنے کے لیے ضرورت ہے کہ تحقیق سے آج تک کی تاریخ حکمرانی و جہانبانی پر ہم ایک تفصیلی نظر ڈالیں۔

نوع انسان کے پیدا ہوتے اور بڑھنے کے ساتھ ہی جب ایک نظام تمدن کی ضرورت محسوس ہوئی تو پہلے بزرگان خاندان کی حکومت سے اُسکا آغاز ہوا۔ جب اس نظام کو اور زیادہ وسعت ہوئی تو گروہوں کے سرداروں اور بستیوں کے چودھریوں کی حکومت شروع ہوئی پھر اسکے بعد جب قومیں زیادہ بڑھیں اور پھیلیں تو اُنکے سردار بادشاہ اور پھر بادشاہ سے بڑھ کر شہنشاہ ہوگئے۔ قدیم ترین نظام حکومت میں اگرچہ عنان فرمانروائی ایک ہی شخص کے ہاتھ میں رہتی مگر اُسکے احکام میں اکابر قوم اور ذی عقل و تجربہ کار لوگوں کے مشوروں کو بڑا دخل ہوا کرتا تھا لیکن نشۂ حکومت نے حکمرانوں کو چند ہی روز میں "انا ولاغیری" کا سبق پڑھا دیا۔ اور بادشاہوں کی یہ حالت ہوگئی کہ اپنے سامنے کسی کی کچھ ہستی نہ سمجھتے۔ اُن کی زبان قانون تھی۔ اور اُن کا حکم فیصلہ ہوتا تھا۔ اسی طرز حکومت نے دنیا کے وہ خودپرست متکبرین پیدا کیے۔ جو نمرود۔ فرعون۔ شلمانصر۔ بخت نصر۔ اور اسی طرح کے بہت سے

پُرجلال و ہیبت ناموں سے دنیا میں مشہور ہیں۔ تاریخ کے ان قدیم شہریاروں نے کروڑہا آدمیوں کو قتل کیا۔ لاکھوں خاندان تباہ و برباد کیے۔ ہزاروں شہر اُجاڑے۔ اور خدا جانے کتنی قوموں کو پامال و بے خانمان کیا۔ جتنے آدم اُنکے غلام تھے۔ ساری عورتیں اُنکی لونڈیاں تھیں۔ وہ وہ جس کے ساتھ انصاف یا بے انصافی سے جیسا بُرا سے بُرا سلوک چاہتے کرتے کوئی ہاتھ پکڑنے والا نہ تھا۔

ان لوگوں کے راہ راست پر لانے کے لیے مقتدایان دین اور علماے روحانیین نے بڑی بڑی کوششیں کیں۔ مرنے کے بعد کے اندیشے بتائے۔ ظلم و جور کے نتائج دکھائے۔ مگر سوا دو چار نیک نفس تاجداروں کے بہت کم کسی نے اُن کی پروا کی۔ ان سلاطین کے طرز عمل نے دنیا کے سامنے یہ دشواری پیش کی کہ اگر کوئی فرمان روا نہ ہو [illegible] نہیں چل سکتا۔ اور جب ایک شخص کے ہاتھ میں تمام اختیارات دیدیے جاتے ہیں تو اُس میں کبر و نخوت کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ اور اُسکے مظالم سے بچنے کی کوئی تدبیر نہیں ہو سکتی۔ یہ معمہ مدتوں کے بعد یوں حل ہوا کہ بعض قوموں نے اپنے یہاں کوئی بادشاہ ہی نہیں رکھا۔ جس کا ثبوت ہمیں حکومت بنی اسرائیل کی ابتدائی صدیوں اور قبائل عرب کے اگلے نظام تمدن سے ہاتھ آتا ہے۔ اسی زمانے میں بعض ایسے لوگ بھی پیدا ہو گئے جنھوں نے امارت و ریاست کی اطاعت سے اصولاً انحراف کیا۔ جیسا کہ ہمیں ایران کے ایک مقنن مزدک اور بہت سے خوارج کے اصول تمدن سے نظر آتا ہے۔ مگر سلاطین اُن کو اپنا سب سے بڑا دشمن تصور کرتے۔ اور اُنکی سرکوبی و پامالی میں کوئی بات اُٹھا نہ رکھی جاتی۔

بنی اسرائیل کے زمانے ہی میں یا اُن کے بعد یونان میں ایک با اصول طرز حکمرانی شروع ہوا جس میں حکمران کو جملہ افراد قوم کی فرمانبرداری کرنا پڑتی۔ اور یہی حکمرانی کے نظام جمہوری کی پہلی بنیاد تھی۔ مگر اُسوقت تک دنیا کی آب و ہوا اُس آ[illegible] کے اس قدر خلاف تھی کہ یونان نے پہلے خود ہی اس جمہوریت کو مٹانا شروع کیا۔ اور اسی کو مٹاتے مٹاتے خود مٹ گیا۔

اب اس جمہوریت نے ایک جدید وضع میں مملکت روم میں نشو و نما پانا شروع کیا۔ اُس نے چند ہی روز میں رومیوں کو ایک مہذب ترین اور زبردست ترین سلطنت بنا دیا

گر اختیارات کی ہوس اور آدمیوں کو اپنا غلام بنانے کے شوق نے چند ہی روز
کے اندر رومیوں میں شہنشاہی پیدا کر دی۔ اور اگسٹس نے اُس سادے نظام جمہوری
کو پامال کر کے "قیصری" پیدا کی جو دوسرے الفاظ میں شہنشاہیت اور فرعونیت
ہی تھی۔ اگسٹس قیصر کی خود پرستیوں اور سختیوں کے بعد بھی دولت روم کے تو ذہنی
و نظام تمدن میں اگر جمہوریت کے چند نشانات باقی رہ گئے تھے تو اُن کو قسطنطین اعظم
اور مسیحیت کے نشو و نما نے خاک میں ملا کے نسیاً منسیاً کر دیا۔ پھر وہ سلطنت مشرقی و
مغربی کے ناموں سے شہنشاہیوں پر بٹ گئی۔ اور مغربی دنیا یعنی فرنگستان میں کہیں
اُس کا پتہ نہ تھا۔ اب مسیحیت کا دور دورہ تھا۔ اور ممکن تھا کہ مذہب ناصح و ہادی
بن کر بادشاہوں کی کچھ اصلاح کرتا۔ مگر پوپوں نے اپنا اثر بڑھتے دیکھا تو جو نخوت
تاجداروں میں تھی خود اُن میں پیدا ہو گئی۔ اور اُنھوں نے تہرا تاج پہن لیا جس سے
ایک طرف اگر تثلیث کا اشارہ تھا تو دوسری طرف یہ خیال بھی مضمر تھا کہ ہم بادشاہوں
کے بادشاہ اور شہنشاہوں پر حکومت کرنے والے ہیں۔ بہرحال اُنھوں نے بجائے
اسکے کہ فرمانرواؤں کی خودسری کو اعتدال پر لاتے شہنشاہی جذبات کو اور زیادہ
ترقی دیدی اور مذہب کو شخصیت کا حامی بنا دیا۔

رومیوں کے بعد عربوں کا دور شروع ہوا۔ اُن میں اُس وقت تک دنیا کے
عہد اولین کی جمہوریت موجود تھی۔ کہ ہر قبیلے کا ایک حاکم اور شیخ ہو۔ اکابر قبیلہ
اُسکے مشیر ہوں۔ اور اگر وہ عدل و انصاف سے تجاوز کرے تو منصب حکومت
سے ہٹا دیا جائے۔ تمدن عرب کی یہی شان تھی کہ حضرت رسولؐ آخر الزمان نے اُس
سرزمین سے ظہور فرما کے سارے عرب کی عنان فرمانروائی اپنے ہاتھ میں لی۔ ایک
قانون الٰہی جاری کیا جس کی پابندی امیر و غریب۔ اعلیٰ و ادنیٰ۔ راجا اور پرجا
سب کے لیے یکساں طور پر واجب تھی۔

آپ کی وفات کے بعد وہی قدیم قانون عرب جاری ہوا۔ یعنی یہ کہ اکابر اُمت
عرب اپنے لیے کوئی جانشین مقرر کریں۔ اس وقت ہم حضرات شیعہ کے اس خیال
سے بحث نہیں کرتے کہ آں حضرت صلعم نے حضرت علیؓ کی جانشینی کے لیے وصیت فرما
دی تھی۔ اور آپ کے بعد جو انتخاب ہوا آپ کی وصیت اور نص نبوت کے خلاف ہوا۔

یہاں یہ بتانا ہے کہ صحابہ نے عرب کے رواج قدیم کے مطابق عام اس سے کہ وصیت ہو
یا نہ ہو ایک نئے شخص کو منتخب کر لیا - اور یہ نظام جمہوری قائم ہوا کہ ایک حکمران
کے مرنے کے بعد لوگ کسی نئے حکمران کو منتخب کر لیں - اگر وہ قانون شرع اور اصول عدالت
کی پابندی کرے تو اسکی اطاعت و فرمانبرداری کی جائے اور اگر ان سے انحراف کرے
تو اسکو ہٹا کے دوسرے کو منتخب کر لیا جائے - مگر یہ وضع چند ہی روز رہنے پائی تھی کہ
چوتھے جانشین حضرت علی مرتضیٰؓ کو دشمنوں کی ہنگامہ آرائیوں اور پولیٹیکل مجبوریوں سے
آغوش نبوت یعنی مدینہ طیبہ کو چھوڑ کر اپنا دار الخلافت کوفے میں منتقل کرنا پڑا جو [illegible]
اب تو عرب کہلاتا ہے مگر ان دنوں جزیرۂ عرب کے حدود سے باہر تھا - عراق کہلاتا تھا
اور ساسانی شہنشاہی میں داخل تھا - جہاں کے رہنے والے تھوڑے سے شرفا کے سوا
اور باقی نبطی اور عجمی تھے - جن کو جبر کسرائے عجم کی غلامی کی جمہوریت کی ہوا تک نہ لگی
تھی - حضرت علیؓ تمدن اسلام جاری فرما رہے تھے مگر وہ کہتے تھے کہ [illegible]
خدا ہو -

ادھر شام میں جناب معاویہؓ نے رومی رعایا کو اپنا غلام بنایا اور انکی قوت کے
بھروسے پر علم بغاوت بلند کر دیا - اور حضرت علی کی شہادت کے بعد جب عنان حکومت
انکے ہاتھ میں آگئی تو انھوں نے اپنے دربار میں رومی کروفر کی نقل اتار کے خلافت اور
جانشینی رسول اکرم کو پوری پوری شہنشاہی بنا دیا - اب خلافت کا فقط نام تھا -
دراصل یہ عربوں کی شہنشاہی تھی جس کا سریر شہریاری ارض عرب سے نکال کے
ملک شام میں بچھا دیا گیا تھا - جس پر بیٹھنے والا اور اسکے گرد ہاتھ باندھ کے کھڑے ہونے
والے عرب تھے - مگر وہی عرب جو وطن سے نکل آئے تھے - جزیرہ نمائے عرب کے
رہنے والوں نے یہ رنگ دیکھا تو اس عربی سلطنت سے علیحدہ ہو کے اپنے اسی قدیم
مذاق پر آگئے - وہی قبائل کے شیوخ کی سرغنائی قائم ہو گئی جس کو اس بیرونی سلطنت
سے بہت ہی کم سروکار تھا - مگر حدود عرب کے باہر ایک عربی شہنشاہی قائم تھی جو
مشرق سے مغرب تک سیکڑوں ملکوں پر حکومت کر رہی تھی -

اب پھر وہی خود مختار اور اپنی زبانوں کو قانون بتانے والے شہنشاہ تھے اور
جمہوریت کا کہیں پتہ نہ تھا - یورپ میں یونان و روم کی روایتوں کی بنا پر امید تھی کہ

وہاں قومی نظام حکمرانی کو زندگی حاصل ہو سکے گی۔ گروہاں پاپاؤں کے زور نے سخت ترین شخصیت کو فروغ دے رکھا تھا۔ گر حروب صلیبیہ کا زور و شور ٹوٹنے کے بعد وہاں ایک عہد جدید شروع ہوا۔ جس میں زمینداراند ریاستوں کے ٹوٹنے کے نتیجے میں شاہی و شہنشاہی اور پھر اُسکے اندر جمہوریت کا آغاز ہوا۔ جس نے چند ہی روز کے اندر انگلستان و فرانس میں بادشاہوں کے اقتدارات محدود کیے اور رعایا کی آواز میں قوت پیدا ہوئی۔

حکمرانی کا یہ نمونہ دنیا کے سامنے پیش ہوا تو ساری دنیا کو اچھا معلوم ہوا۔ اور اسی بیقراری نے یہ لڑائی چھیڑی۔ اور اس کا فیصلہ چونکہ جمہوریت کی طرفداری پر ہوا اس لیے اُمید ہے کہ ساری دنیا میں جمہوری نظام حکومت کو فتح ہوگی۔ اس نیت سے شاہی و شہنشاہی کے الفاظ دنیا میں مٹ جائیں گے۔ اور اگر رہیں گے بھی تو برائے نام رہیں گے۔

مگر افسوس یہ ہے کہ اب بھی بہت جگہ اکثر علی العموم یہ ہو رہا ہے کہ جمہوریت کی نقاب چہرے پر ڈال کے چند اشخاص حکومت کرنے لگتے ہیں اور ملک کو جمہوریت سے صحیح فائدہ نہیں حاصل ہو سکتا۔ لہذا یا حضرت سنہ ۱۹۱۹ء آپ کے عہد میں چونکہ ساری دنیا میں جمہوری نظام قائم ہونے والا ہے اس لیے اس کا خیال رہے کہ آپ کی قائم کرائی ہوئی جمہوریت سچی جمہوریت ہو۔ وہ جمہوریت نہ ہو جس میں نیا تاج و تخت حکومت کا دے کر سخت ترین استبداد سے کام لیا جاتا ہے۔

اے سنہ ۱۹۱۹ء خدا حافظ

یہ سال اگرچہ صلح کے ساتھ اور یہ اطمینان دلاتا ہوا آیا تھا کہ دنیا سے کُشت و خون موقوف ہوگیا اور امن و امان اور آرام و اطمینان کا دور دورہ شروع ہوا۔ مگر بارہ مہینوں کے تجربے سے معلوم ہوا کہ ابھی تک اُونٹ کسی کروٹ نہیں بیٹھا۔ وہ عظیم الشان لڑائی جس نے نظام عالم کو بگاڑا تھا رُک گئی۔ مگر امن و امان جو دُنیا سے اُٹھ گیا تھا اُس کا ابھی تک پتہ نہیں۔

بالشویزم جو انتہائی آزادیوں کا مکمل نمونہ ہے دنیا میں بڑھتا جاتا ہے اور سلطنتوں

کو اپنا قدیم نظام ٹھیک قائم کرنے دنیا۔ اور ہم نہیں سمجھ سکتے کہ اس کا انجام کیا ہونے والا ہے۔

اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ان گذشتہ لڑائیوں اور جھگڑوں میں مسلمانوں کی خلافت اور سچ یہ ہے کہ ایشیا کی رہی سہی عزت و عظمت قطعی مٹ گئی۔ مسلمانوں سے اس امید میں کہ [illegible] اسلامی سلطنت ہے جس کا دعویٰ اکثر ہم نے بڑے بڑے مدبران برطانیہ کو بھی کرتے دیکھا [illegible] مسلمانوں کو باور کرا دیا کہ انگریزی سلطنت جو ہمیشہ روسیوں کی دست بُرد سے دولت آل عثمان کو بچاتی رہی ہے چاہے کچھ ہو جائے اسلام کی باقیماندہ سطوت کو مٹنے نہ دے گی [illegible] ساری دنیا کے مسلمانوں کو [illegible] پاک برٹش گورنمنٹ سے اس بارے میں کوئی امید رکھنا بیکار ہے۔

گذشتہ لڑائی میں فتحیابوں کی نظر میں بہت سے مجرم تھے۔ سب سے بڑا مجرم جرمنی تھا۔ اسکے بعد آسٹریا۔ پھر ٹرکی و بلغاریہ تھے۔ مگر صلح جس عنوان سے ہوئی [illegible] انجام یہ ہے کہ سب کے گناہ معافی کے قابل ہیں [illegible] ترکی کے۔ یورپ والے [illegible] ہیں کہ [illegible] اقوام بنی سام میں ہے دیگر نسلوں کی [illegible] ہے۔ یہ کہتے وقت اہل یورپ کو نظر نہ آیا کہ دین عیسوی بھی ایک سامی مذہب ہے۔ حضرت مسیح بنی سام میں سے تھے۔ اور اگر یہ خیال صحیح ہے کہ خدا مسیح کی [illegible] میں نمودار ہوا تو [illegible] کیا جا سکتا کہ خدا ایک بنی سام کا آدمی بن کر ایک سامیہ کنواری کے بطن سے پیدا ہوا تھا۔

مگر ان سب باتوں سے قطع نظر کرکے اصلی چیز جو اس موقع پر نظر آئی وہ یہ ہے کہ [illegible] اہل یورپ کو غیروں سے ہے آج تک کسی قوم کو کسی دوسری قوم کے ساتھ نہیں ہوا۔ گذشتہ تیرہ سو برس مسلمانوں اور عیسائیوں کی لڑائی میں گذرے۔ اور ان دونوں مذہبوں میں جیسی خون ریزیاں ہوتی رہیں اُن سے تاریخ کے اوراق سیاہ ہیں۔ اور سوا آخری دو تین صدیوں کے مسلمان ہمیشہ غالب رہے۔ اپنے غلبوں کے اوقات میں اُنکو یہ آسانی ممکن تھا کہ شکست خوردہ اہل یورپ کی آزادی کو ہمیشہ کے لیے نیست و نابود کر دیتے۔ مگر مسلمانوں نے کبھی اس کا قصد نہیں کیا

بلکہ اکثر اوقات نظر آتا ہے کہ غالب آنے کے بعد وہ اپنے شکست زدہ مفتوحون پر مہربان ہو گئے - اور بجائے دست‌بال کے اُن کی دستگیری کرنے لگے - لیکن یورپ کا تعصب اُسے شریفانہ رواداری کا متحمل نہیں ہو سکتا - وہ چاہتا ہے کہ موقع پا کر مسلمانون کو ایسا پامال کرے کہ وہ قیامت تک سر اُٹھانے کے قابل نہ رہین -

دنیا کی رفتار کا تقاضا نہیں ہے کہ موجودہ غالب و چیرہ دست سلطنتین قیامت تک اسی شان و شکوہ سے قائم و برقرار رہیں - دشمن پیدا ہونگے - اُنھین کے آغوش مین پل کر نشو و نما حاصل کرین گے اور آخر اُن پر غالب آئین گے - لہذا یہ تو ہرگز امید نہین ہو سکتی کہ دول یورپ پر غالب آنے والے دشمنون کا [illegible] [illegible] خیال مین آسکتی ہے - مگر ہان وہ اس کا اطمینان کرنا چاہتے ہین کہ آیندہ سر اُٹھانے اور مقابلہ کرنے والے مسلمان اور ہندوستانی [illegible] قوم تو نہ ہون -

خیر وہ کر [illegible] اور جیسی حماقت مین چاہیں مبتلا ہو جائیں - مگر دولت برطانیہ کے [illegible] یہ زیبا نہین ہے کہ خود مسلمانون کی [illegible] ترین دولت ہونے کا دعوی کرکے [illegible] خلافت اسلامیہ کا چراغ گل ہو جائے - خلافت [illegible] مقامات اسلام کی خدمت و نگہداشت کے لیے ہے - اگر برائے نام خلافت رہی لیکن جو حرمین شریفین اور محترم مقامات سے دُور ہوئی تو اُس سے مسلمانون یا دین محمدی کو کیا فائدہ پہونچ سکتا ہے ؟

وزراے دولت برطانیہ کا رُخ [illegible] کر اگر دنیاے [illegible] کھیل پڑی ہوئی ہے تو کچھ بیجا نہین ہے - مگر یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ اگر خلافت [illegible] کر مرکز اسلام سے دُور [illegible] گئی اور اُسکو خانۂ کعبہ - حرم نبوی - اور کربلا و نجف سے واسطہ نہ رہا تو بیکار ہوگا - اور اس سے اُن وفادار مسلمانون کے آنسو نہین پُچھ سکتے جنھون نے خود ہی عراق و بیت المقدس وغیرہ کو فتح کرکے دولت برطانیہ کے ہاتھ مین دے دیا - اس کا معاوضہ وہ یہ نہین سمجھے ہوے تھے کہ اس وفاداری کا پھل اُنھین یہ ملے گا کہ وہ اپنی خلافت سے بھی محروم کر دیئے جائین گے - اور ترکون کے خلاف اس جبر [illegible] سے دنیاے اسلام کا نقشہ بدل دیا جائیگا -

سنہ ۱۹۱۹ء اس سال کو نہیں منفصل اور ساری دنیا کے مسلمانوں کو اُمید و بیم کی حالت میں چھوڑے جاتا ہے - اور ان تردوات کی وجہ سے اگرچہ اُسکے رخصت ہونے کا وقت آگیا مگر ہمیں نہ اُسکے رخصت کرنے کی فرصت ہے اور نہ اُسکے سے بے مروتی برس کے رخصت کرنے کا خیال -

سنہ ۱۹۱۹ء تو ہمیں اس کی شکایت ہے کہ ہم تجھے اس جوش اور خوشی اور اس قدر و منزلت سے نہ رخصت کر سکیں گے جس طرح کہ تجھ سے پہلے برسوں کو رخصت کرتے رہے ہیں - اور سچ یہ ہے کہ تو نے اپنے آپ کو اس قابل ہی نہیں رکھا کہ ہم تیری کچھ عزت کرتے - تو [illegible] وقت ہے اور زمانے کا بیوفا و بے رحم فرزند - لہذا ہم بھی صاف صاف کہے دیتے ہیں کہ زمانہ اگر ہمارے حال [illegible] ہے تو ہم بھی ہرگز اس کی عزت نہ کریں گے - ہمارے سلف ہمیشہ فلک کج رفتار اور سپہر [illegible] کی شکایت کرتے رہے ہیں - فلک اور سپہر سے اُنکے خیال میں تو ہی مراد تھا - لہذا ہمارا یہ قاعدہ اور آبائی ورثہ تھا کہ تجھے اپنا دشمن سمجھیں اور ہمیشہ تیری شکایت کرتے رہیں - مگر یورپ والوں کی پیروی میں ادھر چند سال سے ہم تیری عزت کرنے لگے تھے اور تیرے فرزندوں یعنی برسوں میں سے آنے والوں کا جوش دل سے استقبال کرتے اور جانے والوں کو دو آنسو بہا کے رخصت کیا کرتے - مگر تجربے سے معلوم ہو گیا کہ یہ ہماری غلطی تھی - یورپ والے اگر تیرے فرزندوں کو اچھا سمجھتے ہیں تو اس کا باعث یہ ہے کہ تو اُن کے موافق ہے اور وہ تیرے شکر گزار ہیں - ہمیں شکر کرنے کی کیا وجہ جبکہ ہم روز بروز زیادہ تباہ و پامال ہوتے جاتے ہیں -

عزت و دولت کا چھن جانا ایک طرف - تو نے ہمیں افلاس کی ایسی [illegible] ہے کہ جینا وبال ہو گیا - نہ کھانے کو دانہ ہے نہ تن کو کپڑا - ایسے ستم زدوں سے [illegible] وقت جبکہ اُنکی رہی سہی عزت بھی خاک میں مل رہی ہو بجز اسکے کہ وہ جانے والے برسوں کو گالیاں دیدے کے اور جلے دل سے کوس کوس کے رخصت کریں اور کیا ہو سکتا ہے ؟

سنہ ۱۹۲۰ء

ہم مدت دراز سے ہر جانے والے برس کو رخصت اور آنے والے [illegible]

کرتے رہے ہین - اُن مین اچھے بھی تھے اور بُرے بھی - کسی کے ہم شکر گزار تھے اور کسی کے شاکی - مگر سال حال کچھ ایسے خوفناک اسلوب اور نا اُمید کرنے والے انداز سے آیا ہے کہ اظہار حزن و ملال اور ادا‌ئے شکوہ و شکایت کے لیے ہمین الفاظ نہین مل سکتے - درحقیقت اس منحوس سال نے قومی و دینی حیثیت سے ہمین مطلقاً ہلاک کر ڈالا - اور جو مر چکا اُس مین نہ غم ظاہر کرنے کی قوت باقی رہتی ہے اور نہ شکایت کرنے کا دم - لہٰذا ہم اب دراصل مُردہ ہین - اور مُردے حرف شکایت ادا کرنے کے لیے خدا کے سامنے دربار قیامت ہی مین لب کھول سکین گے -

۱۲۵۸ء ۶۵۶ھ مین شیخ سعدی شیرازی نے خلافت بغداد کے زوال اور المستعصم باللہ کی ہلاکت کے موقع پر کہا تھا

آسمان را حق بود گر خون ببارد بر زمین　　بر زوالِ ملک مستعصم امیر المومنین

اب ۱۹۲۰ء ۱۳۳۸ھ مین زمانہ درد و الم کی آواز مین نوحہ خوان ہے کہ

آسمان را حق بود گر خون ببارد بر زمین　　بر زوالِ ملک عثمانی امیر المومنین

مگر اُس پہلے زوال خلافت کو دنیا‌ئے اسلام نے اتنا محسوس نہ کیا ہوگا جتنا کہ فی الحال اہل اسلام اس صدمے سے خون کے آنسو بہا رہے ہین - ۱۲۵۸ء کے وحشی و خونخوار لوٹیرون کو مصر کی سلطنت اسلام نے بڑھ کے شام و فلسطین کے میدانون مین شکست دے دی تھی - اور چند روز بعد وہی دشمن تہذیب وحشی دین اسلام قبول کر کے ایک اعلیٰ درجے کی مہذب و شایستہ قوم اور حامی دین اسلام بن گئے تھے - مگر اب ۱۹۲۰ء مین اسلامی سطوت کے کلیۃً پامال ہو جانے سے خود اسلام کو ضرر پہونچ جانے کا اندیشہ ہے - اس لیے کہ مسلمانون کے مقامات مقدسہ پر اب غالب اثر موحدین کا نہین بلکہ تثلیث پرستون کا ہوگا -

مسلمانون کے اقوال و افعال اس موقع پر حرکات مذبوحی کا حکم رکھتے ہین - اور اس حالت مین جان دینے کے لیے اُن کا تڑپنا نہ کسی شریعت کے تابع ہو سکتا ہے اور نہ کسی قانون کے - اُنھون نے کمیٹیان کین - کانفرنسین کین اور پہلے ادب سے اور پھر گستاخی کے لہجے مین گورنمنٹ سے التجا کی کہ دولت خلافت کو زوال و پامالی سے بچایا جائے - مگر اتحادیین کو اس آخری کروسیڈ مین اپنے پرانے ہزار سال

کے حریفوں پر غلبہ حاصل ہوا ہے۔ وہ ان کا یہ اصول معلوم ہوتا ہے کہ دشمن کو تباہ کر لینے کے بعد زندہ چھوڑنا بے وقوفی ہے۔

بہرحال سنہ ۱۹۲۰ء نے اسلام کی سیاسی زندگی کا خاتمہ کر دیا۔ اور مسلمان مجبور ہیں کہ اسی موت کو بہ رضا و رغبت یا بجبر و اکراہ قبول کریں۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح ہر سال گذشتہ برس کے مشہور واقعات ناظرین کے سامنے پیش کر دیے جاتے ہیں اسی طرح اس موقع پر ہم خلافت کی مختصر تاریخ بیان کر دیں جو گویا اب ختم ہو گئی۔

خلافت کا آغاز ربیع الاول سنہ ۱۱ھ سے ہوا جب حضرت رسول خدا صلعم نے جوار حضرت رب العزت کو قبول فرمایا۔ مدینۂ طیبہ کے چند باہمی اختلافات کے رفع ہونے کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ خلیفہ ہوئے۔ حضرت رسول علیہ السلام کی ذات اقدس میں نبوت و حکومت دنیوی دونوں چیزیں جمع ہو گئی تھیں۔ نبوت و رسالت خاص خدا کی عطا کی ہوئی دولت ہے جو کسی کو ورثے میں نہیں مل سکتی۔ اور حضرت محمد صلعم دنیا کے آخری پیغمبر تھے۔ لہذا نبوت کا کوئی وارث نہ ہو سکتا تھا مگر ہاں آپ کی حکومت و سلطنت کے لیے کسی جانشین کی ضرورت تھی جس کا کام یہ ہوتا کہ بغیر اسکے کہ منصوصات یعنی خدا اور رسول کے احکام میں کسی قسم کا ردّو بدل یا تصرف کرے غیر منصوص مسائل میں ذاتی اجتہاد سے کام لے کر دین الٰہی کی حمایت و حفاظت اور تبلیغ و اشاعت کرتا رہے۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے اس خدمت کو بہترین طریقے سے انجام دیا۔ اس وقت تک خلیفہ منتخب ہونے کے لیے قریش کا گروہ مخصوص سمجھا جاتا تھا۔ اور اسکی کوئی خصوصیت نہ تھی کہ قریش میں سے کسی خاص خاندان یا نسل کے لوگ ہوں۔ حضرت صدیقؓ کے بعد ۲۲ جمادی الاخریٰ سنہ ۱۳ھ کو حضرت عمر بن الخطابؓ خلیفہ ہوئے جن کو دربار نبوت سے فاروقؓ کا خطاب عطا ہوا تھا۔ اور انکے جانشین یکم محرم سنہ ۲۴ھ کو حضرت عثمانؓ ذی النورین ہوئے۔

قریش میں یوں تو بہت سے گھرانے تھے مگر ان میں دو گھرانے نہایت ممتاز تھے جن میں کئی پشتوں سے سیادت و حکومت چلی آتی تھی۔ اول بنی ہاشم جس گھرانے میں خود حضرت رسول خدا صلعم پیدا ہوئے تھے۔ اور دوسرے بنی امیہ

ہم نسب اور بنی اعمام تھے۔ اور جاہلیت سے اُن میں باہم رقابت چلی آتی تھی۔ حضرت
عثمانؓ اسی آخری گھرانے یعنی بنی اُمیہ میں سے تھے۔ مگر اسلام نے اُن کو بہت سی فضیلتیں
عطا کر دی تھیں جن میں سب سے بڑا فخر اُن کو یہ حاصل تھا کہ رسول خدا صلعم نے اپنی دو
صاحبزادیاں یکے بعد دیگرے اُنکے عقد میں دے دی تھیں۔ مگر مسلمانوں کی باہمی رقابتوں
نے اُنکی طرف سے ناراضی پیدا کی۔ اور وہ کمال صبر و سکون اور سخت مظلومی و بیکسی کے
ساتھ اپنے گھر میں گھر کر شہید ہوئے۔

آپ کے جانشین ۳۵ھ میں رسول خدا صلعم کے ابن عم اور داماد حضرت علیؓ
ابن ابی طالب ہوئے۔ حضرت علیؓ بنی ہاشم میں سے تھے۔ اس لیے حضرت عثمانؓ اور
اور حضرت علی کی جانشینی خلافت رسول اللہ صلعم نے بنی ہاشم و بنی اُمیہ کی رقابت کو
جو تعلیم نبوت سے دب گئی تھی از سر نو زندہ کر دیا۔ چنانچہ والی شام جناب معاویہؓ جو
بنی امیہ کے رکن رکین تھے حضرت عثمانؓ کے خون کا انتقام لینا چاہا۔ اور حضرت علیؓ سے
استدعا کی کہ قاتلین عثمانؓ کا پتہ لگا کے اُن پر قصاص جاری [illegible] حضرت علیؓ نے
اس سے اپنی [illegible] میں بنی ہاشم و بنی
امیہ کے جانشین [illegible]
[illegible] ایک شریر النفس کوفی کے ہاتھ سے [illegible]
شہید ہو گئے اور آپ کی جگہ [illegible] ۴۰ھ [illegible] کو حضرت حسن رضی
اللہ عنہ رسول خدا صلعم کے نواسے جانشین خلافت ہوئے۔

معاویہؓ کی مخالفت برابر جاری تھی۔ انکی طرف بڑے بڑے تجربہ کار مدبران سلطنت
تھے۔ اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو اپنے رفقا میں چند روز کے تجربے سے نہ سچی
وفاداری نظر آئی اور نہ پوری شجاعت۔ لہذا آپ ربیع الاول ۴۱ھ میں خلافت
سے دست بردار ہو گئے۔ اور معاویہؓ کو خلیفہ تسلیم فرما کے ساری دنیائے اسلام کی
عنان حکمرانی اُنکے ہاتھ میں دے دی۔

خلافت کا یہ دور اولین جو حضرت حسن رضی اللہ عنہ پر ختم ہوا خلافتِ راشدہ
کہلاتا ہے۔ اس لیے کہ اُن بزرگوں نے کمال نیک نفسی و پابندی شرع سے دینِ الٰہی
کی خدمت کی۔ اور چونکہ حضرت رسول خدا صلعم نے فرمایا تھا کہ میرے خلفاء [illegible]

کی پیروی کرو۔ لہذا یہ پانچوں محترم جانشینانِ حضرت نبوت مسلمانوں کے عقیدے میں خلفائے راشدین تسلیم کیے گئے۔

جناب معاویہؓ کی ذات سے خلافت بنی امیہ کی بنیاد پڑی۔ جنھوں نے بیس سال حکومت کر کے رجب ۶۰ھ میں وفات پائی۔ اور ان کی وصیت کے مطابق انکا بیٹا یزید سریر خلافت پر بیٹھا۔ یہ واقعہ کہ رسول اللہ صلعم کے دوسرے نواسے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اسکے عہد میں سخت ترین مظلومی و بیکسی کے ساتھ شہید ہوئے [illegible] کبھی نہ بھلایا جا سکیگا۔

یزید تین سال ساڑھے آٹھ مہینے خلافت کر کے ۱۴ ربیع الاول ۶۴ھ کو مر گیا۔ اور اسکی جگہ اُسکا ۲۱ برس کا بیٹا معاویہ بن یزید وارث تخت خلافت ہوا۔ مگر چند ہی روز میں اُسنے خلافت سے بیزاری ظاہر کی۔ اُسکو حضرت علیؓ کے محترم خاندان کا حق سمجھا۔ اور دعویٰ سے دست بردار ہو کے مسند نشینی کے چالیسویں روز مر گیا۔

معاویہ بن یزید کے مرجانے کے بعد ہی بنی اُمیہ میں اختلاف پیدا ہوا کہ ایسا نہ ہو خلافت ہمارے گروہ سے نکل جائے۔ خصوصاً اس وجہ سے کہ مکہ معظمہ میں عبداللہ بن زبیر یزید کی بدکاریوں کو پیش کر کے اسکی بیعت توڑ چکے اور خود مدعی خلافت بن بیٹھے تھے۔ آخر ملک شام میں تمام بنی اُمیہ نے مروان بن الحکم کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ جو دس مہینے حکومت کر کے ۶۵ھ میں اپنی بیوی کے ہاتھ سے مارا گیا۔ اور اُس کا بیٹا عبدالملک بن مروان جانشین خلافت ہوا۔ یہ بنی اُمیہ کا پانچواں خلیفہ ہے۔ اُس نے پہلا کام یہ کیا کہ اپنے سپہ سالار حجاج کو لشکر کے ساتھ بھیجکر دنیا کو عبداللہ بن زبیر سے خالی کرا دیا۔ بنی ہاشم کی مخالفت کو بالکل دبا دیا۔ اور ممالک دور و دراز میں جہاد اور فتوحات کا سلسلہ پھر جاری کر دیا جو جناب معاویہؓ کے بعد مطلقاً رُک گیا تھا۔ اس کے سپہ سالار مغرب و مشرق میں برابر توحید کی آواز بلند کرتے چلے جاتے تھے۔ اور کوئی قوت ان کو روک نہ سکتی تھی۔ آخر بیس سال حکومت کر کے اُسنے ۸۶ھ میں سفر آخرت کیا۔ اور اُس کا بیٹا ولید بن عبدالملک وارث خلافت ہوا۔ ولید کا زمانہ اپنے باپ کے عہد سے بھی زیادہ کامیاب رہا۔ اور سچ یہ ہے کہ سارے زمانۂ اسلام میں ان باپ بیٹوں سے [illegible] وجبروت کی سلطنت کسی

خلیفہ یا حکمران کی حیثیت نصیب ہوئی۔ ولید نے نو سال آٹھ مہینے حکومت کی اور
وسط جمادی الاخری ۹۶ھ مطابق ۷۱۵ء میں دنیا سے رخصت ہوا۔ اب اس کا
بھائی سلیمان بن عبدالملک اس کے تخت پر بیٹھا۔ دو سال آٹھ مہینے حکومت کر کے
سلیمان بھی مر گیا۔ اور مروان [illegible] بیٹا عمر بن عبدالعزیز ۹۹ھ میں اس کا جانشین
ہوا۔ یہ نہایت نیک نفس، متقی و پرہیزگار اور سچا دیندار خلیفہ تھا۔ یہاں تک کہ
اکثر علمائے اہل سنت اس کو چھٹا خلیفۂ راشد بتاتے ہیں۔ اور ایسے زاہد و عادل
خلیفہ کے عہد میں دوسری صدی ہجری کا شروع ہونا مبارک فالی کی دلیل سمجھا گیا۔ عمر
نے بھی فقط دو سال پانچ مہینے حکومت کی اور ۱۰۱ھ مطابق ۷۱۹ء میں مر گیا۔
لوگوں نے اس کے مرنے پر عبدالملک کے تیسرے بیٹے یزید بن عبدالملک کے ہاتھ پر
بیعت کی۔ اس نے چار سال دو مہینے حکومت کر کے ۱۰۵ھ م ۷۲۳ء میں مسند
خلافت کو خالی کر دیا۔ اور اس کا جانشین عبدالملک کا چوتھا بیٹا ہشام بن عبدالملک
ہوا۔ اس نے انیس سال خلافت کی۔ اور اس کے مرنے پر ۱۰ ربیع الآخر ۱۲۵ھ
مطابق ۷۴۲ء میں اس کا بھتیجا ولید بن یزید خلیفہ ہوا۔ اس خلیفہ نے ایسی بے
اعتدالیاں کیں کہ چودہ مہینے اور بیس روز ہی حکومت کرنے پایا تھا کہ لوگوں نے
قصر خلافت کو گھیر کے اسے قتل کر ڈالا۔ اب لوگوں نے اس کے چچا ولید کے بیٹے یزید بن
ولید کو جمادی الاخری ۱۲۶ھ م ۷۴۳ء میں خلیفہ بنایا۔ مگر اس نے پانچ ہی مہینے
عنان خلافت اپنے ہاتھ میں رکھی تھی کہ دنیا سے رخصت ہو گیا۔ اور اس کا بھائی
ابراہیم بن ولید بن عبدالملک جانشین خلافت ہوا۔ مگر تین ہی مہینے خلیفہ رہ کر
مسند خلافت سے اٹھا دیا گیا۔ اور اس کی جگہ مروان الحمار خلیفہ ہوا جو بنی امیہ کا
آخری خلیفۂ شام ہے۔

اب اندرونی ریشہ دوانیوں اور خفیہ سازشوں نے حکمران و پُرسطوت خاندان
بنی امیہ کی بنیاد اس قدر کمزور کر دی تھی کہ دیکھتے ہی بنی عباس یعنی رسول خدا صلعم کے
چچا کی اولاد کا علم سیاہ خراسان میں بلند ہو گیا۔ خلافت کی فوجوں کو شکستیں دیں
اور مروان چھ سال ہی حکومت کرنے پایا تھا کہ عباسی مدعیان خلافت سے شکست
کھا کے بھاگا۔ اور آخر اسیر ہو کر ۲۷ ذی الحجہ ۱۳۲ھ م ۷۵۰ء کو سخت بے رحمی

سے قتل کیا گیا۔

حضرت معاویہؓ سے لیکر مروان حمار تک خاندان بنی امیہ کے چودہ خلیفہ ہوئے۔ جنھوں نے کل ۹۲ سال حکومت کی۔ ان کا ابتدائی زمانہ اسلام میں خلافتِ راشدہ کے بعد سب سے زیادہ عظمت و جبروت اور فتوحات و ترقی اسلام کا زمانہ تھا۔ اور قلمرو کی وسعت کے لحاظ سے دیکھیے تو یہ لوگ خلفائے راشدین مہدیین سے بھی بڑھے ہوئے تھے۔

بنی عباس نے بسر یر خلافت پر متصرف ہونے کے بعد بنی اُمیہ کا قتل عام کیا۔ انکے بوڑھوں بچوں تک کو چُن چُن کے قتل کیا۔ انکے سابق خلفا کی قبریں کھود کر لاشوں کو ہنڈوایا۔ اور جب یہ بہیمیت کا جوش کم ہوا تو اطمینان اور قوت سے حکومت کرنے لگے۔ بنی عباس کا پہلا خلیفہ عبداللہ ابوالعباس سفاح بن محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس ہے۔ جسکے ہاتھ پر ۱۲ ربیع الاول ۱۳۲ھ کو لوگوں نے بیعت کی۔ اور چار سال آٹھ مہینے خلافت کرکے وہ ۱۳۶ھ م ۷۵۴ء میں مرگیا۔ اور اُس کا جانشین اسکا بھائی ابو جعفر منصور ہوا۔ جس نے ۲۲ سال جہان بانی کرکے ۱۵۸ھ م ۷۷۵ء میں وفات پائی۔

منصور کے بعد اس کا بیٹا مہدی خلیفہ ہوا۔ جو ۱۰ سال حکمران رہا۔ اور محرم ۱۶۹ھ مطابق ۷۸۵ء میں دنیا سے رخصت ہوگیا۔ اس کا جانشین اس کا فرزند موسیٰ ہادی ہوا۔ وہ فقط ایک سال ڈیڑھ مہینہ حکومت کرکے مرگیا۔ اس کا وارث اسکا بھائی ہارون رشید ہوا۔ جو اپنی عظمت و جلال کے باعث مورخین میں "اعظم" کے لقب سے مشہور ہے۔ ہارون رشید کا زمانہ فتوحات اور توسیع ملکت کا عہد نہ تھا مگر ہاں اسکے عہد میں عربی و ایرانی معاشرت کی آمیزش سے اسلامی معاشرت بن رہی تھی۔ اور اسلامی فخمندی و عظمت میں علوم و فنون اور ادب و شاعری کی ترقی سے دنیوی تہذیب و شائستگی کا رسیلا پن پیدا ہو رہا تھا۔ اب خلافت کا دربار ایک باعظمت و جبروت علمی دربار تھا۔ جس میں تہذیب و تمدن کے تمام شعبے اعلیٰ ترین نشو و نما پا رہے تھے۔

ہارون رشید جب جمادی الاخریٰ ۱۹۳ھ م ۸۰۹ء میں ملکِ بقا کا راہی ہوا تو اسکے بڑے بیٹے امین الرشید نے عنانِ خلافت اپنے ہاتھ میں لی۔ مگر اپنی ناشائستہ مزاجی

کے باعث اُسکو سنبھال نہ سکا - فقط چار سال آٹھ مہینے مسند نشین خلافت رہا تھا کہ اپنے بھائی مامون رشید کے سپہ سالاروں کے ہاتھ سے بغداد مین محصور ہو کے محرم ۱۹۸ھم ۸۱۳ء مین مارا گیا -

اب مامون رشید خلیفہ ہوا - جو ہارون رشید سے بھی زیادہ علم دوست تھا - اسکے عہد مین اسلام کی علمی و تہذیبی زندگی کمال کے درجے کو پہونچ گئی - یہان تک کہ ۱۸- رجب ۲۱۸ھم ۸۳۳ء کو مامون رہ گرائے عالم آخرت ہوا - اور اسکی وصیت کے بموجب اس کا بھائی ابو اسحق المعتصم باللہ خلیفہ ہوا - جس نے ۱۱- ربیع الاول ۲۲۷ھ مطابق ۸۴۲ء مین وفات پائی - معتصم کے زمانے مین عربی النسل خاندان دولت و امارت کے اثر سے اس قدر بیکار و کاہل اور گستاخ و نافرمان ہو گئے تھے کہ اُس نے ترکی غلامون کی ایک نئی فوج مرتب کی جسکے سپاہی توانا - تندرست - چست و چالاک اور مطیع و منقاد تھے - اسی لشکر کے قیام کے لیے اس نے سرمن رای (سامرہ) کو لشکرگاہ قرار دیا - مگر یہی لشکر آخرکار خلافت کے تنزل و زوال کا باعث ثابت ہوا - معتصم کے بعد اُسکے بیٹے ابو جعفر ہارون نے مسند نشین خلافت ہو کر الواثق باللہ لقب اختیار کیا - جس سے ۲۴- ذی الحجہ ۲۳۲ھم ۸۴۷ء کو دُنیا خالی ہو گئی - اور اس کا بیٹا جعفر المتوکل علی اللہ خلیفہ ہوا - اب وہی معتصم کا قائم کیا ہوا لشکر اس قدر حاوی تھا کہ اسکے سردارون نے خلافت کو اپنے ہاتھ کا کھلونا بنا لیا تھا - چنانچہ متوکل چودہ سال نو مہینے فرمان روائی کر کے اپنے ترک سردارون کے ہاتھ سے ۱۵ شوال ۲۴۷ھم ۸۶۱ء کو مارا گیا اور قتل کی سازش مین خود اُسکا بیٹا المنتصر باللہ شریک تھا جسکے ہاتھ پر بیعت کی گئی - مگر پورے سال بھر بھی حکومت نہین کرنے پایا تھا کہ ربیع الآخر ۲۴۸ھم ۸۶۲ء مین مرگیا -

اب ترکون نے المعتصم باللہ کے ایک بیٹے ابو العباس احمد کو خلیفہ بنایا جس نے المستعین باللہ کا لقب اختیار کر کے تین سال حکومت کی تھی کہ متلون مزاج سرداران ترک نے اسکے جیتے جی اسکے دوسرے بھائی المعتز باللہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی - دونون بھائیون مین لڑائی چھڑ گئی - آخر مستعین خود ہی خلافت سے دست بردار ہو گیا اور ۲۵۲ھم ۸۶۶ء مین اُس نے معتز کے ہاتھ پر بیعت کر لی - مگر ترک سردارون کی

چہرہ دستی پر منحصر و باقی تھی۔ چنانچہ معتز تین سال نو مہینے ہی حکومت کرنے پایا تھا کہ ترکون نے ۲۵۵ھ مین اسکو نہایت ذلیل کرکے اور بہت بری طرح پیاسا قتل کیا۔

المعتز کے بعد واثق باللہ کے بیٹے ابو عبداللہ محمد المہتدی باللہ کے ہاتھ پر بیعت کی گئی اسکو پورا ایک سال بھی خلافت کرنا نہین نصیب ہوا تھا کہ اپنے ترک سپہ سالارون کے ہاتھ سے شرمناک اذیتون اور تکلیفون کے ساتھ ۲۵۶ھ مین مارا گیا۔ اسکے بعد متوکل کا بیٹا ابو العباس احمد قید خانے سے نکال کر سریر خلافت پر بٹھایا گیا۔ اور اُس نے المعتمد علی اللہ لقب اختیار کیا۔

المعتمد کو خلافت کرتے ہوئے ۲۳ سال کا زمانہ ہو گیا تھا کہ ۲۷۹ھ مطابق ۸۹۲ء مین مرگیا۔ اور اس کا بھتیجا احمد معتضد باللہ کا لقب اختیار کرکے سریر آرائے خلافت ہوا۔ نو سال ساڑھے نو مہینے خلیفہ رہ کر ۲۲ ربیع الآخر ۲۸۹ھ مطابق ۹۰۲ء کو وہ بھی مرگیا۔ اور جانشینی خلافت اسکے بیٹے علی الملقب بہ المکتفی باللہ کو ملی۔ اس نے ساڑھے چھ سال حکومت کی اور ۱۲ ذیقعدہ ۲۹۵ھ مطابق ۹۰۸ء مین عالم آخرت کی راہ لی۔ اب معتضد باللہ کا دوسرا بیٹا جعفر المقتدر تیرہ سال کی عمر مین مسند خلافت پر بٹھایا گیا۔ مگر نابالغی کے باعث ایک ہی سال کے اندر ۲۰ ربیع الاول ۲۹۶ھ کو تخت پر سے اُتار دیا گیا۔ اور اسکی جگہ المعتز بن المتوکل باللہ کے بیٹے عبداللہ بن معتز کو دی گئی جو بنی عباس کا نامور شاعر ہے اور اس کا دیوان آج تک عربی ادب کا بہترین زیور تسلیم کیا جاتا ہے۔ مگر اس بدنصیب شاعر خلیفہ کو پورے ایک دن بھی حکومت کرنا نصیب نہ ہوا۔ تخت پر بیٹھے چند ہی گھنٹے ہوئے تھے کہ مخالفون نے شورش کی اور اسے مسند خلافت پر سے ڈھکیل کے پھر نابالغ المقتدر کو خلیفہ بنا لیا۔ اب المقتدر ۳۱۲ھ تک سریر خلافت پر متصرف رہا تھا کہ پھر مخالفت نے زور کیا اور اسکو تخت سے ہٹا کے اسکی جگہ ابو المنصور محمد القاہر باللہ سریر آرا کیا گیا۔ مگر ارکان دولت کو اس سے بھی اطمینان نہ ہوا۔ چنانچہ چند ہی روز کے اندر اسے معزول کرکے پھر المقتدر باللہ کو خلیفہ بنا لیا۔ مقتدر نے تینون بار مین کل ۲۵ سال حکومت کی۔ اور آخر ۲۲ شوال ۳۲۰ھ مطابق ۹۳۲ء کو قتل کیا گیا۔ اور اسکی جگہ معتضد کے بیٹے محمد القاہر بامر اللہ کو دی گئی۔ وہ ڈیڑھ ہی سال حکومت کرنے پایا تھا کہ اندھا کرکے ۳۲۲ھ مین سریر خلافت

پرسے اُتار دیا گیا۔

اب مقتدر کا بیٹا محمد الراضی باللہ جانشین خلافت ہوا۔ اور ۶ سال دس ماہ حکومت کرکے ربیع الاول ۳۲۹ھ ۹۴۱ء میں رہ نوردِ آخرت ہوا۔ اور اسکی جانشینی اس کے بھائی ابراہیم المتقی باللہ کو ملی جو دو سال گیارہ مہینے خلیفہ رہنے پایا تھا کہ ۳۳۳ھ مطابق ۹۴۵ء میں اندھا کرکے تخت سے اُتار دیا گیا اور اسکی جگہ اسکے بیٹے عبداللہ المکتفی باللہ کو دی گئی۔ اس نے ایک سال چار ہی مہینے حکومت کی ہوگی کہ جمادی الآخر ۳۳۴ھ ۹۴۶ء میں وہ بھی خلافت سے معزول کیا گیا۔ اور تخت خلافت پر لوگوں نے مقتدر کے بیٹے فضل کو بٹھایا جس نے المطیع باللہ کا لقب اختیار کرکے اُنتیس سال چار مہینے فرمانروائی کی۔ مگر انجام اس کا بھی وہی ہوا کہ ذیقعدہ ۳۶۳ھ ۹۷۴ء میں خلافت سے علیحدہ ہوگیا۔ اور اُس کے بیٹے عبدالکریم الطائع للہ نے تخت خلافت پر قدم رکھا مگر وہ بھی سترہ سال نو مہینے جانشین خلافت رہ کر ۳۸۱ھ ۹۹۱ء میں مسند خلافت سے اُتار دیا گیا۔

اب مقتدر کے بیٹے ابو العباس احمد القادر باللہ کے ہاتھ پر لوگوں نے بیعت کی اور اُس نے اکتالیس سال چار مہینے خلافت کرکے ذی الحجہ ۴۲۲ھ ۱۰۳۱ء میں سفر آخرت کیا۔ اور اُس کا بیٹا القائم بامر اللہ وارث خلافت ہوا۔ جو الیس سال آٹھ مہینے جلوہ فرمائے سریر خلافت رہا اور شعبان ۴۶۷ھ ۱۰۷۵ء میں عالم بقا کی راہ لی۔ اس کا وارث اس کا بیٹا المقتدی بامر اللہ ہوا۔ اسکے بعد مسند خلافت پر اس کا فرزند ابو العباس احمد المستظہر باللہ بیٹھا۔ اور چوبیس سال تین مہینے مرجع اسلام رہ کر ۲۲۔ربیع الآخر ۵۱۲ھ ۱۱۱۸ء کو انتقال کرگیا۔

اب اس کا بیٹا ابو الفضل منصور المسترشد باللہ مسند خلافت پر بیٹھا۔ اس زمانے میں سلجوقیوں کا بڑا زور بڑھا۔ چنانچہ اس سے مسعود بن ملک شاہ سلجوقی سے سخت لڑائی ہوئی۔ اور وہ اُنیس سال حکومت کرنے پایا تھا کہ اس سے اٹھتا ہوا عین معرکۂ کارزار میں مارا گیا۔ یہ واقعہ ذی الحجہ ۵۲۹ھ ۱۱۳۵ء میں پیش آیا۔ اور اسکے بعد مسند خلافت پر اسکا فرزند ابو جعفر منصور الراشد باللہ بیٹھا مگر اسکو ایک ہی سال خلافت کرتے گذرا تھا کہ سلجوقی فرمانروا مسعود نے بغداد پر قابض ہوکر ۵۳۰ھ

مین تخت خلافت سے اُتار دیا۔ اور اسکے چچا محمد المقتفی لامر اللہ بن مستظہر کو خلیفہ بنا دیا۔ المقتفی نے پچیس سال خلافت کی اور ۲۔ ربیع الاول ۵۵۵ھ م ۱۱۶۰ء مین سفر آخرت کیا۔

مقتفی کے بعد اُسکا بیٹا یوسف المستنجد باللہ خلیفہ ہوا جو گیارہ سال خلافت کرکے ۹۔ ربیع الاول ۵۶۶ھ م ۱۱۷۰ء کو آغوش لحد کے سپرد کیا گیا اور خلافت اس کے ورثے مین اسکے بیٹے محمد المستضی بنور اللہ کو ملی۔ وہ کچھ اوپر نو سال خلافت کرکے ۵۷۵ھ م ۱۱۷۹ء کو رہ نورد عالم جاودان ہوا۔ اب اسکے بیٹے احمد الناصر لدین اللہ کے ہاتھ پر بیعت ہوئی۔ اس نے سینتالیس برس خلافت کی اور ۶۲۲ھ م ۱۲۲۵ء مین دنیا سے رخصت ہو گیا۔

اس زمانے مین خلفاے بنی عباس مین کوئی قوت و سطوت تو باقی نہ تھی مگر ان کا دینی اثر اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ انکے نام کا خطبہ مشرق مین چین تک اور مغرب مین اندلس تک پڑھا جاتا تھا جو مرجعیت اس سے پہلے کسی خلیفۂ اسلام کو نصیب نہین ہوئی تھی۔ الناصر کے بعد اُس کا بیٹا محمد الظاہر باللہ خلیفہ ہوا۔ کو نو ہی مہینے کے بعد ۶۲۳ھ م ۱۲۲۶ء مین مر گیا۔ اب الظاہر کا بیٹا ابو جعفر المستنصر باللہ خلیفہ ہوا جو سترہ سال خلافت کرکے ۶۳۹ھ م ۱۲۴۲ء مین عازم آخرت ہوا۔ اور اسکی جگہ اسکے بیٹے المستعصم باللہ کو ملی جو بغداد مین سب سے پچھلا عباسی خلیفہ تھا۔

اُن دنون بغداد مین شیعہ سُنّی کا جھگڑا بہت زور دن پر تھا۔ دیلمیون کے اقتدار نے شیعون کا اور سلجوقیون کی قوت نے سنّیون کا تعصب بڑھا دیا تھا۔ المستعصم سُنّی تھا مگر انتظامی حالت اور رعایا کے باہمی تعصبات سے غافل۔ اس کا وزیر ابن علقمی شیعہ تھا جس نے کوشش شروع کی کہ سُنّی خلافت ہی کا خاتمہ کرکے سنیون کی شورشون کو ہمیشہ کے لیے مٹا دے۔

دنیا مین ان دنون تاتاریون کا زور تھا۔ اُنھون نے سارے ایران مین قتل و غارت کا بازار گرم کر رکھا تھا۔ دیلمیون اور الموت کی کوہستانی سلطنت باطنیہ کو پامال کر چکے تھے۔ ابن علقمی نے تاتاری سپہ سالار ہلاکو خان کو عراق و بغداد کی طرف بلایا۔ اور المستعصم کو غافل رکھ کے خلافت کے پاس جو کچھ فوجی قوت باقی تھی اسکو بھی

بٹھا دیا۔ آخر ہلاکو خان نے کھونت پناہ سمت تاتاریون کے ساتھ آیا اور بغداد کا
محاصرہ کر لیا۔ خلیفہ کو جب کوئی صورت نظر نہ آیا تو امان مانگی۔ ہلاکو نے امان دی۔ اور جب
تاتاری جنگجو کے عہد و پیمان پر بھروسا کر کے وہ اپنے اعزا۔ علما۔ اور ارکان دولت کے
ساتھ اُس سے ملنے کو گیا تو سب لوگ اسیر کر لیے گئے۔ پھر جب خلیفہ سے اپنا سارا خزانہ
اور زر و جواہر منگوا کے حاضر کر دیے تو اپنے تمام ہمراہیون کے ساتھ کمال بے رحمی و
بدعہدی سے ۱۲۔ صفر ۶۵۶ھ م ۱۲۵۸ء روز چہار شنبے کو قتل کیا گیا۔ اب تاتاریون
نے بغداد کو لوٹا۔ سارے شہر مین آگ لگائی۔ عالیشان عمارتین جلا کے خاک کر دین۔
کتب خانے جلاتے اور دریا مین بہاتے۔ اور خدا جانے کتنے دنون تک قتل عام کرتے
رہے۔ زن و مرد اور بوڑھے بچے سب اُنکے ہاتھ سے قتل ہوے۔ اور جب انسان
نہ رہے تو جوشِ بہیمیت مین وہ جانورون کو قتل کر کر کے خونخواری کی آگ بجھانے
لگے۔ غرض چھ سو برس مین خلافت نے جو کچھ علمی و دنیوی دولت حاصل کی تھی۔
سب دم بھر مین تباہ و برباد ہو گئی۔ معجز بیان شیرازی اس واقعے کی کیسی دردناک
اور جگر خراش تصویر دکھاتی ہے۔ فرماتے ہین۔

ای محمد گر قیامت می برآری سر ز خاک — سر برآور وین قیامت در میانِ خلق بین
نازنینانِ حرم را خونِ خلقِ نازنین — ز آستان بگذشت و ما را خونِ دل از آستین
زینہار از دورِ گیتی و انقلابِ روزگار — در خیالِ کس نگشتی کانچنان گردد چنین
دیدہ بردار ای کہ دیدی شوکتِ بیت الحرم — قیصرانِ روم سر بر خاک و خاقان بر زمین
خونِ فرزندانِ عمِ مصطفیٰ شد ریختہ — ہم بر آن خاکی کہ سلطانان نہادندی جبین

بغداد مین خلافتِ عباسیہ کا جب اور جس طریقے سے استیصال ہوا اُس کا حال
ہم بیان کر چکے۔ اسکے بعد خلافتِ اسلامیہ جس شان اور جس عنوان سے رہی اُس کا
حال ہم آیندہ بیان کرینگے

۶۵۶ھ مین جب بغداد کا آخری خلیفہ المستعصم باللہ تاتاریون کے ہاتھ سے شہید
ہوا تو دنیاے اسلام بے خلیفہ کے رہ گئی۔ اور اسکو ہر جگہ مسلمانون نے محسوس کیا۔ اُنکو
نظر آتا تھا کہ اسلام بے پشت و پناہ ہے اور تمدن توحید کا شیرازہ ٹوٹا ہوا۔ اہل اسلام کو
یہ واقعہ قیامت سے کم نہین نظر آتا تھا۔ اور کوئی بات کسی کے بنائے نہ بنتی تھی۔

تاتاری جب عراق سے آگے بڑھے ۶۵۸ھ اور شام میں قتل و غارت کا بازار گرم کیا تو فرمان روائے مصر نے جان پر کھیل کے اُن پر حملہ کیا۔ اور اُس میدان میں سینہ چاک مسلمانوں نے ایسے جوش و خروش سے مقابلہ کیا کہ تاتاری شکست کھا کے بھاگے اور جدھر بھاگے قتل ہوتے۔ اس فتح کی خبر جب عراق کے مصیبت زدہ مسلمانوں کو ہوئی جو صحراؤں میں مارے مارے پھرتے تھے تو نسل بنی عباس کے ایک خلیفہ زادے کو [illegible] یہ المستعصم باللہ کے چچا المستنصر باللہ کے بھائی اور خلیفہ الظاہر بامر اللہ کے فرزند ابو القاسم احمد تھے۔ المستعصم کے زمانے میں وہ قید خانے میں تھے۔ تاتاریوں کے شور اور ہنگامے میں چھوٹے تو جان بچانے کے لیے بدوی قبائل عرب میں چلے گئے اور خانہ بدوشی کی زندگی بسر کر رہے تھے۔

مسلمانان مصر نے تاتاریوں کے شکست کھانے کا حال سنتے ہی ابو القاسم چند اعزا اور بدوی سرداروں کو اپنے ہمراہ لیکر مصر کی طرف بڑھے اور ۹۔ رجب ۶۵۹ھ کو قاہرہ میں داخل ہوئے۔ اُنکے آنے کی خبر چونکہ پہلے ہی سے ہو گئی تھی لہذا سلطان مصر ملک الظاہر اُمرائے دولت۔ قاضیوں۔ فقیہوں اور بڑے بڑے مقتدایانِ اُمت کو ساتھ لے کر اُنکے استقبال کو نکلا۔ اس موقع پر اہل مصر کا جوش مسرت اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ قاہرہ کے عیسائی بھی انجیل و صلیب کو لیکر اور یہودی بھی توریت کو لیے ہوئے استقبال کرنے والوں میں شریک تھے۔ اور خلیفۂ اسلام کے ویسے ہی دلدادہ تھے جیسے کہ خود مسلمان تھے۔ ابو القاسم موصوف باب النصر کی طرف سے بڑے جلوس اور نہایت کر و فر کے ساتھ شہر میں داخل ہوئے۔

اُن کے ورود کے گیارہ روز بعد ۱۳۔ رجب سنہ مذکور کو قصر جبل میں ایک دربار عام ہوا۔ سلطان مصر ملک الظاہر اور تمام علما و قضاۃ اور اکابر شہر اُس میں شریک ہوئے۔ اس مجمع کے سامنے ابو القاسم نے کھڑے ہو کر اپنا نام و نسب ظاہر کیا۔ قبیلہ [illegible] قاضی تاج الدین نے جو تمام علما میں ممتاز تھے کھڑے ہو کر اُنکے دعوے کی تصدیق کی۔ تصدیق ہوتے ہی سب سے پہلے شیخ الاسلام عز الدین بن عبد السلام نے اُن کے ہاتھ پر بیعتِ خلافت کی۔ بعد ازاں سلطان مصر نے بیعت کی۔ پھر قاضی تاج الدین نے اور اُنکے بعد تمام علما و روسا نے کی۔ ابو القاسم نے اسوقت سے المستنصر باللہ کا

کا لقب اختیار کیا۔ اور بعد اسکے کہ تین سال تک دنیا کسی خلیفہ سے خالی رہی مصر میں ثانیاً نئے عباسیہ کا دوسرا دور شروع ہوگیا۔

مگر اس وقت تک کسی کا خیال نہ تھا کہ آیندہ خلیفہ کا قیام قاہرہ ہی میں رہے گا بلکہ یہ سمجھا گیا تھا کہ نئے خلیفہ کے ہاتھ پر بیعت اگرچہ مصر میں ہوئی مگر وہ عراق میں واپس جاکر دار السلام بغداد میں اپنی آبائی مسندِ خلافت پر جلوس کرے گا۔ چنانچہ چند ہی روز بعد المستنصر باللہ نے سلطان مصر سے بغداد جانے کی اجازت مانگی۔ سلطان نے اجازت ہی نہیں دی بلکہ مجاہدین کا ایک لشکر جرار لیکر خلیفہ کے ساتھ ہو لیا کہ شام کے انتہائی حدود تک پہونچا آئے۔ الغرض ملک الظاہر اور المستنصر باللہ دونوں قاہرہ سے روانہ ہوکر ۷۔ ذیقعدہ ۶۵۹ھ کو دمشق میں پہنچے۔ وہاں جمعے کی نماز دونوں نے ساتھ ادا کی اور اسکے بعد ملک الظاہر مصر میں واپس آیا اور المستنصر مجاہدین کے ساتھ آگے بڑھا اس لیے کہ عراق کو مغلوں سے مقابلہ کرکے لینا تھا۔

یہ لوگ علاقۂ الجزیرہ کے شہر ہیت تک پہونچے تھے کہ تاتاریوں کے ایک لشکرِ عظیم سے مقابلہ ہوگیا۔ اس معرکے میں مسلمان اگرچہ جان پر کھیل کے لڑے مگر دشمن کا لشکر زبردست تھا۔ شکست کھائی۔ بہت سے مسلمان شہید ہوئے اور خلیفہ المستنصر کا پتہ نہ لگا کہ کیا ہوا۔ یہ المناک واقعہ ۳- محرم ۶۶۰ھ مطابق ۱۲۶۱ء کو پیش آیا۔

المستنصر کے ہمراہیوں میں سے جو لوگ بھاگ کر جان بچا سکے ان میں ایک ابو العباس احمد عباسی تھا جو خلیفہ المسترشد باللہ کی نسل میں سے تھا۔ وہ بھاگتا ہوا رحبہ میں پہونچا اور عیسیٰ بن مہنا نامی وہاں کے حاکم سے ملا۔ عیسیٰ نے اسکی اطلاع مصر میں ملک الظاہر سے کی اور اس نے فوراً بلوا لیا۔ ابو العباس ۲۷- ربیع الآخر ۶۶۰ھ کو القاہرہ میں داخل ہوا۔ جہاں نہایت ذوق و شوق سے اس کا استقبال ہوا۔ اور قلعۂ جبل میں ٹھہرایا گیا۔ چند روز بعد ۸- محرم ۶۶۱ھ یوم پنجشنبہ کو سلطان مصر نے ایک عظیم الشان دربار کیا۔ اس دربار میں جب ابو العباس نے اپنے نسب کو ثابت کر دیا تو سب نے اسکو خلیفہ تسلیم کیا۔ اور اسکے ہاتھ پر بیعت کی گئی۔ اس خلیفہ نے اپنے لیے الحاکم بامر اللہ کا لقب اختیار کیا۔ اسکی یہ حالت رہی کہ ہمیشہ لوگوں کو تاتاریوں پر جہاد کرنے کیلیے ابھارتا رہتا۔ آخر ۱۸- جمادی الاول ۷۰۱ھ مطابق ۱۳۰۱ء کو جمعے کے

دن اُس نے انتقال کیا اور اُسکا فرزند ابو الربیع سلیمان خلیفہ منتخب کیا گیا۔ جنھون نے المستکفی باللہ کا لقب اختیار کیا۔ ابتدائً سکہ اور خطبہ دونون مین اسی کا نام رہا۔ مگر آخر مین سکہ تو سلطان مصر کے نام کا ہو گیا۔ ہان خطبے مین البتہ خلیفہ کا نام لیا جاتا تھا۔

سلطان مصر اُن دنون ملک ناصر تھا۔ اُس سے اور المستکفی سے ایسے گہرے تعلقات تھے کہ جلوت و خلوت مین ہمیشہ ساتھ رہتے۔ ساتھ اُٹھتے بیٹھتے اور ساتھ ہی شکار کو جاتے۔ تاتاریون کے مقابل جہاد پر بھی ساتھ ہی گئے اور بالکل دو بھائی نظر آتے تھے۔ مگر ۷۳۶ھ مین بعض دراندازون نے تفرقہ ڈال دیا۔ آخر سلطان کے حکم سے وہ مقام قوص مین جا کے رہا۔ اور وہین شعبان ۷۴۰ھ م ۱۳۳۹ء مین سفر آخرت کیا۔

المستکفی نے وصیت کر دی تھی کہ اُنکے بعد اُن کا بیٹا احمد خلیفہ بنایا جائے مگر ملک الناصر اُن کے اس قدر خلاف تھا کہ اس وصیت کو نہ مانا اور اُنکے بھتیجے ابراہیم کو بُلا کے خلیفہ قرار دیا۔ اور سب نے ۳۔ رمضان ۷۴۰ھ کو اُنکے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ اور اُنھون نے الواثق باللہ کا لقب اختیار کیا۔ اسکو ایک ہی سال گذرا ہوگا کہ ملک الناصر مرض موت مین مبتلا ہوا۔ اور اُسوقت اپنے کیے پر پچھتایا۔ چنانچہ مرتے وقت وصیت کر دی کہ الواثق باللہ خلافت سے معزول کر دیا جائے۔ اور اُسکی جگہ لوگ المستکفی کے بیٹے احمد کے ہاتھ پر بیعت کریں۔ چنانچہ ملک الناصر کی وفات کے بعد جب اُس کا بیٹا ابو بکر منصور تخت پر بیٹھا تو اُس نے ایک بڑا بھاری دربار کر کے استحقاق خلافت کے معاملے مین قاضیون اور فقیہون سے بحث کی۔ اور جب المستکفی کے بیٹے احمد کی موافقت مین فیصلہ ہوا تو الواثق کی بیعت سب نے توڑ دی۔ اور احمد کے ہاتھ پر بیعت کی گئی۔ جس نے پہلے تو المستنصر باللہ کا لقب اختیار کیا۔ پھر تھوڑے دنون بعد اُسکو منسوخ کر کے اپنے دادا کا لقب الحاکم بامر اللہ اختیار کر لیا اور ۷۵۳ھ کے وسط م ۱۳۵۲ء مین اُس نے وفات پائی۔

اُس نے کسی کے لیے جانشینی کی وصیت نہین کی تھی۔ چنانچہ علما و اکابر قوم نے بالاتفاق اُسکے بھائی ابو بکر بن المستکفی باللہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور اُس نے

المعتضد باللہ کا لقب خلافت اختیار کیا۔ اس خلیفہ نے دس سال خلافت کرکے ۱۸
جمادی الاول ۷۶۳ھ مطابق ۱۳۶۲ء شب چہارشنبہ کو انتقال کیا۔ اور بعد اپنے
بیٹے ابو عبداللہ محمد کو قرار دے گیا جس کے ہاتھ پر مسلمانوں نے بیعت کی۔ اور اس نے
المتوکل علی اللہ کا لقب اختیار کیا۔

اُس وقت فرمانروائے مصر ملک الظاہر برقوق تھا۔ ۷۸۵ھ میں اُسے پتہ لگا
کہ میرے قتل کے لیے ایک سازش ہوئی تھی جس میں خلیفہ المتوکل بھی شریک
تھا۔ اس بدگمانی میں آکر اُس نے تمام علما و فقہا اور قاضیوں کو جمع کرکے اُن سے
خواہش کی کہ خلیفہ کی معزولی کا فتویٰ دیں۔ مگر سب نے فتویٰ دینے سے انکار کیا اور واپس
چلے گئے۔ تب برقوق نے بجور و تظلم اپنی حکومت کے برتے پر خلیفہ کو معزول کرکے
ایک قلعے میں قید کر دیا۔ اور الحاکم بامر اللہ کے پوتے عمر بن ابراہیم کو بُلا کے اُسکے
ہاتھ پر بیعت کر لی۔ عمر نے مسند خلافت پر قدم رکھتے ہی الواثق باللہ اپنا لقب
قرار دیا۔ چند روز بعد برقوق کو اپنی بے اعتدالی پر تنبیہ ہوا۔ اور متوکل کو قید سے
نکال کے اپنے محل میں لایا۔ عزت و حرمت سے رکھا مگر خلافت الواثق ہی سے
وابستہ رہی۔ آخر ۲۹۔ شوال ۷۸۸ھ مطابق ۱۳۸۶ء کو الواثق نے انتقال کیا
یہ دیکھ کر لوگوں نے پھر ملک الظاہر برقوق سے سفارش کی کہ اب المتوکل کو مسند خلافت
پر بیٹھنے دیجیے مگر اُس نے سماعت نہ کی اور الواثق کے بھائی زکریا کو بُلا کے اُسکے
ہاتھ پر بیعت کر لی۔ جس نے المعتصم باللہ کا لقب اختیار کیا جو ۲۔ جمادی الاولیٰ
۷۹۱ھ تک خلیفہ مانا جاتا تھا۔ اس سال ملک الظاہر نے المتوکل کے ہاتھ پر
بیعت کر لی۔ مگر اُن سے قسم کے ساتھ عہد و پیمان لیا گیا کہ ہمیشہ ملک الظاہر
کا دوست اور خیر خواہ رہے گا۔ اسکے بعد وہ بے خلل و غش مسند خلافت پر جلوہ
فرما رہا۔ یہاں تک کہ ۲۸۔ رجب ۸۰۸ھ مطابق ۱۴۰۵ء میں اُس نے دنیا کو رخصت
کیا۔ یہ خلیفہ دولتمندی اور صاحب اولاد ہونے میں نہایت ہی اقبالمند تھا۔
ایک سو لڑکے ہوئے جن میں سے چار کو مسند خلافت پر جگہ ملی۔ اور یہ وہ بات تھی
جو اور کسی خلیفہ کو نہیں نصیب ہوئی۔ المتوکل کے زمانے میں دولت عثمانیہ روم کی
بنیاد پڑ چکی تھی۔ اور عثمان خان کا بیٹا بایزید خان حکومت کر رہا تھا۔ مگر یہ حال

نہ تھی کہ اپنے آپ کو بادشاہ یا سلطان کہے۔ اس لیے کہ یہ عزت کسی بادشاہ کو اُسی وقت حاصل ہو سکتی تھی جب دربار خلافت تسلیم کر لے۔ چنانچہ بایزید خان نے ۷۹۷ھ میں خلیفہ المتوکل کے پاس بہت سے ہدیے تحفے اور نذرانے بھیجکر التجا کی کہ اُسے شاہی کا خطاب عطا ہو۔ متوکل نے اس درخواست کو قبول کیا اور اُسکو "سلطان روم" کا خطاب دیا۔ اُسی وقت سے ترکان روم یعنی آل عثمان "سلطان روم" کہے جانے لگے۔ اور اس واقعے سے ظاہر ہوتا ہے کہ سلاطین آل عثمان کو مصر کے دربار خلافت سے خلافت اسلام ہی نہیں ملی بلکہ اُس سے پیشتر شاہی بھی اُسی دربار سے ملی تھی۔

المتوکل نے ابتداءً اپنے بیٹے احمد کو اپنا جانشین بنایا تھا۔ اور اُسکے لیے المعتمد علی اللہ کا خطاب بھی قرار دے دیا تھا۔ مگر چند روز بعد اُسکو ولیعہدی سے محروم کرکے دوسرے بیٹے ابو الفضل کو ولیعہد خلافت بنا دیا۔ چنانچہ وہی اُسکے بعد خلیفہ ہوا اور اُس نے المستعین باللہ کا لقب اختیار کیا۔ وہ آٹھ سال خلافت کرکے ۸۱۶ھ ماہ ذیحجہ م ۱۴۱۴ء میں معزول کر دیا گیا اور اُسکے بھائی داؤد کے ہاتھ پر بیعت کی گئی۔ جس نے اپنا لقب المعتضد باللہ قرار دیا۔ اور معزول خلیفہ المستعین اسکندریہ میں چلا گیا جہاں وہ ۸۳۳ھ تک زندہ تھا۔

المعتضد پورے تیس سال تک خلیفہ رہا۔ جب مرنے کا وقت آیا تو بھائی ابو الربیع سلیمان کو اپنا جانشین قرار دیا۔ چنانچہ ۴- ربیع الاول ۸۴۵ھ م ۱۴۴۱ء کو جب وہ مرا ہے تو سلیمان نے اُسکی جگہ مسند خلافت پر بیٹھکر المستکفی باللہ کا لقب اختیار کیا۔ المستکفی نے ذیحجہ ۸۵۴ھ م ۱۴۴۹ء میں وفات پائی۔ اور سلطان مصر اور تمام لوگوں نے اُسکے بھائی ابو البقاء حمزہ کے ہاتھ پر بیعت کی اور اس کا لقب القائم بامر اللہ مشہور ہوا۔

القائم کے زمانے میں ایک بار مصری فوج سلطان مصر کے خلاف ہوگئی تھی۔ اس بغاوت میں خلیفہ نے بھی فوج کا ساتھ دیا۔ مگر انجام یہ ہوا کہ جب سلطان کو فوج پر غلبہ حاصل ہوا اور بغاوت فرد ہوئی تو القائم کی یہ حالت ہوئی کہ سلطان کو منہ نہ دکھا سکتا تھا۔ چنانچہ اُس نے خود ہی جمادی الاولیٰ ۸۵۹ھ م ۱۴۵۵ء میں خلافت سے دست برداری اختیار کر لی۔ اور لوگوں نے اسکے بھائی ابو المحاسن یوسف کے ہاتھ

پر بیعت کی جس نے اپنا لقب المستنجد باللہ قرار دیا۔ معزول خلیفہ القائم القاہرہ کو
چھوڑ کر اسکندریہ چلا گیا۔ جہان ۸۶۳ھ مین اُس نے انتقال کیا۔

المستنجد باللہ نے ۲۴۔ محرم ۸۸۴ھ یوم شنبہ ۱۴۷۹ء کو دنیا سے رحلت کی
اور اپنے بھتیجے سیدی عبد العزیز ابو العز یعقوب بن متوکل کو اپنا جانشین بنا گیا جسنے
المتوکل علی اللہ کا لقب اختیار کر کے خلافت شروع کی جو تقریباً پچاس سال تک
مسند خلافت پر جلوہ فرما رہا۔ یہان تک کہ ۹۔ محرم ۹۲۳ھ مطابق ۱۵۱۷ء کو آل عثمان
کا صاحب عظمت و جبروت تاجدار سلطان سلیم شاہ عثمانی مصر کو شکست دیکر قاہرہ
مین داخل ہوا اور مصر و شام کے ساتھ عرب اور حرمین شریفین کی تولیت بھی سلطان کے
قبضۂ تصرف مین ہو گئی۔ فتح کے بعد سلطان آخری خلیفۂ عباسی المتوکل علی اللہ سے
بہ لطف و مرحمت پیش آیا۔ اور اُسکو اپنے ساتھ قسطنطنیہ مین لے گیا۔

ان مہربانیون کے معاوضے مین المتوکل علی اللہ نے دعوائے خلافت سے دست بردار
ہو کر خلافت اسلامیہ کا حق سلطان سلیم کو دیدیا۔ اور جو علامات و تبرکات خلافت
خزانۂ خلافت مین شعائر خلافت کے طور پہ تھے سلطان روم کے حوالے کر دیے
ان مین سے ایک عہد رسالت کا علَم تھا۔ ایک جناب رسول اللہ صلعم کی تلوار تھی۔
اور ایک آپ کی چادر تھی۔ اب اس وقت سے سلطان سلیم نے اپنے القاب مین
امیر المومنین خلیفۂ رسول اللہ اور خادم حرمین شریفین کے خطاب اضافہ کر لیے۔

غرض ۹۲۳ھ سے خلافت سلاطین ترکان آل عثمان سے وابستہ ہو گئی۔
اُسوقت سے آج تک مسلمانون نے کبھی یہ بحث نہین چھیڑی کہ خلافت خاص قریش
کا حق ہے اور دنیا کی کوئی اور قوم اس حق کو حاصل نہین کر سکتی۔ نہ متوکل علی اللہ
نے سلطان سلیم کے سامنے یہ عذر پیش کیا کہ آپ ترک ہین اور خلافت عربون اور
عربون مین بھی خاص قبیلۂ قریش کے لوگون کا حق ہے اور نہ مسلمانون مین کبھی اسپر
ناراضی کا اظہار ہوا۔ اور اُس زمانے مین یہی وہ دل یورپ نے کبھی یہ شبہہ نہین
پیدا کیا۔ مگر ہان اس آخری عہد مین جب طرح طرح کی سازشون اور منصوبون
سے ترک زیر کر لیے گئے تو یہ مسئلہ بھی دنیا مین اُٹھایا گیا۔ اور مختلف ممالک کے مسلمانون
اور قبیلون مین ایسے شخص پیدا کر دیے گئے جو ترکون کی دینی سیادت کے خلاف ہون۔

اور خلافت کو عربون کے سوا اور کسی کا حق نہ تسلیم کرتے ہون۔

لیکن اس مین شک نہین کہ ترکون مین آ جانے سے خلافت کو پھر وہ اگلی شوکت و سطوت پھر حاصل ہوگئی جو تاتاریون کے تسلط کے بعد رخصت ہوگئی تھی۔ اصل یہ ہے کہ تاتاریون کے حملے سے صدیون پہلے ہی عربون کا دور ختم ہو چکا تھا۔ اس لئے کہ معتصم کے چند ہی روز بعد سے خلافت اگر برائے نام باقی بھی تھی تو سلجوقیون اور دیلمیون کے پانون پکڑی ہوئی تھی۔ بغداد کی تباہی کے بعد جو فقط نام کی خلافت مصر مین قائم تھی اُس کا مذہبی عنوان سے چاہے جس قدر ادب و احترام کیا جاتا ہو مگر اصل مین وہ سلاطین مصر کے ہاتھ کی کٹھ پتلی تھی۔ جس خلیفہ کو وہ چاہتے مسند خلافت پر سے ڈھکیل دیتے اور جس کے سر پر چاہتے جانشینی رسولؐ کا عمامہ رکھ دیتے۔

سلطان سلیم کے خلیفہ ہوتے ہی خلافت مین جلال و اقبال پیدا ہوگیا۔ بیت المقدس پر قبضہ کرنے کے شوق نے سلجوقیون کے زمانے سے یورپ مین جو جوش و خروش پیدا کر دیا تھا اُسکے روکنے کی قوت [illegible] باقی تھی جنھون نے شام و عراق کے شہرون کو آپس مین بانٹ لیا تھا اور ہمیشہ باہم لڑتے جھگڑتے رہتے تھے۔ مگر مسلمانون کے حال پر خدا کی مہربانی ہوئی کہ ترکان آل عثمان نے ان سب چھوٹے چھوٹے سردارون کو زیر کرکے طوائف الملوکی دور کی اور ایک زبردست سلطنت قائم کر دی جس کے آگے ڈینیوب سے دجلے تک۔ [illegible] سے نیل تک۔ اور بحر اسود سے بحر ہند تک تمام ممالک اور کل قومین سر جھکائے ہوے تھین۔ چنانچہ اب یہ ہوا کہ یورپ کی صلیبی مہمین مصر و شام تک پہونچنے کی رفتار جزیرۂ بلقان تک محدود ہوگئی۔ اور بہت سی صدیان اس شان سے گذرین کہ سارا یورپ اتحاد کرکے ترکان آل عثمان کے مقابلے پر آتا اور زکین اُٹھاتا۔ یہی سبب ہے کہ اُن دنون سلاطین ترک جو خلافت رسول کی مسند پر بیٹھے ہوے تھے اپنے سامنے یورپ کے کسی فرمانروا کی کچھ ہستی نہ سمجھتے تھے اور نہ کسی کو بادشاہ تسلیم کرتے تھے۔

سلطان سلیم نے ۹۔ شوال ۹۲۶ھ سنہ ۱۵۲۰ع کو وفات پائی تو اُس کا جانشین سلیمان عالیشان ہوا جو سلیمان قانونی کے لقب سے مشہور ہے۔ اس کا زمانہ پہلے سے

بھی زیادہ سطوت و جبروت اور اقبالمندی کا زمانہ تھا - اور اُسی کے وقت مین پہلے پہل فرنسیسیون اور بابِ عالی خلافت کے درمیان تعلقات دوستی قائم ہوے -

اس کا باعث یہ ہوا کہ فرانس کا بادشاہ اُن دنون فرنسیس اول تھا - چارلس شاہ آسٹریا سے اُس سے رقابت تھی - اور چارلس اُن دنون فراقوت اور مختلف اسباب سے اسپین - ہالینڈ - جرمنی - اور جنوبی اٹلی پر متصرف ہو گیا تھا - جسکے باعث فرانس کی مملکت بالکل محصور تھی - اپنی یہ نازک حالت دیکھکر شاہ فرانس کو بجز اسکے کسی بات مین مفر نہ نظر آیا کہ خلافت اسلامیہ کو اپنے حال پر مہربان کیسے - چنانچہ اُس نے سلطان سلیمان عالیشان کے دربار مین سفارت بھیجی - جس کو [illegible] حاصل ہوئی - اور سلطان نے اوائل ربیع الثانی سنہ ۹۳۲ھ مین اُسکو جو جواب بھیجا تاریخون مین موجود ہے - اس کا پورا پورا نقل کر دینا لطف سے خالی نہ ہوگا - کیونکہ اسکو پڑھ کے نظر آ سکتا ہے کہ اُن دنون دولت خلافت عثمانیہ کا دنیا مین کیا درجہ تھا اور فرانس کی اُسکے سامنے کیا شان تھی - اس فرمان سلطانی کا لفظی ترجمہ حسب ذیل ہے :-

بعنایت حضرت الٰہی جلت قدرتہ و علت کلمتہ - و بمعجزات کثیرالبرکات سرداد گروہ انبیا و مقتدائے طائفۂ اصفیا محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم - و بقوت مقدس ارواح حامیان اربعہ ابو بکر و عمر و عثمان و علی رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین و جملہ اولیا اللہ مین سلطانون کا سلطان خاقانون کی برہان - بادشاہون کو تاج پہنانے والا - اور زمینون پر سایۂ الٰہی - سلطان بحر ابیض و بحر اسود و اناطولیا و روسیلیہ و قرمان روم و ولایت ذی القدریہ و دیاربکر و کردستان و آذربائیجان و عجم و شام و حلب و مصر و مکہ و مدینہ و قدس (بیت المقدس) و جملہ بلاد عرب و یمن و دیگر ممالک کثیرہ جن کو میرے محترم آبا و ذی عظمت اجداد انار اللہ برہانہم نے اپنی قوت قاہرہ سے فتح کیا تھا - اور بہت سے اور شہر جن کو میری عظمت کے بازو نے نصرت شمشیر سے فتح کیا مین ہون سلطان سلیمان خان بن سلطان بایزید خان - بجانب فرنسیس شاہ ولایت فرنسا - جو خط تم نے بھیجا ہے مع تمہارے خادم فرانقپان بشرط کے ملجائے سلاطین

سے آستانہ پر پہونچا۔ وہ واقعات بھی معلوم ہوئے جو تم نے زبانی کہلا بھیجے ہیں۔ اور ہمیں اسکی بھی خبر ہوئی کہ تمھارا دشمن تمھارے شہروں پر غالب آ گیا اور تم گرفتار ہو گئے۔ اور اب یہاں سے اس بارے میں مدد و توجہ کے خواستگار ہو۔ غرض جو کچھ تم نے کہا ہے وہ سب ہمارے شاہانہ دربار کے تخت کے سامنے آستان پر پیش کر دیا گیا۔ میرا علم شریف تفصیلی طور پر اُس سے آگاہ ہو گیا اور جب سب منکشف ہوا۔ بادشاہوں کا قید ہونا اور تنگی میں پڑنا کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ لہذا تو خاطر جمع رکھ! اور پریشان نہ ہو۔ اس لیے کہ ہمارے بزرگ آبا اور سراپا جلال اجلال اجداد (خدا اُنکے مرقدون کو روشن کرے) کبھی جنگ سے خالی نہ رہے۔ شہرون کو فتح کرتے اور دشمنون کو شکست دیتے۔ اور ہمارا بھی یہی شعار ہے۔ اس لیے کہ ہم اُنکے نقش قدم پر چلتے ہین۔ اور ہمیشہ دشوار گذار شہرون کو اور مضبوط قلعون کو فتح کرتے رہتے ہین۔ ہمارے گھوڑے شب و روز کسے کھڑے رہتے ہین۔ ہماری تلوارین ہمیشہ میان سے باہر رہا کرتی ہین۔ اور حق سبحانہ و تعالیٰ اپنے ارادے اور اپنی مشیت سے کامیابی کو آسان کر دیتا ہے۔ باقی حالات و واقعات کو تم اپنے خادم سے معلوم کر لوگے۔ بس تمھین اتنا ہی معلوم رہے۔

مرقومۂ اوائل ربیع الآخر ۹۳۲ھ مقام دارالسلطنت علیۂ قسطنطنیہ محروسہ محمیہ

اس تحریر مین سلطان سلیمان نے نہ کسی بات کا وعدہ کیا ہے اور نہ کوئی بار ذمہ داری اپنے ذمے لی ہے۔ مگر ان دنون فرمان رواے اسلام کے دو کلمے تسلی بخش ہونے کے مغلوب کرنے کے لیے کافی سمجھے جاتے تھے۔ چنانچہ دوسرے ہی سال شعبان خان نے ہنگاریہ پر حملہ کر دیا۔ موہاکز کے میدان مین شاہ ہنگاریہ کو ایسی فاش شکست دی کہ سارا ہنگاریہ مطیع فرمان ہو گیا۔ پھر بوداپسٹ مین داخل ہو کر سلیمان نے جان زاپولی کو تاج بخشی کرکے ہنگاریہ کا بادشاہ بنایا اور دارالخلافت مین واپس آیا۔

اسکے بعد ترکون اور سلطنت فرانس مین ایک خاص معاہدہ ہو گیا جس کی رُو سے تمام عیسائیون کو امن و امان اور حفاظت کے ساتھ زیارت بیت المقدس کی آزادی دی گئی۔ اور عیسائیون کی ہر طرح سے بے انتہا خاطرداشت کی گئی۔

یہ دولت عثمانیہ کے خاص شباب کا زمانہ تھا۔ خیرالدین پاشا کے مطیع و منقاد

بن جانے سے سلطنت خلافت کی بحری قوت ایک ہی اس قدر ترقی کر گئی کہ ساری دنیا مین سب سے اول درجے کی بحری قوت دولت عثمانیہ کی تھی اور بحیرۂ روم بن ترکون کی ایسی سطوت قائم ہو گئی تھی۔ کہ جدھر سے ہلالی پرچم دیکھتے ہی دشمنون کے حواس جاتے رہتے۔ اور کسی کو بجز ہتھیار رکھ دینے اور ہاتھ پاؤن ڈال دینے کے کسی کام مین مفر نہ نظر آتا تھا۔ اور اسی سلسلے مین ٹونس۔ طرابلس اور الجزیرہ سریا آزادے آل عثمان کے زیر نگین ہو گئے۔ بعد ازان پورا جزیرہ نمائے عرب بھی قلمرو خلافت مین شامل ہو گیا۔ اور ترکی بیڑہ خلیج سویز سے روانہ ہو کر سندھ اور گجرات کے سواحل پر آپہونچا۔ اور جا بجا پرتگیزون کو ہندوستان کی بندرگاہون سے مار کے نکالا۔

۲۰۔ صفر ۹۷۴ھ ۱۵۶۶ء مین سلطان سلیمان نے سفر آخرت کیا۔ اور اُسکے مسند خلافت پر تیسرے عثمانی خلیفہ سلطان سلیم خان غازی نے قدم رکھا۔ اور اُسی زمانے سے سلطنت عثمانیہ نے بجاے ترقی کی شاہراہ کے انحطاط کی جانب قدم رکھا اور روز بروز سلاطین آل عثمان کی حالت ابتر اور رُو بہ زوال نظر آنے لگی۔

۲۷۔ شعبان ۹۸۳ھ ۱۵۷۴ء کو سلیم ثانی نے وفات پائی اور اُس کا بیٹا مراد خان ثالث مسند خلافت پر بیٹھا۔ ۸۔ جمادی الاولی ۱۰۰۳ھ ۱۵۹۶ء کو اس سلطان نے بھی عالم آخرت کی راہ لی۔ اور اُسکا فرزند محمد خان ثالث تخت خلافت پر بیٹھا۔ اس سلطان کے زمانے مین فوج کی قوت سلطنت پر اسقدر غالب آگئی کہ روک تھام مشکل ہو گئی۔ مگر ینی چری فوج نے سلطنت کا ساتھ دیا اور وہ فتنہ فرو ہو گیا ۱۲۔ رجب ۱۰۱۲ھ ۱۶۰۳ء کو سلطان محمد خان نے عالم بقا کی راہ لی۔ اور اُس کا بیٹا احمد خان اول سلطان ہوا۔ اس نے ۲۳۔ ذیقعدہ ۱۰۲۶ھ ۱۶۱۷ء مین دنیا کو رخصت کیا اور مصطفیٰ خان سریر خلافت پر جلوہ فرما ہوا۔ مگر پورے چار مہینے بھی حکومت نہین کرنے پایا تھا کہ یکم ربیع الاول ۱۰۲۷ھ ۱۶۱۸ء کو تخت سے اُتار دیا گیا۔ اور وزرا و ارکان دولت نے عثمان خان ثانی کو تخت پر بٹھایا۔ مگر سرداران ترک مین اب بادشاہون کے معزول کرنے کی ایسی جرأت بڑھ گئی تھی کہ ۱۵۔ ذیقعدہ ۱۰۳۲ھ ۱۶۲۳ء کو وہ بھی سریر جہانبانی سے اُتار دیا گیا اور مراد خان رابع نے اُسکی جگہ لی۔ مراد خان نے ۱۶۔ شوال ۱۰۴۹ھ ۱۶۴۰ء

کو وفات پائی - اور اُس کا جانشین ابراہیم خان اول ہوا - مگر فوج مین اُسکی جانب
سے بھی ایسی ناراضی بڑھی کہ ۲ - شعبان سنہ ۱۰۵۸ھ م سنہ ۱۶۴۸ء کو تخت سے معزول ہوا
اور اُسکے دس روز بعد قتل بھی کرڈالا گیا - اسکی جگہ محمد خان رابع تخت پر بیٹھا - اس سلطان
نے اپنے آبا واجداد کی نسبت زیادہ زمانے تک جہانبانی کی - ۳۹ - سال حکومت
کرتا رہا - مگر انجام وہی ہوا کہ ۲ - محرم سنہ ۱۰۹۹ھ م سنہ ۱۶۸۷ء کو سلطنت سے معزول
کر دیا گیا - اب سلیمان خان ثانی بادشاہ ہوا - اُس نے ۲۶ - شعبان سنہ ۱۱۰۲ھ م سنہ ۱۶۹۱ء
کو سفر آخرت کیا - اور احمد خان ثانی مسند خلافت پر بیٹھا - وہ ۲۲ - جمادی الثانیہ سنہ ۱۱۰۶ھ
م سنہ ۱۶۹۵ء کو راہی عدم ہوا - اور مصطفےٰ خان ثانی سریر آرائے خلافت ہوا - لیکن
۱۲ - ربیع الآخر سنہ ۱۱۱۵ھ م سنہ ۱۷۰۳ء کو تخت سے اُتار دیا گیا - اور اُسکی جگہ احمد خان
ثالث کو دی گئی - وہ بھی ۱۵ - ربیع الاول سنہ ۱۱۴۳ھ م سنہ ۱۷۳۰ء کو معزول ہوا - اور
محمود خان اول تخت خلافت پر بیٹھا - اُس نے ۲۷ - صفر سنہ ۱۱۶۸ھ م سنہ ۱۷۵۴ء مین
وفات پائی - اور عثمان خان ثالث نے تاج خلافت و شہنشاہی پہنا - اُسنے ۱۶ - صفر
سنہ ۱۱۷۱ھ م سنہ ۱۷۵۷ء کو آغوش لحد مین آرام کیا - اور اُس کا جانشین مصطفےٰ خان ثالث
قرار پایا - اُس نے ۱۱ - ذیقعدہ سنہ ۱۱۸۷ھ م سنہ ۱۷۷۴ء کو وفات پائی اور سلطان احمد خان
ثالث کا بیٹا عبد الحمید خان اول سریر خلافت پر بٹھایا گیا - عبد الحمید خان نے ۱۲ - رجب
سنہ ۱۲۰۳ھ م سنہ ۱۷۸۹ء کو سفر آخرت کیا - اور اُس کا جانشین مصطفےٰ خان ثالث کا بیٹا
سلیم خان ہوا جو آل عثمان مین اس نام کا تیسرا تاجدار ہے - اُسکے زمانے مین ایسی
بدنظمی ہوئی اور ایسے ہنگامے پیدا ہوے کہ ۲۱ - ربیع الآخر سنہ ۱۲۲۲ھ م سنہ ۱۸۰۷ء کو
تخت خلافت و سلطنت سے اُتار دیا گیا اور مصطفےٰ خان رابع جو عبد الحمید خان
اول کا بیٹا تھا سلطان بنایا گیا - وہ بھی ۴ - جمادی الثانیہ سنہ ۱۲۲۳ھ م سنہ ۱۸۰۸ء کو
تخت سے اُتار کے قتل کر ڈالا گیا اور محمود خان ثانی سریر جہانبانی پر جلوہ فرما ہوا -
محمود خان ثانی نے ۱۹ - ربیع الثانی سنہ ۱۲۵۵ھ م سنہ ۱۸۳۹ء کو انتقال کیا - اور سلطان
عبد المجید خان تخت نشین ہوے جن کے عہد مین سپاہیون کی عظیم الشان [illegible]
ذی الحجہ سنہ ۱۲۷۷ھ م سنہ ۱۸۶۱ء کو عبد المجید خان دنیا سے رخصت ہوکے اور مسند خلافت
پر اُنکے بھائی عبد العزیز خان نے قدم رکھا - اُنکے آخر عہد مین روس اور دیگر دول یورپ

کی سازشوں اور فتنہ انگیزیوں سے ایسے ہنگامے ہوئے کہ معززین سلطنت نے ۶-
جمادی الاولیٰ ۱۲۹۳ھ م ۱۸۷۶ء کو اُنھیں سلطنت سے معزول کر کے
کو تخت پر بٹھایا۔ مگر وہ بھی اپنی دماغی خرابیوں اور کمزوریوں کے باعث چند ہی ماہ
بعد شعبان ۱۲۹۳ھ م ۱۸۷۶ء کو معزول کیے گئے۔ اور سلطان عبدالحمید خان
کو تخت سلطنت پر جگہ دی گئی۔ عبدالحمید خان کا زمانہ باوجود اُنکے اعلیٰ تدبر کے
خلافت اسلامیہ اور دولت عثمانیہ کے لیے نہایت ہی خطرناک رہا۔ یورپ کی
کیا دانہ دست درازیوں کو وہ اپنی پالیسی سے ہمیشہ مسترد کرتے رہے مگر جب خود
اُن کی قوم کے وہ لوگ جنھوں نے یورپ کے آغوش میں پرورش پائی تھی بغاوت
و مخالفت پر اُٹھ کھڑے ہوئے تو اُنھیں تخت و تاج سے دست بردار ہونا پڑا۔
اور نوجوان آزاد خیالوں نے سلطان محمد خامس کو تخت پر بٹھا کے سلطنت کرنا
شروع کی۔ ان انقلابات کو یورپ نے خاموشی کے ساتھ دیکھا۔ اور جبکہ سلطنت کے
اندرونی جھگڑے نہایت ہی صلاحیت کے ساتھ طے ہوگئے تو باہم اتفاق کر کے
کوشش کی کہ دولت عثمانیہ کو بالکل فنا کر دیا جائے۔ چنانچہ اٹلی نے طرابلس الغرب
پر بے سبب اور بے پوچھے گچھے قبضہ کر لیا۔ اور سب نے اُس کی تائید کی۔ اس کو
بھی دولت عثمانیہ نے صبر و شکر کے ساتھ برداشت کر لیا تو بلغاریہ۔ سرویہ۔
مانٹی نگرو۔ اور یونان اُبھار دیے گئے۔ جنھوں نے یکایک حملہ کر کے اور جمعیت
ترکی کے کارکنوں سے سازش کر کے سارے بلقان کو ترکوں کے قبضے سے نکال لیا
یہ جھگڑے اچھی طرح طے نہیں ہونے پائے تھے کہ آخر ہی عظیم الشان جنگ چھڑ گئی
جس میں جرمنی و آسٹریا کی سلطنتیں ایک طرف تھیں اور ساری مغربی و مشرقی
اور یورانی اور نئی دنیا ایک طرف۔ ترکوں کو اپنی بعض مصلحتوں سے جرمنی کا ساتھ
دینا پڑا۔ جس میں جرمنی کو شکست ہوئی۔ اور اب یہ فیصلہ کیا گیا ہے اس میں جرمنی
آسٹریا۔ بلغاریہ سب تھوڑے تھوڑے نقصان کے ساتھ اپنی حالت پر برقرار
رکھے گئے ہیں۔ مگر اسلامی خلافت اور ترکی سلطنت کی نسبت چاہا جاتا ہے کہ
فنا کر دی جائے۔
خلافت کی گذشتہ تاریخ سے نظر آ رہا ہے کہ کئی بار خلافت کے لیے بُرے دن

آسمانی مگر ہمیشہ دست برد زمانہ سے بچ گئی - اور اگر گر کے اٹھی اور سنبھلی - مگر اب جو اس کا گرنا ایسا ہے کہ سوا مٹ جانے کے بچنے کی کوئی اُمید نہین نظر آتی -

لوگ انگریزون یا یورپ والون کو الزام دیتے ہین - مگر ہمارے نزدیک اس کا اصلی الزام کسی کو ہرگز نہین دیا جا سکتا - جو کچھ الزام ہے خود مسلمانون پر ہے - یہ جو کچھ ہوا سب اپنے ہاتھ کا کیا ہوا ہے - شریف مکہ نے بیت المقدس کے عیسائیون کے ہاتھ مین جانے پر خوشیان منائین اور خلافت کی بیخکنی مین پوری کوشش کی - عراق کے عربون نے خود ذوق و شوق سے انگریزون کو بُلایا - اور ترکون کو پامال کیا - شام کے مسلمان غیر مذہب حملہ آورون کے ممد و معاون بنے - ہندوستان - بلوچستان - اور سرحدی صوبے کے لاکھون مسلمان ترکون اور خلافت کی قوت مٹانے کے لیے برٹش جھنڈے کے ساتھ میدان جنگ مین گئے - اور انگریزی وزرا نے صاف اعلان کر دیا کہ بیت المقدس اور شام کو مسلمانون نے فتح کیا - ہمارے نزدیک تو اس موقع پر مسلمانون کو گریبان مین سر ڈالنا چاہیے نہ کہ بیحیائی سے سر اُٹھا کے انگریزون کو الزام دین -

فرنگستان نے اپنی تیرہ سو برس کی مسلسل کوششون مین آج پوری کامیابی حاصل کی ہے - اس سے اُمید کرنا کہ اپنے صدیون کے تاریخی حریف کو مغلوب کر کے اُسکی گم شدہ وقعت خیرات کے طور پر عطا کر دے گا ہوا مین قلعہ بنانا ہے جس قوم مین ایسے ٹرٹر موجود ہون جیسے کہ ہم کو گذشتہ لڑائی مین نظر آگئے وہ قوم دنیا مین باقی نہین رہ سکتی اور نہ باقی رہنے کی مستحق ہے -

سچ تو یہ ہے کہ مسلمان اب کوئی قوم نہین - وہ نفس کے بندے ہین اور اپنے ذاتی اغراض پر قومیت اور دین دونون کو قربان کر چکے - وہ دین اور خلافت کو تباہی سے بچانے کے لیے اپنی زمینداریان - اپنی تجارت - اپنے گھر بار - اپنی ذلیل دولت اور اپنی تن آسانی کو نہین چھوڑ سکتے - قومی مصیبت نے نہ اُنکی شادیان رکوائین نہ اُن سے عیش و نشاط کی صحبتین ترک کرائین - براتین اُسی دھوم سے نکلتی ہیں - عروسی کی محفلون مین رنڈیان اُسی ناز و انداز سے ناچتی ہین - زچگیون اور سالگرہون اور دوسری تقریبون مین ڈھول اُسی گرمجوشی سے بجتی ہے - اور

اللہ میاں کی سلامتی رنجگون میں اُسی آن بان سے گائی جاتی ہے - جب یہ حال ہے تو کون کہہ سکتا ہے کہ اس قوم پر کوئی مصیبت پڑی ہے؟ مسٹر محمد علی کے ایسے دو چار آدمیوں کے چلانے اور آہ و واویلا کرنے سے اور مولوی فاخر صاحب کے ایسے دو چار بزرگوں کے قید خانے چلے جانے سے کیا ہوتا ہے؟

شریف مکہ غاصب ہے اور قوم کی بیخ کنی کا ناپاک ترین مجرم - حرمین شریفین فی الحال وہ شہر ہیں جو غصب کیے ہوے ہیں - اور غاصب کے قبضے میں ہیں - اور مغصوبہ زمین پر ہمارے سیاسی و اخلاقی مسلک میں نماز نہیں جائز ہے - مسلمانوں سے اتنا تو ہو نہیں سکتا کہ جب تک ان محترم شہروں پر اس غاصب کا قبضہ ہے حج کو جانا چھوڑ دیں - تاکہ اس غاصب قومی مجرم کو اپنے جُرم کی کچھ تو سزا ملے - اور انگریزوں کو بھی محسوس ہو کہ مسلمانوں نے خلافت کے زوال کو کہاں تک محسوس کیا -

یہود کا جب بیت المقدس میں استیصال ہوا ہے تو اُن میں جب مقابلے کی قوت نہ باقی رہی تو رونیوالوں کا ایک پُرجوش گروہ پیدا ہو گیا تھا - جو اپنے قومی زوال پر پانچ چھ صدیوں تک روتا اور نوحہ خوانی کرتا رہا - ہمارے یہاں تو افسوس کوئی رونیوالا بھی نہیں - جتنے ہیں خوش اور بشاش اور باطمینان تمام شادان و فرحان ہیں -

نوعمر ناتجربہ کار جوش ظاہر کرنے والوں کا بجاے خود بے سروپا اور ناممکن العمل تجویزیں قرار دے لینا خصوصاً جبکہ قوم کے کانوں پر جوں بھی نہیں رینگتی بالکل بیکار اور بے نتیجہ ہے - جن لوگوں کے ہاتھ میں ہماری قسمت دے دی گئی ہے وہ بجز اسکے کہ ان باتوں کا مضحکہ اُڑائیں ہمارے شور و غل کی مطلق پروا نہیں کرتے -

بہر حال گذشتہ سال اس انجام پر ختم ہوا - اور موجودہ سال ہمارے لیے اس قومی بےحیائی کو لیکر آیا ہے - لہذا اب ہم مُردہ ہیں - اور جینے کے تمام علامات و آثار ہم سے مفقود ہو چکے -

---

مضامین تاریخی واقعات پر خیال آرائی

(اگلے تین صفحے ملاحظہ ہوں)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بیدرد ہیں جو درد کسی کا نہیں رکھتے
ایسے بھی ہیں یارب کہ تمنا نہیں رکھتے

اصل تو یون ہے کہ ایسا کوئی نہین جسے کسی کی آرزو نہو۔ دلِ بیتاب جو رقص بسمل کا تماشا دکھایا کرتا ہے اُسکی سیر دیکھنے والی یہ تمنائین ہی ہین جس دل کو دیکھیے کسی نہ کسی امید کو پہلو مین لیے بیٹھا ہے نیچرل مناظر کی نیرنگیان فقط آرزؤن کے اختلاف سے پیدا ہین ہر آرزو حقیقت مین ایک نیا مزہ رکھتی ہے۔ اُسکا لطف کچھ اُسی کو خوب معلوم ہوتا ہے جسنے اپنی زندگی اُسکی نذر کردی۔ یہ معمولی ثبوت ہین کہ روز صبح کو دامن شمع پروانون کا گنج شہیدان ہوتا ہے۔ اور بستر ناز اُن مرجھائے پھولون کی حسرت گاہ ہوتی ہے جنھون نے اپنی تر و تازگی کسی کی پیاری نیند اور بے تکلفی کی کروٹون پر قربان کردی۔ مگر وہ موقعے ستم ڈھایا کرتے ہین جہان ہجوم آرزو نے کوئی غیر معمولی حسرتناک کرشمہ دکھایا ہو۔

یہ سچ ہے کہ آرزو سے کوئی دل خالی نہین مگر اُن لوگون کی بے صبرانہ آرزومندی کا اثر عجب بخراش سمان دکھا دیتا ہے جنکے دل سے لگی ہو کہ کسی ارمان کو نکال ہی کے چھوڑین انہین ناقابل [illegible] کس بیتابی کے ساتھ اپنی زندگی کو ایک ہی کام مین صرف کر رہا ہے؟ دردمندان قوم کس بیقراری شوق سے ہر وقت [illegible] ہی کی فکر مین لگے رہتے ہین؟ اور سب کو جانے دیجیے زاہدان شب زندہ دار نے چونکہ اپنے حوصلون کو فقط ایک ہی تمنا کے ساتھ وابستہ کر رکھا ہے اس لیے اُنکے طرز بیان مین کس قیامت کا اثر ہے؟ رندان تردامن کس مخالفانہ سنگدلی کے ساتھ شریک محفل وعظ ہوتے ہین مگر وہ ایک کا دل پسیج ہی جاتا ہے حقیقت مین جب آرزومندی کسی حسرتمندانہ پیرائے مین ظاہر کی جاتی ہے تو بہت کم لوگ ہوتے ہین جن سے ضبط ہو سکتا ہو۔ وہ نالہ کشی کی جگر خراش صدا ہین جو کسی بیکس اور بدنصیب بیوہ کے کلبۂ احزان سے آرہی ہین کس درجہ موثر ہین کہ

سنتی دونوں [illegible] بے اختیار کلیجہ پھٹا جاتا ہے [illegible] اور [illegible]
اپنے باپ کی لاش کے سرہانے اسی معمولی طریقے سے رو رہا ہے جس طرح کبھی [illegible] پر آ کر
[illegible] اروں کی گود میں مچل مچل کے رویا کرتا تھا اُسکے رونیکی آواز شرکائے حلقۂ ماتم کو
اُسکے باپ کی جوانی کی موت بھی بھلائے دیتی ہے۔

جہانتک غور کیا جائے دنیا بے دردوں سے خالی معلوم ہوتی ہے۔ ایسا کوئی نہین ہے کہ اُسے بیکسوں کی آہ پر ترس نہ آجائے۔ مگر بعض حالات یقین دلا دیتے ہین کہ واقعی بعض سنگدل ایسے بھی ہوتے ہین کہ کسی کی مایوسانہ صورت اُنپر کچھ اثر نہین کرتی۔

یہ جو قرآن شریف مین آیا ہے واذا الموؤدة سئلت (جس وقت زندہ دفن کی گئی لڑکی کی نسبت سوال کیا جائیگا) اس کا حال سرسری طور پر تو سب ہی کو معلوم ہے مگر اُس اصلی سمان کی کیفیت کسی کو نہ معلوم ہوگی جب کوئی زندہ لڑکی خود اپنے باپ کے ہاتھ سے تہ خاک دبائی [illegible] کی رسمون مین جہان اور سنگدلیان تھین وہان ایک یہ بھی تھی۔ عرب کا زمانۂ جاہلیت تو تھا ہی اس سے پہلے ہندوستان مین بھی ایسے بہت سے قسی القلب موجود تھے جنھون نے اپنے لخت جگر کو خود اپنے ہاتھون زبردستی خاک مین ملا دیا۔

دیکھو یہ اُس سنگدلی کا ایک معمولی واقعہ ہے جو کتنون کو بیتاب کرتے گا۔

جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس زمانے مین ایک شخص ایمان لایا۔ وہ بیٹھا ہوا تھا۔ باتون باتون مین ذکر آ گیا کہ لوگ کیسے بڑے سنگدل ہین کہ لڑکیون کو زندہ دفن کر دیا کرتے ہین۔ اسپر اُس شخص نے ایک آہ سرد کھینچی اور کہنے لگا "اور ذکر کرنے سے کیا حاصل۔ مین خود اپنا حال بیان کرتا ہون۔ عرصہ ہوا کہ مین ایک عجب پیاری صورت کی لڑکی تھی کہ نظر دوچار ہوتے ہی دل بے اختیار ہو گیا۔ اُسکی ہمکناری کے لیے مجھے زیادہ مصیبت نہین اُٹھانا پڑی۔ تھوڑے ہی روز مین اُسکے ساتھ شادی ہو گئی۔ میری پیاری بی بی نے ایسی شکل و صورت پائی تھی کہ مین اُسپر اپنی ناز کیا کرتا تھا۔ اُس بی بی سے پے درپے میری نو لڑکیان ہوئین۔ اُن [illegible] خود لے گیا اور اپنے ہاتھ سے خاک مین زندہ دبا آیا۔ اُن دنون دل کچھ ایسا سخت تھا کہ اُن سب لڑکیون پر مجھے ذرا بھی رحم نہ آیا۔ اور زندہ رانے کے طور پر سب کو منہ سیر

ہونے والی موت کے حوالے کر دیا۔ اتنا بیان کرکے وہ شخص بیتاب ہو گیا اور کہنے لگا مگر
ہائے ... آجتک اُسکا زخم میرے دل پر موجود ہے۔ جب کبھی یاد
کرتا ہوں بے اختیار دل بھر آتا ہے۔ طبیعت قابو میں نہیں رہتی۔ اُن دو لڑکیوں
کے زندہ دفن کر چکنے کے چند روز بعد میں نے تجارت کی غرض سے ایک سفر کیا۔ تیرہ
چودہ برس کے بعد پھر وطن آیا۔ ایک روز اتفاقاً میں دوستوں کے پاس سے
گھر میں آیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک نہایت حسینہ و جمیلہ خوبصورت لڑکی میری بیوی
کے پاس بیٹھی ہوئی ہے۔ اُس لڑکی کی صورت دیکھتے ہی بے اختیار میرے دل میں
محبت پیدا ہو گئی۔ آخر ضبط نہ ہو سکا۔ اور میں نے اپنی بی بی سے پوچھا یہ کون ہے تو
اُسنے تھوڑی دیر تک پس و پیش کرکے کہا یہ تمہاری بیٹی ہے جن دنوں تم سفر پر گئے
تھے اُن دنوں میں حاملہ تھی۔ چند روز کے بعد لڑکی پیدا ہوئی۔ تمہارے خوف سے
میں نے تمہیں اطلاع نہ کی۔ اور اب تک چھپائے رکھا۔ یہ سُنکر میں دم بخود رہ گیا۔
اُس لڑکی کو دیکھتا ہوں تو صورت و شکل میں اپنی آپ نظیر تھی۔ سر سے پاؤں
تک مختلف قسم کے زیور سے آراستہ تھی۔ الغرض اُس وقت میں خاموش
ہو رہا۔ اور اُس کے مانوس بنانے کی کوشش کرنے لگا۔ دو تین چار روز میں
وہ میرا دم بھرنے لگی۔ اور گویا میری صورت پر عاشق ہو گئی۔ اُس وقت
اُس کا سِن کوئی چودہ پندرہ برس کا ہوگا۔ چھ سات روز کے بعد ایک روز کچھ
لالچ دلا کر میں نے اسے اپنے ہمراہ لیا۔ کوہستان میں جا کر ایک گڑھے میں
جسے میں نے پہلے ہی سے کھود رکھا تھا ڈھکیل دیا اور اوپر سے مٹی ڈالنے لگا۔
بس کیا کہوں کہ وہ کیسا جگر خراش موقع تھا۔ یاد کرتا ہوں تو رونگٹے کھڑے ہو جاتے
ہیں۔ صاحبو! میری بیٹی برابر رونے کی آواز سے پکار پکار کر مجھ سے کہتی جاتی
تھی کہ "ابا جان! کیا مجھے یہیں چھوڑ جاؤ گے؟" اور میں برابر مٹی ڈالتا جاتا تھا
اُس مٹی سے جبتک اُسکی ہچکیوں اور نازک آواز آتی رہی میں خاک ڈالتا رہا۔
یہانتک کہ آواز آنا موقوف ہو گئی اور میں اپنے گھر چلا آیا۔ اُس وقت
سے آجتک وہ صدمہ نہیں بھولا ہے اور ہمیشہ یاد کرکے اپنی اُس سنگدلی پر
رو لیا کرتا ہوں"

[illegible]

[illegible] بہشت

[illegible] مولانا راشد الخیری [illegible] ظاہر ہوسکتی ہے کہ پہلی بار [illegible] ہوئی۔ کچھ ماہ [illegible] کرانے کی ضرورت واقع ہوئی۔ اب پھر تھوڑی سی [illegible] یہ کتاب تربیت [illegible] (عہ)

آفتاب دمشق حضرت صدیقؓ کا اسلام۔ مسلمانوں کے جنگی کارنامے مسلمانوں نے دمشق اور بصرہ وغیرہ شہروں پر قبضہ کرنے اور اسلام کی اشاعت کے لئے جو عظیم الشان قربانیاں کی ہیں ان کا ذکر اور ایسے دردناک پیرائے میں [illegible] راشد الخیری کا مخصوص اعجاز ہے۔ ایک مسلمان جاں باز مسلمان [illegible] موت ان کے مصائب دیکھئے اور سبق حاصل کیجئے۔ ایک حبشی کا اسلام پر شیدا ہوکر مسلمان ہونا۔ قید کیا جانا اور فصیل کے کنگوروں پر سے گرائے جانے پر بھی اسلام سے سرتابی نہ کرنا اس کتاب میں مرقوم ہے۔ جوش اسلامی۔ حمیت اسلامی عدل اسلامی کا نمونہ آپ کو اس کتاب کے مطالعے سے ملیگا۔ دوبارہ چھپی ہے اور قریب الاختتام لکھائی چھپائی سرورق نہایت دیدہ زیب عہ

محبوبۂ خداوند قرون اولیٰ کے پرجوش مسلمانوں کی جانبازیوں کا عبرتناک فتح اسلامی جوش اور سلف صالحین کی محبت پیدا کرنے کا بہترین ذریعہ عیسائی راہبوں کی شرمناک کارروائیوں کا آئینہ نہایت ہی پر درد و دلچسپ تاریخی ناول قیمت صرف عہ

یاسمین شام حضرت عمرؓ کے دور خلافت فتح بیت المقدس کے ولولہ انگیز کارنامے اور اسلام کے اس عہد زریں کی تاریخ [illegible] دمشق [illegible] اس کتاب [illegible] عہ

صبح زندگی۔ شام زندگی۔ شب زندگی

صبح زندگی ان میں ایک [illegible] میں وہ تمام باتیں بیان کی گئی ہیں [illegible] کی پیدائش سے [illegible] [illegible] کے بچپن [illegible] کر دیا گیا ہے [illegible] پیدائش سے شادی تک [illegible] عہ

شام زندگی اس میں سسرال کے زمانہ کی مشکلات کو ایسے موثر طریقہ سے سمجھایا گیا ہے کہ سعید لڑکیاں میکہ سے نکلنے کے بعد بھی خوش رہ سکیں قیمت ...... عہ

شب زندگی اس میں موت کے بعد کا بیان ہے [illegible] عہ

نوحۂ زندگی بیوہ عورت کی زندگی اور اس کے دردناک مصائب ایک پر درد قصہ کے پیرایہ میں قیمت ۱۲ر

بنت الوقت جدید تعلیم [illegible] کی ناگفتہ بہ حالت کا خاکہ نئی روشنی کی تعلیم و تربیت کی خرابیاں قیمت ۸ر

سراب مغرب مغربی تمدن کے [illegible] کا انکشاف۔ کورانہ تقلید فرنگ کے نقائص دلچسپ [illegible] پیرایہ میں قیمت ۸ر

ساز روحی کارنامے موت و مابعد الموت کی کیفیت عالم ارواح کی سیر قابل دید کتاب قیمت چھ آنے ۶ر

الزہرا سیدۃ النساء حضرت فاطمۃ الزہراؓ کی نہایت دلکش و پرسوز اور سبق آموز سوانح عمری قیمت صرف بارہ آنے ۱۲ر

عروس کربلا کربلا کے تاریخی واقعات شہادت امامؓ کی دل ہلا دینے والی داستان [illegible] ناول عازۂ کربلا کی طرز پر قیمت عہ [illegible] ایک نہایت پر درد دلچسپ ناول [illegible] آٹھ آنے ۸ر

[illegible] پاس [illegible]
[illegible] اور [illegible]
[illegible]

طوفانِ حیات [illegible] مسلمانوں کو [illegible]
[illegible] ایک پُرسوز [illegible]
قصہ [illegible] قیمت صرف ۔۔۔ عہ

[illegible] کو ترکہ سے محروم کرنیکی مذمت
ایک پُرسوز و عبرت انگیز قصہ کے پیرایہ میں ۸ر

[illegible] اندلس میں مسلمانوں کے عروج و
[illegible] قیمت ۸ر

لڑکیوں کی انشا [illegible] کتابت کی
[illegible] والی اور کام
آمد باتیں سکھانے والی کتاب پیاری زبان
میں قیمت بارہ آنے ۔۔۔۔ ۱۲ر

[illegible] کے عہد میں مسلمانوں
[illegible] کے حیرت کارنامے فرزندان ایران کا
سرفروشانہ مذہبی جوش حسن و عشق کے جذبات
لطیفہ قیمت صرف ایک روپیہ چار آنے عہ

منازل السائرہ مولانا راشد کی ابتدائی
تصنیف سائرہ کی [illegible]
دردناک و دلچسپ سرگذشت لڑکیوں کے لئے
مفید کتاب قیمت صرف ایک روپیہ ۔۔ عہ

سنجوگ جو شخص دولت [illegible] بے سوچے سمجھے
لڑکیوں کا نکاح کر دیتے ہیں کے خوفناک
نتائج پُردرد و پُرسوز داستان قیمت صرف ۱۰ر

گوہرِ مقصود دو چھوٹے چھوٹے دلچسپ قصوں
کا مجموعہ قیمت صرف ۔۔ ۱۲ر

سوکن کا جلاپا نکاح ثانی کے مضر نتائج
[illegible] مصیبت
زدہ لڑکی کی دردناک سرگذشت قیمت ۶ر

درِ شہوار مازندران اور ایران و سیستان
کی ہولناک جنگوں کا نقشہ عشق و محبت کی
چاشنی لئے ہوئے قیمت صرف ۔۔ ۱۰ر

جوہرِ عصمت خاوندوں کو وفاداری اور
بیویوں کو سلیقہ سکھانیوالی
پُردرد دلچسپ کتاب قیمت صرف ۔۔ ۶ر

فسانۂ سعید معصوم اولاد پر سوتیلے
باپ کا ظلم قیمت ۱۰ر

روئیدادِ قفس قیمت صرف چھ آنے ۶ر

شبِ زندگی حصہ دوم قیمت صرف عہ

[illegible] آزاد

[illegible] کے نامور مصنف [illegible] کے
[illegible] فردوسی اور
[illegible] نفس [illegible]
[illegible] آزاد [illegible]
[illegible] پانچ روپیہ

[illegible] فارسی زبان کے
[illegible] شعرائے [illegible]
فارسی زبان کی [illegible] کے
ساتھ [illegible]
کے نقطے [illegible] استاد
ذوق کی [illegible]
نگارستان کو سجایا ہے۔ نہایت خوشخط کاغذ
اعلیٰ [illegible] مجلد صرف ۳ روپے

دربارِ اکبری شہنشاہ ہند [illegible]
عہد اکبر اور اسکے نورتن کا
تاریخی افسانہ۔ دلچسپ حالات [illegible]
وغیرہ۔ ہندو و مسلمانوں کا ملاپ [illegible]
تقطیع [illegible] صفحوں کی ضخامت کاغذ نہایت
قیمتی کلدار چھپائی عمدہ قیمت مجلد ۸ عہ

آبِ حیات مشاہیر شعرائے اردو کی سوانح
عمری اور اردو زبان کی عہد
بعہد ترقیوں کا حال ہے مشرقی شاعری کی
آخری جھلک اور آخری بہار کا دلفریب اور
دلسوز افسانہ ہے حجم [illegible] صفحات لکھائی
چھپائی کاغذ بہت عمدہ قیمت صرف ۳ روپے

سیرِ ایران مشرقی زبانوں کے محقق نے
ہندوستان اور پنجاب سے
نکل کر افغانستان اور ایران تک تحقیق کا دامن
بچھا دیا تھا وہاں سے واپس آنے کے بعد اپنے
سفر کے حالات مولانا نے خود بیان فرمائے ہیں
[illegible] پر بہت کچھ روشنی
ڈالی ہے قیمت مجلد دو روپے عہ

سخندانِ فارس فارسی زبان کی بہت مکمل
تاریخ جس میں [illegible]
کے مقابلہ سے قوموں کے باہمی رشتوں کے ٹوٹے ہوئے
سراغ نکالے گئے ہیں۔ زند، پہلوی، دری، سنسکرت
کے الفاظ کا مقابلہ کر کے تاریخی نتائج نکالے ہیں
نگارستان فارس کے ساتھ ساتھ اسکا ہونا ضروری
ہے حجم [illegible] صفحات قیمت صرف ۔۔۔ عہ

قوم پرست - راجپوتانہ کا ایک حیرت زادہ واقعہ جسے ... بانی ... قومی
پاک ... اور زبانی مذاق کا ڈراما دیکھنا چاہتے ہو تو یہ ڈراما دیکھئے قیمت صرف ۸/
تیغ عافیت - نہایت دلکش ناول - جو خود ... قیمت ۶/

تصنیفات علامہ ڈاکٹر محمد اقبال

پیام مشرق - (بزبان فارسی) در جواب دیوان شاعر المانوی گوئٹے مجلد عہ غیر مجلد صرف ۳/

مثنوی اسرار خودی } خودداری کے سبق اور اپنے حقوق کی حفاظت کے متعلق جدوجہد کی تعلیم قیمت

رموز بیخودی } خودداری کی دوسری منزل افرادی خودداری کے بعد قومی خودداری کی تعلیم ہر دو یکجا قیمت عہ مجلد ہر

شمع اور شاعر } گزشتہ اور موجودہ ... کی حالت کا نقشہ اور آئندہ کے لئے امید ہے قیمت صرف ۴/

نالۂ یتیم } ایک لاوارث بچے کی حقیقت درد بھرے الفاظ میں قیمت صرف ۲/

فریاد امت } سرور کائنات کے حضور میں سوز و گداز قیمت ... ۳/

ملی ترانہ } یہ ... میں حب وطن ظاہر کی ہے قیمت صرف ... ۲/

اکبری اقبال } ... اکبر کے ... میں ... ۴/

شکوہ - نہایت نیاز مندانہ ... جو عام مسلمانوں کو اپنے خدا سے تھیں) ایک دل آویز ... کی ہیں قیمت صرف ۳/

جواب شکوہ - بارگاہ ایزدی سے شکوہ کا جواب قیمت صرف چار آنے ... ۴/

خضر راہ } وہ نظم جو انجمن حمایت اسلام کے سینتیسویں سالانہ جلسے میں پڑھی گئی قیمت صرف چار آنے ... ۴/

تصویر درد } وہ معرکۃ الآرا نظم جو قومی درد کی تصویر ہے ۴/

طلوع اسلام } انجمن حمایت اسلام کے اڑتیسویں سالانہ جلسے میں پڑھی گئی قیمت چار آنے ... ۴/

بلال } حضرت بلال رضی اللہ عنہ پر ایک نظم قیمت صرف دو آنے ... ۲/

تحقیق الشعر } مصنفہ خواجہ عباد اللہ صاحب اختر بی اے - زیر طبع

تصنیفات علامہ شبلی نعمانی مرحوم

سیرۃ النبی ہمارا مرتبہ اول قسم دوم مجلد ... قسم سوم مجلد ... حصہ اول جلد دوم قسم اول قیمت ... قسم دوم ... قسم سوم ...

الفاروق } حضرت فاروق اعظم کی لائف اور ان کے کارنامے معلومات قیمت صرف دو روپیہ ... قسم دوم (عہ)

علم الکلام } مسلمانوں کے علم کلام کی تاریخ ... قیمت عہ

الکلام - جدید کلام قیمت صرف ... عہ

الغزالی } امام غزالی کی سوانح عمری اور ان کا فلسفہ قیمت صرف ...

موازنہ انیس و دبیر قیمت صرف ...

المامون } خلیفہ مامون رشید عباسی کے حالات قیمت صرف عہ

مثنوی صبح امید ... قیمت صرف ۳/

سیرۃ النعمان } یہ کتاب علامہ مرحوم نے امام اعظم کی سوانح عمری فرمائی ہے ... حنفی مذہب مسلمانوں کو امام اعظم اور ان کے نامور شاگردوں کے حالات اور مسائل سے آگاہ کیا۔ پہلے ہی یہ کتاب ... نے چھاپ کر ایسی ردی کر دی تھی کہ دیکھ کر دماغ پریشان ہوتا تھا۔ ہم نے اس کتاب کی نہایت عرق ریزی سے صحت کی اور اس پر حاشیے بھی تحریر کئے اور دو قسم کے کاغذ پر چھپوائی قسم اول عہ قسم دوم عہ اب آپ اس کتاب کو منگوائیں اور ملاحظہ فرمائیں۔ ہمیں اپنی محنت اور خرچ کی داد بھی اسی طرح ہی مل سکتی ہے

... تصنیف اختر شیرانی ... تاریخ کو دلچسپ بنانا اختر صاحب کا حصہ ہے

ترجمہ و شرح دیوان حافظ قیمت ... للعہ
دمشق قیمت ... بغداد قیمت صرف عہ
مشاہیر اسلام قیمت عہ ام القری ... ۸/
صدیق اکبر قیمت صرف ...... (عہ)
حضرت زید قیمت صرف ۴/

ملنے کا پتہ - ایس عبد الرشید اینڈ برادرس تاجران کتب لوہاری دروازہ - لاہور

شعر العجم حصہ اوّل شاعری کی حقیقت اور شاعری کا آغاز۔ قدماء کا دور قیمت صرف تین روپیہ ...... ۳؍

شعر العجم حصہ دوم شعرائے عہد متوسط قیمت صرف ...... (عہ)

شعر العجم حصہ سوم شعرائے متاخرین قیمت دو روپے آٹھ آنے عہ؍

شعر العجم حصہ چہارم فارسی شاعری پر ریویو قیمت صرف ... عہ

شعر العجم حصہ پنجم فلسفیانہ صوفیانہ اور اخلاقی شاعری پر تبصرہ قیمت صرف دو روپیہ ...... عہ

مقالات شبلی چند مذہبی تاریخی مضامین کا مجموعہ قیمت صرف .... ۱۲؍

مضامین عالمگیر شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر پر اعتراضات اور ان کے جوابات ۱۲؍

دستہ گل مولانا کی فارسی غزلوں کا مجموعہ۔ قیمت صرف چار آنے .. ۴؍

مکاتیب شبلی مولانا مرحوم کے خطوط کا مجموعہ علمی۔ قومی۔ اخلاقی ادبی معلومات کا خزانہ ہے جلد اوّل قیمت صرف عہ جلد دوم قیمت صرف .. ۱۲؍

مجموعہ کلام شبلی اردو نہایت اعلیٰ کتاب قیمت صرف .. ۱۲؍

سوانح مولانا روم مولانا روم کے حالات اور ان کے دیوان و مثنوی پر ریویو قیمت دو روپیہ ...... عہ

کلیات شبلی فارسی مجموعہ قصائد و غزلیات و مثنویات و رباعیات قیمت صرف دو روپے ...... عہ

تصنیفات مولانا سید سلیمان صاحب ندوی

ارض القرآن جلد اوّل قرآن مجید کے مقامات کا جغرافیہ اور اقوام قرآن میں سے عاد۔ ثمود۔ جرہم۔ سبا۔ بابل کی تاریخ مع نقشہ مقامات عرب قیمت صرف دو روپیہ ...... عہ

ارض القرآن جلد دوم ابراہیمی عربوں کی تاریخ اور عرب [illegible] [illegible] قیمت صرف .. ۱۲؍

رسائل اہل سنت والجماعت ۔ فرقہ اہل سنت والجماعت کے اصولی عقائد کی تحقیق نہایت وضاحت سے کی گئی ہے قیمت ۸؍

لغات جدیدہ چار ہزار جدید عربی الفاظ کی ڈکشنری قیمت صرف ایک روپیہ ... عہ

سیرۃ عائشہ حضرت عائشہ صدیقہ کے حالات زندگی قیمت صرف ... (عہ)

حیات مالک ۔ امام مالک کی سوانح عمری اور موطائے مالک پر تبصرہ قیمت .. عہ

ہمارا اور خواتین اسلام قیمت ... ۲؍

تصنیفات مولانا مولوی عبد السلام ندوی

اسوۂ صحابہ جلد اوّل صحابہ کرام کے عقائد۔ عبادات۔ اخلاق اور معاشرت کی صحیح تصویر اور قرون اولیٰ کے اسلام کا عملی خاکہ ضخامت ۵۰۳ صفحات قیمت صرف ...

اسوۂ صحابہ حصہ دوم صحابہ کرام کے سیاسی انتظامی اور علمی کارناموں کی تفصیل ضخامت ۴۰۰ صفحات قیمت صرف (...)

سیرۃ عمر بن عبد العزیز سوانح عمری اور ان کے عہد حکومت کے تمام علمی مذہبی اور سیاسی کارناموں اور ان کے مجددانہ اعمال کی تشریح قیمت صرف ...... (عہ)

تصنیفات مولانا حالی مرحوم

حیات سعدی قیمت صرف .. عہ

مجموعہ نظم حالی عہ + مسدس حالی قیمت ۸؍

مسدس حالی پاکٹ ایڈیشن قیمت ...

شکوہ ہند قیمت ۲؍ + مثنوی حقوق اولاد ۲؍

بیوہ کی مناجات قیمت صرف .. ۳؍

تحفۃ الاخوان ۴؍ + یادگار غالب ...

چھوٹ اور ایکے کا مناظرہ قیمت ۲؍

چپ کی داد قیمت ۲؍ + دیوان حالی قیمت عہ

مقدمہ دیوان حالی قیمت صرف عہ

تعصب اور انصاف قیمت صرف ..... ۲؍

رباعیات عمر خیام مع تذکرہ خیام مطبوعہ امرتسر قیمت صرف عہ

البرامکہ خلیفہ ہارون الرشید عباسی کے نامور وزراء یحییٰ، فضل و جعفر برمکی کی مفصل سوانح عمری نہایت دلچسپ کتاب ہے۔ قیمت صرف تین روپیہ آٹھ آنے ... ۸؍

اردو زبان کی تجارتی انسائیکلوپیڈیا

یہ اردو کا پہلا [illegible] تجارتی [illegible] کے [illegible] پانچ حصے تجارت کی پہلی۔ تجارت کی دوسری تجارت کی تیسری۔ تجارت کی چوتھی۔ تجارت کی پانچویں کے نام سے شائع ہو چکے ہیں۔

تجارت کی پہلی

[illegible] تجارت کا بیان ہے [illegible] بتایا گیا ہے [illegible] تجارت شروع [illegible] کے طریقے اور [illegible] کفایت سے [illegible] اصول بیان کئے گئے ہیں کہ آدمی ان پر عمل کر کے اپنی زندگی میں انقلاب پیدا کر سکتا ہے ایک ناتجربہ کار کو تجربہ کار بنانے اور تجارت کی [illegible] کے لئے یہ بہترین کتاب ہے قیمت مجلد دو روپیہ غیر مجلد صرف ... عہ

تجارت کی دوسری

یعنی فن اشتہار [illegible] اشتہارات کے ذریعے سے [illegible] تجارتوں کو فروغ دینے کے لئے [illegible] اصول بیان کئے گئے ہیں۔ اشتہارات کا مضمون بنانے [illegible] اور ان کی اشاعت کے لئے کم از کم [illegible] بہتر سے بہتر طریقے اختیار کرنے کے متعلق [illegible] ہدایات و معلومات اس کتاب میں [illegible] اہل مغرب فائدہ اٹھا [illegible] ہندوستانی ناواقف ہیں قیمت [illegible] مجلد ایک روپیہ ... عہ

تجارت کی تیسری

اس میں دوکانداری کی تعلیم ہے دکان کیسی ہو [illegible] مال [illegible] خوش رکھا جائے [illegible] دکان کی شہرت [illegible] کیا طریقے اختیار کئے جائیں [illegible] وصول کیا جائے دوکان کا حساب کیونکر رکھا جائے۔ الغرض اس قسم کی بہت سی کارآمد باتیں دوکانداری کے متعلق اس کتاب

[illegible] ہندوستانی [illegible] ناواقف ہیں۔ قیمت [illegible] ... ۱۲

تجارت کی چوتھی

یعنی مراسلات تجارت [illegible] کتابت تجارت [illegible] ایک [illegible] چیز ہے [illegible] اس کتاب میں [illegible] تجارتی خط و کتابت کے تمام [illegible] رسید و ہنڈی و بیاک وغیرہ لکھنے کے طریقے بتائے گئے ہیں [illegible] اردو خوان اور انگریزی خوان دونوں فائدہ اٹھا سکتے ہیں [illegible] تجارت میں خط و کتابت ایسی چیز ہے [illegible] ایک کرسی اور ایک میز [illegible] آپ [illegible] خط و کتابت کے ذریعہ سے لاکھوں روپے پیدا کر سکتے ہیں لیکن افسوس یہ ہے کہ خط و کتابت کی جانب بہت کم توجہ کی جاتی ہے [illegible] اس لئے مراسلات تجارت کا مطالعہ [illegible] ضروری ہے [illegible] قیمت مجلد [illegible] غیر مجلد صرف [illegible]

تجارت کی پانچویں

یعنی فن بہی کھاتہ کی کتاب۔ اس میں تجارتی حساب کتاب رکھنے کی مفصل تعلیم دی گئی ہے۔ فن بہی کھاتہ پر ایسی جامع مفصل اور مفید کتاب ہندوستانیوں کے لئے اب تک اردو کیا انگریزی میں بھی نہیں لکھی گئی۔ یہ کتاب انشاء اللہ ملک کے تجارتی لٹریچر میں ایک ایسا اضافہ ہوگئی ہے جس کو ماہرین فن بہی کھاتہ کی نگاہ سے دیکھیں گے۔ اس لئے چھوٹے سے چھوٹے اور بڑے سے بڑے تاجر کے لئے نہایت ضروری چیز ہے۔ کتاب کی ضخامت قریباً ۵۰۰ صفحات قیمت [illegible] مجلد دو روپیہ ... عہ

تاریخ لاہور

مصنفہ [illegible] صاحب۔ واقعی قابل دید کتاب ہے قیمت دو روپیہ ... عہ

مولینا مولوی محمد عبدالحلیم صاحب شرر کے مشہور زمانہ و مقبول عام تصانیف

جنید بغدادی

شبلی

خواجہ معین الدین

آغا صادق کی شادی

فلورا فلورنڈا

قیس و لبنیٰ

ملک العزیز ورجنا

مفتوح فاتح

الفانسو

حسن کا ڈاکو

دلگداز کی مکمل جلدیں

رومۃ الکبریٰ

ایام عرب

یوسف نجمہ

فردوس بریں

دلگداز کی مکمل جلدیں

مضامین شرر

فہرست مطبوعات خاص متعلقہ دوکان ایس عبدالرشید

اینڈ برادرز تاجران کتب لوہاری دروازہ لاہور

سیرۃ احمدی یعنی حضور سرورِ عالم رحمۃ اللعالمین

کی سوانح عمری۔ اس کتاب میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سوانح عمری کے علاوہ ازواج و اولاد کا تذکرہ بھی ہے حضور کے طبعی عادات اور حالات۔ حضور کی تعلیم اور اس کی فلاسفی۔ نبوۃ اور معجزات اور ان کی فلاسفی۔ تکثیر ازدواج۔ طلاق غلامی (اسلام مذہب سیف نہ تھا رد ہے) ان عنوانات پر تفصیلاً علیحدہ علیحدہ باب قائم کرکے بحث کی ہے۔ جو اس کتاب کی خصوصیت ہے نہایت دیدہ زیب کتابت اور طباعت البتہ کاغذ تین طرح کا لگا ہے قیمت درجہ اول تین روپے (۳ے) درجہ دوم (عہ/) درجہ سوم (عہ) رکھی گئی ہے۔ عاشقان حضور کے قابل مطالعہ ہے جلدی طلب فرمائیے تاکہ دوسرے ایڈیشن کا انتظار نہ کرنا پڑے۔

مختصر تاریخ اسلامی حصہ چہارم

از آغاز اسلام تا خلافت عباسیہ

سی تاریخیں لکھی گئی ہیں مگر افسوس ان تاریخوں سے ہمارے بچے مستفید اس لئے نہ ہو سکے کہ ان کی عبارتیں دقیق اور الفاظ مشکل ہیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ ایسی آسان عام فہم تاریخ لکھی جائے جس سے بچے بھی فائدہ اٹھا سکیں۔ لہٰذا ہم نے یہ سلسلہ مختصر تاریخ اسلامی کا شائع کیا ہے جس سے مسلمان لڑکے اور خاصکر لڑکیوں کو ایک مختصر خاکہ اپنے آباؤ اجداد کی تاریخ کا معلوم ہو جائے اگر ان کو شوق ہو تو ان کے لئے یہی کتابیں تاریخ اسلامی کا بنیادی پتھر بن سکینگی۔ مولانا سید سلیمان صاحب نے اس کتاب کے مفید ہونے کی نسبت معارف میں پُر زور لکھا ہے قیمت حصہ اول دو روپیہ چار آنہ عہ/

حصہ دوم حصہ سوم حصہ چہارم

سیرۃ النعمان مصنفہ علامہ شبلی نعمانی

اُمرحوم جیسی بیکتا بعلامہ مرحوم نے اعلیٰ درجہ کی تصنیف فرمائی ہے۔ اور کروڑوں حنفی مذہب مسلمانوں کو امام اعظم اور ان کے نامور اور ممتاز شاگردوں کے حالات اور مسائل سے آگاہ کیا۔ دیکھئے جو کتاب مختلف مطابع کے چھاپ کرایسی ردی کردی تھی۔ کہ دیکھ کر دل پریشان ہوتا

تھا۔ ہم نے اس کی نہایت سرفرازی سے محنت کی اور اس پر حاشیہ بھی تحریر کئے اور دو قسم کے کاغذ پر چھپوئی قسم اول دو روپے (عہ) قسم دوم (عہ/) اب آپ اس کتاب کو منگوائیں اور ملاحظہ فرمائیں ہمیں بھی محنت اور خرچ کی داد بھی اس طرح ہی مل سکتی ہے

مستقبل اسلام

کہ پروفیسر وامبری۔ جو بہت عرصہ تک اسلامی دنیا میں رہے۔ اور سیاسی و مذہبی معلومات سے مستفید ہو کر ایک معرکۃ الآراء تصنیف مغربی تمدن اور مشرقی ممالک شائع کی۔ اس کا مسٹر ظفر عمر صاحب بی۔ اے (علیگ) مؤلف نیلی چھتری و بہرام کی گرفتاری نے نہایت مقبول ترجمہ فرمایا اور حاشیہ بھی لکھے۔ یہ دوسرا ایڈیشن ہے۔ اسلام کی آئندہ حالت مغربی نقطہ نظر سے دیکھنا ہو تو اس کو ملاحظہ فرمائیے آج کل اس کا مطالعہ نہایت فائدہ بخش ہے

قیمت صرف ایک روپیہ پانچ آنے ...... (للعہ/)

ذکر فتح اندلس

کتاب نایاب کی حالت قابل مطالعہ تھی۔ مسٹر محمد جمیل الرحمٰن صاحب پروفیسر حیدرآباد دکن نے ترجمہ اردو کیا اور اصل متن عربی کو بھی منسلک کر دیا قابل دید مختصر تاریخ قیمت بارہ آنے ۱۲ر

حسنیہ

عربی صرف ونحو میں۔ اردو کتابت اس کی تشریح اور توضیح جو مصنف نے اس کتاب میں فرمائی۔ بڑی بڑی کتابوں میں بھی یکجا نہ پائی جائے گی نادر الوجود اور قابل قدر کتاب ہے قیمت صرف چھ آنے ۶ر

مضامین شرر

علامہ شرر کا مضمون نے اول اول لکھ کر اردو زبان کے خزانے کو کیا دیا (الا ما شاء اللہ) (فتح المشاہین الیوم) اور دنیا میں کوس لمن الملک الیوم درست طور سے بجا دیا۔ لیکن افسوس جو قدر کرنے والی چیز تھی۔ جس سے فائدہ اٹھا کر مشہور ادیب اور نامور مصنف بن جائیں اس کی طرف اردو دنیا نے توجہ نہ کی۔ علامہ کی اصل جوہر تصنیف مضامین تھے جو دلگداز کے ذریعہ وقتاً فوقتاً شائع ہوتے رہے اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے شائع ہوتے رہینگے یہ ایسی چیز تھی کہ قابل نگاہیں متمنی نہیں کہ اگر

ملنے کا پتہ۔ ایس عبدالرشید اینڈ برادرس تاجران کتب لوہاری دروازہ۔ لاہور

اُن کو بہ مرتب اَور معنون ہو کر مل جائیں تو شرر لکھنوی
پر کمیں بیٹھے ایسی قابل ہستیوں کی خواہش کو پورا
کرنے کے لئے علامہ موصوف کو تکلیف دی تو
انھوں نے مہربانی فرمائی اَور میری التماس کو شرف
قبولیت بخش کر علیحدہ علیحدہ عنوانوں سے مضامین
کو مرتب فرما دیا جنھیں حصص کر کے بیٹنے طبع کرانا
شروع کر دیا ہے جن میں سے عاشقانہ و شاعرانہ
مضامین کے تین حصہ چھپ کر تیار ہو گئے ہیں۔
اَور تاریخی وجغرافی مضامین کے دو حصہ ان میں سے
ہی ہندوستان میں مشرقی تمدن بصورت حصہ
سوئم (قیمت عہ) عاشقانہ وشاعرانہ مضامین حصہ
اوّل قیمت دو روپیے آٹھ آنے (عہ) ایضاً حصہ
دوم قیمت (عہ) حصہ سوم آغاز و اختتام سال
قیمت (عہ) تاریخی وجغرافی مضامین حصہ اوّل۔
قیمت (عہ) حصہ دوم دو روپیے آٹھ آنے (عہ)

جلدِ گداز ۱۸۸۸ء

یہ باوجود دو تین بار شائع
ہونے کے علامہ شرر مدظلہ کے کتب خانہ میں
بھی مکمل نہ تھی بیٹنے اسکو طبع کرا دیا ہے۔ تھوڑی
جلدیں طبع کرائی ہیں: سلئے جلد طلب فرمالیں
قیمت ایکروپیہ چار آنے . . . . (عہ)

جلدِ گداز ۱۸۸۹ء

اب پھر چھپ کر تیار ہے
اس کو بھی ہیں نے اس لئے طبع کرایا ہے۔ کہ یہ
سخت نایاب ہو گئی تھی قیمت صرف عہ

بہارِ آزاد

کیا ہے: مشاہیر شعرائے ہند کے کلام کا انتخاب لاجواب ہے
اَور وہ بھی مسلّم اُستاد آزاد مرحوم کا کیا ہوا نہایت
خوشخط شعر ترتیبے لکھے ہوئے۔ جلی قلم معلوم ہوتا
ہے کہ شنگرف سے لکھی ہوئی قلمی کتاب سامنے
رکھی ہے۔ مولانا کا فوٹو بھی شامل ہے علامہ شرر
لکھنوی نے جو اس کتاب کی نسبت تحریر فرمایا
ہے وہ ابتداء میں منسلک کر دیا ہے باوجود ان
تمام خوبیوں کے قیمت صرف . . . . عہ

سمرنا کا چاند

مصنفہ مصور غم مولانا راشد الخیری دہلوی اس
کتاب کی مقبولیت اس سے ظاہر ہو سکتی ہے
کہ پہلی بار چھپتے ہی اتنی جلد ختم ہوئی کہ چھ ماہ کے
اندر اندر دوسری دفع طبع کرانے کی دقت اٹھانی
پڑی اب پھر تھوڑی سی جلدیں ہیں جلد طلب
فرمائیے۔ یہ کتاب تربیت نسواں کے لئے ایک
سبق آموز اضافہ ہے قیمت ایکروپیہ چار آنہ عہ

آفتابِ دمشق

عہد صدیقی کا اسلام۔ مسلمانوں کے عظیم الشان
جنگی کارنامے مسلمانوں نے دمشق اَور بصرے وغیرہ
شہروں پر قبضہ کرنے اَور اسلام کی اشاعت کے
لئے جو عظیم الشان قربانیاں کی ہیں ان کا ذکر اَور
ایسے دردناک پیرائے میں جو مصور غم علامہ راشد
الخیری کا مخصوص اعجاز ہے ایک مسلمان مجاہد
اور مسلمان خاتون کی موت ان کے مصائب
دیکھئے اور سبق حاصل کیجئے۔ ایک حسینہ کا اسلام
پر شیدا ہو کر مسلمان ہونا۔ قید کیا جانا۔ اَور
فصیل کے کنگوروں پر سے گرائے جانے پر بھی
اسلام سے سرتابی نہ کرنا۔ اس کتاب میں مرقوم
ہے۔ جوش اسلامی حمیت اسلامی۔ عدل اسلامی
کا نمونہ آپ کو اس کتاب کے مطالعہ سے ملیگا۔
دوبارہ چھپی ہے اَور قریب الاختتام۔ چھپائی۔
لکھائی سرورق نہایت دیدہ زیب قیمت عہ

رہنمائے قانون المعروف وکیل کا منشی

وکلاء کے لئے نت نئی کتب طبع ہوتی رہتی ہیں۔ ایکٹ
منشی صاحبان جن کو کم دماغ سوزی نہیں کرنی
پڑتی اُن کے لئے ایک کتاب بھی نہ ہو کتنی افسوس
کی بات ہے۔ یہ کتاب منشی صاحبان کے لئے خصوصاً
اَور عرائض نویسوں۔ ثالثوں۔ ساہوکاروں وغیرہ
وغیرہ کے لئے نہایت مفید ہے اس کتاب میں
قانون مروجہ ہند کو نہایت آسان عام فہم زبان
میں بیان کیا ہے ناظرین منگوائیں اَور قانونی
الجھاؤں سے مخلصی حاصل کریں قیمت ۳ روپے

تصنیفات مسٹر ظفر عمر صاحب بی۔ اے (علیگ)

نیلی چھتری مسٹر غرسانی کا نہایت دلچسپ اَور پسندیدہ ناول قیمت (عہ)

بہرام کی گرفتاری نیلی چھتری کے ہیرو بہرام کے حیرت انگیز کارنامے
حصہ دوم قیمت ایکروپیہ چار آنے .... (عہ)

چوروں کا کلب۔ دل ہلانے اَور چوری کے
خطرات سے بچنے اور لطف اٹھانیکا نادر خزانہ عہ

پولیسمین اہلکاران پولیس کے لئے [illegible]
ہے قیمت صرف آٹھ آنے ۸ر

مستقبل اسلام پروفیسر وامبیری کی کتاب کا
ترجمہ قیمت صرف (عہ)

ملنے کا پتہ۔ ایس عبد الرشید اینڈ برادرس تاجران کتب لوہاری دروازہ۔ لاہور

گلبدن — ایک غریب کا اتفاقاً لاٹری میں دولت پا کر دولتمند ہو جانا۔ پھر دولت کے نشہ میں آکر اعزا اقربا سے نفرت کرنا۔ اولاً اپنی لڑکی کی نسبت اپنے بھتیجے سے کر کے اس سے پھر جانا۔ لڑکی کا دوسری جگہ شادی پر راضی نہ ہونا اور خودکشی پر تیار ہونا۔ پولیس انسپکٹر حامد کا لڑکی کی مدد کرنا اور مختلف خطرات سے بچانا۔ ایک اور عورت کا اپنے شوہر کو زہر دیکر قتل کرنا۔ اور بدمعاشوں کا ساتھ دینا۔ پولیس انسپکٹر کی عیارانہ چالیں۔ پولیس اور قزاقوں کی مڈبھیڑ۔ چوروں کی چالبازیاں اور پولیس کی حکمت عملی۔ پولیس کی کامیابی بدمعاشوں کی شکست لڑکی کی کامیابی۔ سراغرسانی کا بہت ہی دلچسپ ناول ہے قیمت صرف بارہ آنے ۱۲/

گیتی آرا — بری صحبت کا انجام۔ بدچلنی اور بدمعاشی کے نتائج۔ شراب خانہ خراب کی کرتوت۔ ایک رئیس کی تباہی۔ یوروپین تہذیب کے تباہ کن کرشمے ایک مظلوم عورت کی کامیابی۔ بے وفا بدمعاش اور بدچلن شوہر کی بدکرداریوں کا انجام۔ شروع سے آخر تک سوز وگداز اور درد و اندوہ سے مملو ہے۔ بہت ہی دلکش اور دلربا فسانہ ہے قیمت ۱۲/

مکافات عمل — ایک نتیجہ خیز اور پردرد افسانہ۔ محبت کی باتیں عشق کے چوچلے وصال و فراق کی داستان۔ راز و نیاز کی باتیں اور محبت کی کرشمہ سازیاں قیمت صرف ایک روپیہ چار آنے ...... عہ/

پارۂ دل — ایک دلگداز فسانہ۔ گردش تقدیر کے کرشمے۔ جدائی اور نامرادی کی داستان۔ حسن و عشق کا معاملہ بہت ہی دلسوز اور جگردوز فسانہ ہے قیمت .... عہ/

درد — ایک لاجواب ڈیٹیکٹو ناول جس کے متعلق لوگوں کا خیال ہے کہ شمع شبستان کے بعد یہ سب سے بہتر ناول ہے۔ اس کو پڑھ کر انسان ہمہ تن درد بن جاتا ہے۔ قیمت صرف ایک روپیہ چار آنے ..... عہ/

واہ — سراغرسانی کے ناولوں میں سب سے بہتر ناول ہے۔ انسپکٹر محمود صاحب ہندوستان کے شرلاک ہومز کے کارنامے جو جناب مسٹر ہاکنس صاحب بہادر ڈپٹی انسپکٹر جنرل پولیس کے ایما سے لکھا گیا ہے اور انہی کے نام پر معنون ہے قیمت صرف ...... عہ/

سرخ حرف — بعض کا خیال ہے کہ یہ فلسفی ناول جو سراپا سوز وگداز ہے۔ بہترین تصنیف میں سے ہے اور یہ بالکل سچ ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک دیو انتقام شوہر نے عبرت خیز انتقام کس طرح لیا۔ قابل دید قیمت صرف ۱۲/

وہ عورت جس نے کر کے دکھایا
ایک عجیب و غریب ناول قیمت صرف ... ۱۲/

پری بانو — قابل دید عجیب و غریب ناول قیمت دس آنے ۱۰/

سادھو کی کرتوت — فقیری کے لباس میں عیاشی۔ قزاقی ظلم وستم کا نظارہ قابل دید قیمت ۷/

اسرار امرتسر — ٹائیٹل و طباعت وغیرہ دیدہ زیب۔ واقعات نہایت دلربا قیمت صرف نو آنے ۹/

آپ بیتی — ایک لڑکے کا باپ فوت ہو جاتا ہے۔ ماں دوسرا نکاح کر لیتی ہے بچے کو ان مواقع پر جو سختیاں اور تکلیفیں اٹھانی پڑتی ہیں۔ پڑھ کر بدن کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ آخر میں خداوند تعالے اپنا فضل کرتا ہے وہ کامیاب اور لائق گریجوایٹ بنجاتا ہے۔ نہایت مزیدار لکھا ہے قیمت صرف ۱۲/

نازنین مہ جبین — ایک عورت کا آگ میں غسل کر کے دو ہزار سال تک زندہ رہنا اور پھر غسل آتشین سے ہی زندگی کا ختم ہونا نہایت رقت خیز اور حیران کرنے والا بیان ہے۔ پڑھیں متعجب اور حیران ہوں۔ وحشیانہ زندگی اور وحشیوں کے رسم و رواج بھی اس سے معلوم ہو جائینگے یہ نہایت ہی دلچسپ اور قابل دید کتاب ہے قیمت صرف چھ آنے ۶/

ابلیس و جمیلہ — شیطان کے انسانوں سے ہتھکنڈے لائق دید اور قابل عبرت ناول ہے قیمت ۱۰/

مندرجہ بالا ناول مقبول رسالہ شباب اردو لاہور کے چیف ایڈیٹر خان احمد حسین خانصاحب بی۔ اے۔ ایم۔ آر۔ اے۔ ایس کی **تصنیفات** ہیں

خدائی انکم ٹیکس — مسلمانوں کو زکوٰۃ ادا کرنے کی ترغیب اور اسلامی زکوٰۃ کا عالم فہم فلسفہ قیمت ۱۰/

شیطان کا طوطا — یہ عبرت انگیز اور نہایت دلچسپ کہانی ہے جس میں مغربی تعلیم و تہذیب کی برائیاں اور خراب صحبت کے نتائج پُر اثر قصہ کے پیرایہ میں ظاہر کئے گئے ہیں قیمت صرف ۲/

قبروں کے غیبی نوشتے — ان پُر سوز و عبرت خیز تحریروں کا مجموعہ جو خواجہ صاحب نے رسول مقبول اور اہلبیت اطہار کے مزاروں کے لئے تحریر فرمائے قیمت ۴/

کم تو موت — دنیا کی محبت کو کم کرنے اور موت و آخرت کو یاد دلانیوالے نہایت عبرت انگیز اور پُر درد مضامین کا مجموعہ قیمت صرف ایک روپیہ عہ

اسلام کا انجام — علامہ توفیق بکری کی عربی کتاب کا ترجمہ فلسفیانہ دلائل سے اسلام کے نیک انجام کا ثبوت قیمت صرف چھ آنے ۶/

سی پارۂ دل — خواجہ صاحب کے مستانہ البیلے اور پُر سوز مضامین کا مجموعہ جدت بیان و ندرت تخیل کا قابل دید واقع اردو انشا پردازی سیکھنے کا بہترین ذریعہ قیمت صرف دو روپے عـ۲

چٹکیاں اور گدگدیاں — خواجہ صاحب کے ان نئے طرز کے مضامین کا مجموعہ جن میں ہنسی مذاق کے پیرایہ میں مفید باتوں اور دینی نصیحتوں کو نہایت دلکش پیرایہ میں بیان کیا گیا ہے قیمت صرف ۱۲/

شیخ سنوسی — حصہ اول، مشہور کتاب ہے قیمت چھ آنے ۶/

تاگفتہ بہ شیخ سنوسی کا پانچواں حصہ قیمت ۶/

قرآن آسان قاعدہ — یہ حضرت خواجہ صاحب کی تازہ تصنیف ہے حجم ۴۸ صفحے بڑا سائز قیمت ۸/

سیر دہلی — اس میں شہر دہلی کی سیر اور شہر کے باہر کی پرانی عمارات کے متعلق دلچسپ معلومات درج ہیں قیمت صرف ۱۲/

اردو دعائیں — ہر موقع کے لئے مناسب اور موثر اردو دعاؤں کا مجموعہ جو خواجہ صاحب نے خاص اوقات میں تحریر فرمائی ہیں قیمت آٹھ آنے ۸/

لڑائی کا گھر — ان سب رسالوں کا مجموعہ جو عالمگیر جنگ کے زمانہ میں بمبوں - بم - توپخانہ یعنی کامیدان جنگ وغیرہ ناموں سے شائع ہوئے تھے قیمت ۶/

تسکین حساس — تصوف کے ابتدائی اور بنیادی اصول کی عام فہم تشریح ۔ صوفیوں کے مشہور اذکار و اشغال کا بیان قیمت صرف آٹھ آنے ۸/

اسرار — رموز تصوف پر شیخ بہاء اللہ آفندی کے عجیب و غریب خیالات مع ترجمہ اردو ۶/

فلسفہ شہادت — حضرت امام حسین کی شہادت پر فلسفیانہ بحث کی گئی ہے قیمت صرف ایک آنہ ۱/

فرام فیلڈ تو شملہ — ہندوستان کے وائسرائے کے نام ایک خط قابل دید قیمت صرف دو آنے ۲/

جرمنی خلافت — شیخ سنوسی کا چھٹا حصہ جو ضبط ہو گیا تھا قیمت ... ۶/

گورنمنٹ اور خلافت — مسئلہ خلافت کی توضیح اور انگریزوں کو دعوت اسلام قیمت چار آنے ۴/

سفرنامہ ہندوستان — خواجہ صاحب کے سفر بمبئی اور کاٹھیاواڑ وغیرہ کے دلچسپ حالات مزارات بزرگان اور آغا خانی اور اسماعیلی خفیہ تحریکوں کے تذکرے ۱۲/

سچوں پر ستم — آنحضرت اور صحابہ کرام پر جو سختیاں کفار نے کیں اور جس ثابت قدمی سے ان کو برداشت کیا گیا ۔ یہ اس کا تذکرہ ہے قیمت صرف ۔ ۲/

تعلیم القرآن کا دوسرا حصہ — قرآن آسان قاعدہ پڑھنے کے بعد یہ دوسرا حصہ پڑھنا چاہئے اس میں قرآن شریف کی تمام دعائیں جمع کی گئی ہیں اور ان کا سلیس ترجمہ لکھا گیا ہے۔ اور ہر دعا کے ساتھ ایک دلچسپ کہانی اسی آیت کی نسبت لکھی گئی ہے جس کو پڑھ کر بچہ کو وہ آیت حفظ ہو جاتی ہے۔ اور بات بات میں وہ آیت زبان پر آنے لگتی ہے حضرت خواجہ صاحب نے اسکو بڑے پُر اثر طریقے سے لکھا ہے۔ قیمت صرف ۸/

ملنے کا پتہ ۔ ایس عبد الرشید اینڈ برادرس تاجران کتب لوہاری دروازہ ۔ لاہور